یہ کتاب

اپنے بچوں کے لیے scan کی بیرونِ ملک مقیم ھیں

مو منین بھی اس سے استفادہ حاصل کرسکتے ھیں.

منجانب.

سبیلِ سکینہ

یونٹ نمبر ۸ لطیف آباد حیدر آباد پاکستان

۷۸۶
۱۱۰_۹۲
یا صاحب الزّماں ادرکنیؑ

DvD Version

لبیک یا حُسینؑ

خصوصی تعاون: نذر عباس
رضوان رضوی

اسلامی کُتب (اردو) DVD

ڈیجیٹل اسلامی لائبریری ۔

www.ziaraat.com

SABIL-E-SAKINA
Unit#8,
Latifabad Hyderabad
Sindh, Pakistan.
www.sabeelesakina.page.tl
sabeelesakina@gmail.com

NOT FOR COMMERCIAL

مجموعہ مجالس

خطیب آل محمدؐ

مولانا سید اظہر حسن زیدی

مرتب

شاعر آل عمران ملک صفدر حسین ڈوگر

مجموعہ مجالس
خطیب آل محمدؐ
مولانا سید اظہر حسن زیدی
مرتب
شاعر آل عمران ملک صفدر حسین ڈوگر

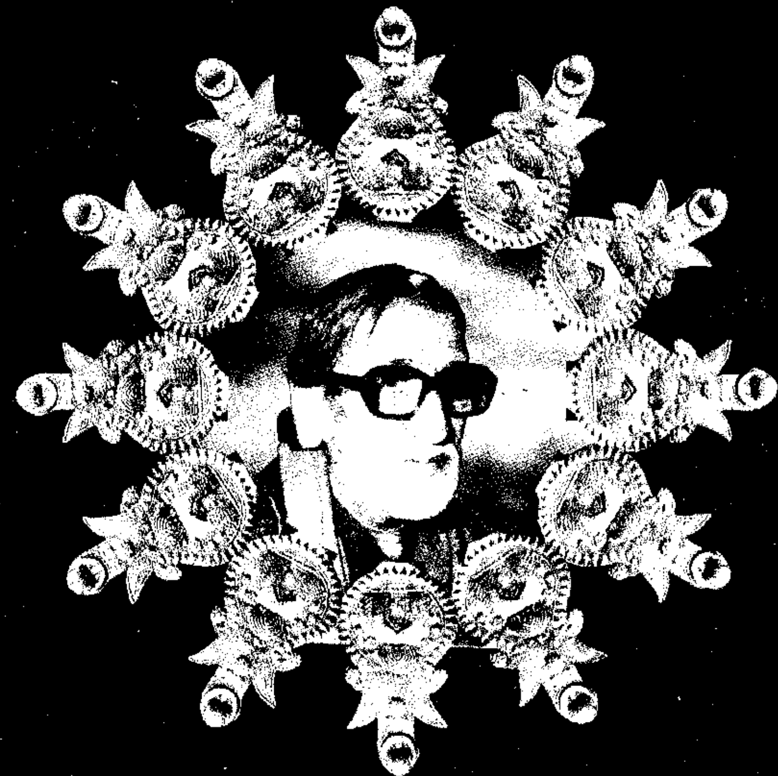

جس کے بغیر حرفِ سخن دل نشیں نہیں
ایسا خطیبِ آلِ محمدؐ کہیں نہیں

مجموعہ مجالس

خطیب آل محمدؐ..... مولانا سید اظہر حسن زیدی

مرتب

شاعر آلِ عمرانؑ

ملک صفدر حسین ڈوگر

ناشر

شریعۃ الحسینؑ پبلی کیشنز

پکی شاہ مردان (میانوالی) فون: 0459-392264-392484

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَللّٰهُمَّ كُنْ لِوَلِيِّكَ الْحُجَّةِ بْنِ الْحَسَنِ

صَلَوَاتُكَ عَلَيْهِ وَعَلٰى آبَائِهِ

فِيْ هٰذِهِ السَّاعَةِ وَفِيْ كُلِّ سَاعَةٍ

وَلِيًّا وَحَافِظًا وَقَائِدًا وَنَاصِرًا وَدَلِيْلًا وَعَيْنًا

حَتّٰى تُسْكِنَهُ اَرْضَكَ طَوْعًا وَتُمَتِّعَهُ فِيْهَا طَوِيْلًا

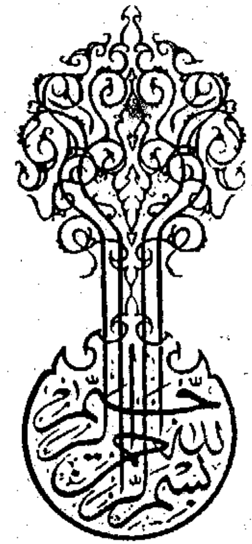

(جملہ حقوق حق ناشر محفوظ ہیں)

نام کتاب .... مجموعہ مجالس خطیب آل محمدؐ
مرتب .... شاعر آل عمران ملک صفدر حسین ڈوگر
کمپوزنگ .... سید علی حیدر نقوی
سرورق .... سید راشد صغیر رضوی
سعی .... سید رضا حسین نقوی، سید راشد صغیر رضوی
ناشر .... شریکۃ الحسینؑ پبلی کیشنز، پکی شاہ مردان
اہتمام .... مجلس القائمؑ ..... اسلام آباد
قیمت ....

سٹاکسٹ

☆ مکتبہ الرضا..... میاں مارکیٹ اردو بازار لاہور 042-7245166
☆ ولایت دی ہٹی..... ریل بازار عارف والا ضلع پاکپتن 0446-32783
☆ شریکۃ الحسین پبلی کیشنز... پکی شاہ مردان 0459-392264,392484

پاکستان میں خواتین کا پہلا اسلامی، تحقیقی اور معلوماتی جریدہ

پیام زینبؑ

جس میں !

☆ محسنہ اسلام حضرت سیدہ خدیجۃ الکبریٰ کے افکار و کردار کی ترویج جاری ہے
☆ حضرت سیدہ فاطمہ زہراءؑ کی تعلیمات کو اجاگر کیا گیا ہے۔
☆ مخدرات عصمت سیدہ زینبؑ اور سیدہ ام کلثومؑ کے خطبوں کی بازگشت موجود ہے۔
☆ وارثان کساء کے کردار کو مشعل راہ بنایا گیا ہے۔
☆ ایک مکمل جریدہ........ایک موثر آواز
☆ آپ کے خاندان کی خواتین کی کردار سازی کی ضمانت ہے۔

زرسالانہ مبلغ -/200 روپے آج ہی منی آرڈر کر کے اس کی رکنیت قبول کریں۔

برائے رابطہ:
جامعہ السیدہ خدیجۃ الکبریٰ پکی شاہ مردان ضلع میانوالی
0459/392264-392484

ایک نظر

انتساب ____ 8
اس کتاب کے بارے میں ____ 9
منفرد خطیب ____ 11
داستان کربلا کے مصور ____ 14
خطیب مولانا سید اظہر حسن زیدی ____ 15
شخصیت ____ 18
خطیب آلِ محمدؐ ____ 24
خطیب اور فنِ خطابت ____ 28
رہ سخن میں چراغ آخر ____ 32
نظم ____ 37
دو دیدہ ور ____ 42
خلق عظیم ____ 59
حضرت قائمؑ آل محمدؐ ____ 65
عظمت حسینؑ ____ 69
حسینیت ____ 73
یوم الحسینؑ ____ 83
ورود کربلا ____ 91

قلم ____ 103
ذکر علیؑ عبادت ہے ____ 113
موت وحیات (۱) ____ 122
موت وحیات (۲) ____ 129
انسانیت ____ 137
انسان اور انسانیت ____ 152
اضافہ شکریہ ____ 163
شہزادہ قاسمؑ ابن حسنؑ ____ 183
امام موسیٰ کاظمؑ ____ 186
ہجرت رسولؐ ____ 197
آلِ ابی طالبؑ ____ 209
درس معصومؑ ____ 231
محسن بیٹے! تم زندہ رہو ____ 247

☆☆☆☆☆

ایک نظر

انتساب — 8
اس کتاب کے بارے میں — 9
منفرد خطیب — 11
داستان کربلا کے مصور — 14
خطیب مولانا سید اظہر حسن زیدی — 15
شخصیت — 18
خطیب آلِ محمدؐ — 24
خطیب اور فن خطابت — 28
رہ سخن میں چراغ آخر — 32
نظم — 37
دو دیدہ ور — 42
خلق عظیم — 59
حضرت قائم آل محمد — 65
عظمت حسینؑ — 69
حسینیت — 73
یوم الحسینؑ — 83
ورود کربلا — 91

قلم — 103
ذکر علی عبادت ہے — 113
موت وحیات (۱) — 122
موت وحیات (۲) — 129
انسانیت — 137
انسان اور انسانیت — 152
اضافہ شکریہ — 163
شہزادہ قاسمؑ ابن حسنؑ — 183
امام موسیٰ کاظمؑ — 186
ہجرت رسولؐ — 197
آل ابی طالبؑ — 209
درس معصومؑ — 231
محسن بیٹے! تم زندہ رہو — 247

☆☆☆☆☆

انتساب

خطیب آل محمد مولانا الحاج سید اظہر حسن زیدی اعلیٰ اللہ مقامہ

کے جد امجد حضرت زید شہید

کے نام

جن کے نقش قدم پر چلتے ہوئے..... خطیب آل محمدؐ.... اس مصلوب ماحول میں وقت گزار کر اپنے آباء واجداد کے جوار میں تشریف لے گئے۔

میں اس کتاب کا ثواب قبلہ زیدی صاحبؒ کے درجات کی بلندی کے لئے ان کی روح کی نذر کرتا ہوں۔

معزز قارئین!

کتاب کے مطالعہ سے قبل قبلہ زیدی صاحبؒ کی روح کے لئے درود پاک تلاوت فرمائیں۔

پابند بیعت ابوذر
شاعر آل عمران
ملک صفدر حسین ڈوگر
مسلم ٹاؤن راولپنڈی
۹ مارچ ۲۰۰۲ء

کچھ اس کتاب کے بارے میں

اس کتاب کا مسودہ نامکمل طور پر تین مرتبہ شائع ہو چکا ہے کچھ تقاریر ''حروف معلیٰ'' کے نام سے میرے اپنے ادارہ القائم رجسٹرڈ پاکستان کی طرف سے شائع ہوئیں۔ پھر مجموعہ تقاریر کے نام سے سرگودھا سے مولانا ملازم حسین اصغر مرحوم و مغفور نے اسے شائع کیا..... پھر لاہور سے اسی نام سے مولانا ملک ذوالفقار علی نے شائع کیا۔ یہ ساری اشاعتیں نامکمل تھیں..... ادھر میری مسلسل خانہ بدوشی اور نقل مکانی نے مسودہ گم کر دیا..... اب بڑے تردد سے اسے ڈھونڈھا اور ایک مکمل کتاب کی شکل میں پیش کر رہا ہوں..... نامکمل کتب میں مولانا سید اظہر حسن زیدیؒ کی تقاریر ادھوری رہیں..... اور یہ بھی عرض کرتا چلوں کہ میں نے آج تک کبھی کسی ناشر سے کسی بھی مسودے کی ایک پائی بھی عوضانے یا حق زحمت کے طور پر کبھی وصول نہیں کی۔ میں اسے توشہ آخر سمجھتا ہوں اور سمجھتا رہوں گا..... میری زندگی کے بعد بھی میری ہر کتاب کو شائع کرنے کا حق ہر مومن کو حاصل ہے..... جنہوں نے مجھے قلم اور یہ صلاحیتیں عطا کی ہیں وہ مجھے بھرپور اجر سے نواز رہے ہیں اور آخرت میں بھی انہی کی طرف سے اجر محفوظ ہے۔ اس کتاب کی اشاعت کے لئے اسلام آباد سے مجلس القائم اور کاروان کربلا کے سالار سید امیر حسن ترمذی کا تردد شامل ہے۔ وہ میری گوناگوں مصروفیات سے آگاہ ہیں اور انہی کی مسلسل باز پرس اور.... خانوادہ تطہیر کی خصوصی نوازشات سے یہ کتاب آپ کے زیر مطالعہ ہے۔ ان کا اشاعت کے سلسلے میں بھی تعاون رہا..... ان کے علاوہ اسلام آباد ہی سے سید اشتیاق علی رضوی نے تعاون فرمایا۔ ہر دو حضرات کی توفیقات میں مولا اضافہ فرمائیں۔

حضرت زیدی صاحب قبلہ کی مزید تقاریر بھی میں نے اپنے ذاتی کوششوں سے حاصل کر رکھی ہیں جو جلد ہی آپ کی نذر کی جائیں گی۔

حضرت خطیب آل محمدؐ کی ذات اور شخصیت کے بارے میں لکھنا ایک بہت بڑا مرحلہ ہے جس کے لئے انتہائی مضبوط اعصاب کی ضرورت ہے میرے پاس ان کی گفتگو،

انٹرویوز اور مجالس کے کیسٹ آج بھی محفوظ ہیں۔ زندگی نے مہلت دی تو سب کچھ طبع کرنے کا ارادہ ہے..... جس انداز میں وہ زندگی گزار کے چل بسے یہ ناممکن نہیں تو انتہائی مشکل ضرور ہے..... میں اکثر انتہائی اضطراب اور کس مپرسی کے عالم میں انہی کے کردار کو ذہن میں رکھ کر حوصلہ نہیں ہارتا.....وہ انسان تحمل اور بردباری کا پہاڑ تھا..... لاہور ہی سے میرے دیرینہ کرم فرما الحاج صفدر علی رانا ہم سب میں سے ان کے زیادہ قریب رہے اور وہ ان کے کرب کے شاہد ہیں..... ان کے تعاون سے بھی بہت کچھ لکھنے کا ارادہ ہے۔

زیدی صاحب قبلہ زمانے کی بے نیازی پر مقام شکر بجالانے کے عادی تھے۔ نہ گلہ نہ شکوہ نہ شکایت.....وہ شکر کرنے والوں میں سے تھے۔ وہ اپنے خاندان تطہیر کے افراد کی طرح تنہا تھے اور اس تنہائی کو خود ہی عزت بخش کر مطمئن تھے۔ کافی حد تک ''دو دیدہ ور'' میں انہوں نے حماد اہل بیتؑ سید محسن نقوی شہید کو دیئے گئے انٹرویو میں اپنے بارے میں پہلی اور آخری بار بتایا۔ وہ انٹرویو اس کتاب میں شامل ہے۔ آپ ان کے مزاج کے سکون اور اطمینان کو اس انٹرویو میں محسوس کریں گے۔

آئندہ کسی کتاب میں ایک مستقل باب دے کر اسے لکھوں گا۔ انشاء اللہ

شاعر آل عمرانؑ

ملک صفدر حسین ڈوگر

مسلم ٹاؤن راولپنڈی

۸ مارچ ۲۰۰۲ء

منفرد خطیب

لاہور کے روز مرہ اور شہر کے مذہبی اجتماعی حلقوں میں ''زیدی صاحب'' سے مولانا اظہر حسن صاحب ہی مراد لیے جاتے ہیں۔ یہ کمال محبت کی دلیل شہرت کا ثبوت۔ نصف صدی سے وہ پنجاب میں دین کی خدمت کر رہے ہیں اور متحدہ ہندوستان کے ان صاحبان منبر میں شمار ہوتے ہیں جن کی تقریر ہمیشہ لاجواب مانی جاتی ہے۔ پاکستان میں وہ طرز خاص کے موجد اور نفیس ترین انداز کے خطیب ہیں ان کا رنگ ڈھنگ سب سے جدا اور ان کا اسلوب بیان سب سے الگ ہے خطابت ان کو وہبی طور پر ملی ہے۔ فطری طور پر وہ خطیب ہیں۔ ان کا لہجہ، ان کی آواز، انکا تخاطب ان کی زبان کسی اور کے حصے میں نہیں آئی۔ وہ اسٹیج پر لفظوں سے جادو کرتے ہیں۔ وہ منبر پر فقروں سے گلدستے پیش کرتے ہیں۔ وہ سبک روی میں گل پاشی اور ٹھہر ٹھہر کر عطر وگلاب کی بارش کرتے ہیں۔ زبان پر انہیں وہ قدرت ہے کہ بڑے بڑے ادیب رنگ رہ جاتے ہیں

بات سے بات نکالتے ہیں تو صاحبان ذوق پھڑک جاتے ہیں اور فقرے پر فقرے کہتے ہیں تو سونے والے جاگ جاتے ہیں مجمع کیسا ہی ہو وہ سننے والوں کو اپنے ساتھ کر لیتے ہیں جوش کو ٹھنڈا کرنا، جمود کو توڑنا، خاموشی کو درود و سلام، داد و نعرے میں بدلنا اور نعروں کو آہوں میں ڈھالنا سب نے دیکھا ہے ان کے یہ کمالات فن دیکھنے والے جانتے ہیں کہ کوئی دوسرا خطیب و ادیب، مقرر و ذاکر محنت و کوشش کے باوجود اس سادگی سے اس مشکل سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتا۔

بلبل بوستان آل عبا، شیریں بیان، سادہ زبان اور رسیلی آواز سے جب گفتگو کرتے ہیں تو دوستوں کا کیا ذکر دشمن بھی گوش بر آواز ہو جاتے ہیں۔ جب وہ نکتے، فضائل کے رستے مطالب کے گوشے نکالتے اور مجمع کو لطیف ترین پیرایے میں بات سمجھاتے ہیں تو

جاہل و عالم، زیرک و نکتہ شناس، دانا اور نادان سب کو لطف آتا ہے، سب داد دیتے ہیں، سب اپنے اپنے ذوق اور رسائی کے مطابق ان کی بات سمجھ جاتے ہیں۔ جیسے غالب کا شعر یا انیس کی بیت ہو۔

خطیب آل محمدؐ، اردو میں خطبہ پڑھتے ہیں۔ آیت کے ترجمے سے کلام کا آغاز کرتے ہیں۔ اجنبی محسوس کرتا ہے کہ مولانا عربی نہیں جانتے۔ آہستہ آہستہ جب وہ تفسیر وکلام، مناظرہ و تاریخ کی مشکلات سے گذرنا شروع کرتے ہیں تو بڑے بڑے عالم حیران رہ جاتے ہیں کہ یہ شخص کس قدر صاحب نظر، وسیع المطالعہ اور عالم و قابل ہے۔ انہوں نے شروع شروع میں مدرسہ میں پڑھا ہے اور بنیادی علوم اسلامیہ سمجھ کر نکلے۔ حافظہ بلا کا ہے اور اب تک مسائل یاد ہیں۔ لیکن افتادِ طبع کے ہاتھوں اظہار و مبالغہ سے بچے اور مولانا اظہر حسن صاحب قبلہ سے زیدی صاحب بننے کو ترجیح دی خوش باشی اور بے تکلفی نے انہیں ہر ایک گروہ میں داخل کر دیا۔ ہر طبقے کے افراد انہیں اپنا سمجھتے ہیں اور وہ بھی سب کو اپنا جانتے ہیں۔ اسی بنا پر انکی شہرت میں محبوبیت اور انکی محبوبیت میں شہرت کی آمیزش ہے۔

جناب مولانا اظہر حسن صاحب زیدی ایک خوش حال زمیندار باعزت خاندان سادات کے فرزند ہیں۔ ان کے مزاج میں بے نیازی، ان کے طور طریقوں میں خودداری، ان کے لباس میں نفاست، ان کی معاشرت میں خوش باشی اور ان کے اخلاق میں دل کشی ہے۔ وہ ایک مدت دراز سے مریض ہیں مگر مرض ان کی شگفتگی اور مسکراہٹ کو ختم کرنے سے عاجز آچکا ہے۔ انہیں ایک حکمران نے کچل دینے کی تدبیر کی۔ جیسے کسی زمانے میں خانخاناں کو ہاتھی کے پیروں تلے ڈلوانے کی سعی کی جاتی تھی، آمرانہ نظام اور دین دشمن حکمران کے دور میں علماء نے کہا کہ چاند نہیں ہوا کل عید نہیں ہے اور وقت کے فرماں روا کے ماتھے پر شکن آگئی۔ مولانا اظہر حسن صاحب زیدی ظلم کی ٹکر سے چور چور ہو گئے مگر دشمن انہیں مار نہ سکا، وہ زندہ ہیں۔ اور زندگی سے بر سر پیکار ہیں۔

وہ دشمن پر اپنے طنز کے تیر و خنجر سے حملے کرتے ہیں اور دوستوں کو گل کے تحفے اور بلبل کے چہچہے پیش کرتے رہتے ہیں۔ ایک مدت سے امراض اور ایکسیڈنٹ کی تکلیفوں نے نڈھال کر رکھا ہے سننے کی قوت ختم ہے اور دیر تک بولنے کی عادت بھی نہیں رہی ہے۔ اس کے باوجود جب وہ بالائے منبر آتے اور تقریر شروع کرتے ہیں تو انداز سخن وہی رنگ بیان وہی، تخاطب کی مقناطیسی کیفیت اور طبیعت کی نکتہ آفرینی وہی ہے۔

خوشی ہے کہ جناب مولانا الحاج سید اظہر حسن صاحب زیدی کی تقریریں ضبط تحریر میں آچکی ہیں۔ ان کی محبت کے اسیر اور ان کے فن کے قدر دان احباب ان کی مجلسوں کو بڑے اہتمام سے چھاپ رہے ہیں اور اس قابل صد تحسین منصوبے اور عمل پر ان دوستوں کو آفرین دی جا رہی ہے۔ اس مجموعہ تقریر سے اہل علم و ادب کو مولانا زیدی صاحب کے فن اور انکی شخصیت سمجھنے میں مدد ملے گی۔

مولانا زیدی صاحب زندگی کا مقصد اشاعت فضائل و مصائب اہل بیتؑ بنا چکے ہیں۔ محمدؐ و آل محمدؐ کے پرستاروں نے ان مجلسوں کو فضا سے کتاب اور گوش سے ہوش تک منتقل کرنے کا عمل انجام دے کر بڑی خدمتِ دین کی ہے۔

اللہ، جناب زیدی صاحب کو صحت، قوت و توفیق مزید عطا فرمائے اور حضور محمدؐ و آل محمد علیہم السلام سے ان کی حمایت دین کی سعی کو سند قبول عطا ہو۔ اور ناشرین کو علم و عمل میں تبلیغ دین کی توفیق ملے۔

کربلا کے شہید اور امام حسینؑ، حضرت زینب سلام اللہ علیہا۔ اور حضرت عباسؑ کے خدمت گذار اپنی اس کوشش کو بطور شرف وانجام فرض مؤمنین کی خدمت میں پیش کرتے اور بہترین دعاؤں کے متمنی ہیں۔

نیاز کیش

(مولانا) سید مرتضیٰ حسین صدر الافاضل

۱۵۔ مغل پورہ۔ لاہور

داستانِ کربلا کے مصوّر

آغا شورش کاشمیری

سیّد اظہر حسن زیدی بفضلِ تعالیٰ بقید حیات ہیں۔ خدا انہیں تا دیر سلامت رکھے شاید اب وہ ذاکری کے چمنستان کا آخری بلبل ہیں وہ الفاظ کی انگوٹھیوں میں مطالب کے نگینے جڑتے ہیں اُن کا اسلوب ادیب کا...... لہجہ ذاکر کا اور اڑان شاعر کی ہے۔ شاعر ہوتے تو میر انیس ہوتے اور انیس خطیب ہوتا تو زیدی ہوتا۔ چھوٹے چھوٹے جملے گویا سبدِ گفتار میں کلیاں رکھی ہیں۔

انہیں پہلی دفعہ استقبالِ محرم کے جلسہ میں سنا تو عجیب عالم تھا۔ شیعہ بھائی تو اشکبار تھے اور انکی آہیں عرش کے دل میں کھب رہی تھیں لیکن حنفی العقیدہ بھی آنسوؤں کا جھالہ بنے ہوئے تھے معلوم ہوتا تھا۔ اظہر حسن زیدی نے ہمیں تاریخ کی سڑک پر ڈال دیا اور ہم یکایک کربلا کے ریگ زار میں پہنچ گئے ہیں اور کربلا نے اپنے لیل و نہار کی نقاب اُلٹ کر شہادت کے لمحوں میں پہنچا دیا ہے۔

وہ سامنے حسینؑ اور اُن کے خیمے ہیں

اِدھر فرات کی نہر اور اس پر عمرو بن سعد کی فوج کا پہرہ ہے اُدھر باطل کا ہاتھ حق کے گریبان کی طرف بڑھ رہا ہے۔ قاسمؑ وار سہہ رہا ہے...... اصغرؑ کے ننھے گلے میں تیر پیوست ہیں...... عباسؑ کا سینہ یزیدی قصابوں کا کندہ ہے۔

اکیلا اکیلا حسینؑ بڑھتے اور شقی القلب اُنہیں مجروح کر کے زمین پر گرا دیتے ہیں اُن کی گردن کاٹ کے نیزے کو سجاتے پھر جلوس بنا کر شام کی جانب روانہ ہوتے ہیں اور وہ خاندانِ رسالت کی کونپلیں قیدی ہو کر بے کجاوہ اونٹوں پر جا رہی ہیں۔

اظہر حَسَنؒ زیدی اہل بیتؑ کے خطیب ہی نہیں سانحہ کربلا کے مصور بھی ہیں غالب خلد آشیانی نے اِنہیں سے متعلق کہا تھا۔

دیکھنا تقریر کی لذّت کہ جو اس نے کہا
میں نے سمجھا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے

خطیب

مولانا سید اظہر حسن زیدی

جو مزہ محمد حسین آزاد کی تحریر میں ہے وہی ان کی تقریر میں ہے۔ الفاظ نہیں ہوتے۔ شہد کے قطرے ٹپکاتے اور غنچے چٹکاتے ہیں۔ انہیں سن کر واہ واہ کرنے کو جی چاہتا ہے۔ لیکن معاً" واہ واہ کا تصور غائب غلہ ہو جاتا ہے۔ اور زبان آہ آہ کرنے لگتی ہے۔ رلانا ان کے بائیں ہاتھ کا کرتب ہے پھر اپنے ہی دامنِ گفتار سے اشکبار چہروں کے آنسو پونچھتے اور انہیں قہقہوں کی چٹکی لگا دیتے ہیں۔ الفاظ ان کے ہاں اس طرح صناع ہیں چھوٹے چھوٹے فقرے جیسے بچوں کی معصوم مسکراہٹ ہو۔ ان فقروں میں برنائی اور رعنائی جیسے دوشیزاؤں کو شب عروسی کا سامنا ہو تسلسل ایسا جیسے مروارید کی لڑیاں پرو دی گئی ہوں۔ ہر تقریر کہکشاں معلوم ہوتی ہے۔ الفاظ قوس و قزح۔ مطالب عقد ثریا۔ سامعین کو سوچنے کی اجازت ہی نہیں دیتے۔ جس تیزی سے خود بہتے ہیں اسی تیزی سے سامعین کو ساتھ لئے جاتے ہیں۔ وہ دماغوں کو پرستش سکھاتے ہیں۔ پرسش نہیں ان کے ہاں عقیدہ ہے اور اس عقیدہ ہی کے زور

پر وہ دلوں کو شکار کرتے شہسوار کی طرح اڑے چلے جاتے ہیں۔

زبان ادیب کی لہجہ خطیب کا اور اسلوب شاعر کا ہے خطیب آل محمدؐ ان کا لقب ہے۔ میں نہیں کہہ سکتا یہ خطاب انہیں کس نے دیا۔ کب دیا کہاں دیا۔ لیکن جس نے بھی انہیں یہ لقب یا خطاب دیا وہ حق بجانب تھا اپنے کاررواں کے وہ ایک ہی حدی خواں ہیں۔ جن کی آواز میں قرون اولی کے حدی خوانوں کا ہمہمہ پایا جاتا ہے ان کی زبان میں اثر بھی ہے اور گداز بھی ان کی لے میں سوز بھی ہے اور ساز بھی۔ ان کے زمزموں میں عشق بھی ہے اور پرواز بھی اور بہ قول شخصے نیاز بھی ہے اور ناز بھی!

ان کی مجلس سن کر احساس ہوتا ہے کہ ہم تیرہ سو برس پیچھے لوٹ گئے ہیں کربلا کے مسافروں کا قافلہ لشکر یزید کے نیزوں کی "پذیرائی" کو جا رہا ہے۔ اظہر حسن زیدی اس قافلہ کے حدی خواں ہیں۔ اور اپنی دلگداز لے میں الاپ رہے ہیں۔

یہ قافلہ اہل بیت کا ہے اس قافلہ کے سردار حسینؑ ہیں۔ یہ قافلہ شہادت کی شاہراہ پر ہے۔ ان محملوں میں سیدانیاں بیٹھی ہیں۔ آفتاب نے سوء ادب کے خوف سے نگاہیں نیچی کر رکھی ہیں۔ لیکن کوفیوں کے نیزے' فرات کے کنارے پر انہیں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہے ہیں۔ آہ! جملہ کائنات سے زیادہ مقدس خون اور تمام صباؤں کا سرچشمہ خاندان نبوت میں اظہر حسن زیدی اس خاندان ہی کا حدی خواں ہوں!

جوانی میں بالا بلند تھے۔ اب کمر گردش ایام کے صدموں نے جھکا دی ہے۔ البتہ عمر نے رکاب دے کر تھام رکھا ہے۔ چہرہ پر جھریاں آنکھوں میں شوخیاں تمام چہرہ اردو کے ابتدائی دور کی غزل۔ ناک اسی غزل کا مطلع ثانی'

داڑھی کھچڑی' عمر اس کی سرحد پر جہاں نوجوانی صرف خلش کے طور پر رہ جاتی ہے۔ مزاج فقیرانہ' طبیعت شاعرانہ' ذوق عارفانہ' ساٹھ برس کے پیٹے میں ہوں گے لیکن ان کے لئے لیل و نہار کی یہ گردشیں کوئی معنی نہیں رکھتیں' خود لیل و نہار سے کھیلنے کے عادی ہیں۔ اقبالؒ کے اس شعر کی ہو بہو تصویر۔

تیری بندہ پروری سے مرے دن گذر رہے ہیں
نہ گلہ ہے دوستوں کا نہ شکایت زمانہ

آغا شورش کاشمیری
ہفت روزہ "چٹان" لاہور
۸ نومبر ۱۹۶۵ء

شخصیت

انٹرویو: خالد اسحاق

لاہور کی ایک معمولی سرائے کا مسافر
اچانک مقبول عوام مقرر و خطیب بن گیا

میں اولاد نرینہ کی نعمت سے آج تک محروم ہوں گو اللہ تعالیٰ نے مجھ کو دو نہایت فرمانبردار اور سعادت مند بیٹیاں عطا فرمائی ہیں لیکن لڑکا نہ ہونے کی وجہ سے ابھی تک اپنی زندگی میں کمی محسوس کرتا ہوں۔ اولاد نرینہ کی تمنا اور خواہش کو پورا کرنے کے لئے میں نے اپنے بھائی کے بچے کو متبنیٰ بنا لیا اور اس کی پرورش یوں کی جیسے وہ میری اولاد ہو۔ ۲۳ برس کی عمر میں اس لڑکے نے بی اے کا امتحان پاس کر لیا اور اس کو محکمہ کسٹم میں ایک معقول ملازمت مل گئی۔ لیکن ملازمت کے صرف ایک ہفتے کے بعد وہ اچانک حرکت قلب بند ہو جانے سے انتقال کر گیا۔ یہ کہہ کر پاکستان کے مشہور خطیب آل محمدؐ مولانا سید اظہر حسن زیدی خاموش ہو گئے ان کے چہرے پر شدت غم کے آثار نمایاں تھے۔

انہوں نے کہا بس اس کے بعد سے میری زندگی بے مزہ ہو گئی اور میں زندہ درگور ہو کر رہ گیا ہوں یہ ایسا واقعہ ہے جس کو میں کبھی نہیں بھلا سکتا۔ اور یہی واقعہ میری زندگی کا سب سے اہم ہے۔

میں ۱۹۱۲ء میں ضلع بجنور کے ایک زمیندار گھرانے میں پیدا ہوا۔ ابتدائی تعلیم قرآن شریف پڑھنے سے ہوئی۔ آٹھ سال کی عمر میں لکھنا پڑھنا اچھی طرح آ گیا تھا۔ اس کے علاوہ میر انیس کا اور دبیر کے مرثیے کے پچاسوں بند زبانی یاد تھے!

جب میں کچھ لکھ پڑھ گیا تو اس وقت میری عمر صرف آٹھ برس کی تھی۔ میری غیر معمولی ذہانت اور پڑھنے لکھنے کا شوق دیکھتے ہوئے والد محترم نے مجھے اس زمانے کی زبردست عالم فاضل شخصیت علامہ سید سبط نبی صاحب کے سپرد کر دیا جو یو پی کے مشہور قصبے نوگاواں سادات میں رہتے تھے۔ میں دس سال تک علامہ صاحب کی خدمت میں حاضر رہا اور دینی علوم پر جو کچھ حاصل کر سکتا تھا کر لیا۔ علامہ کی شخصیت اس قدر ہمہ گیر تھی کہ میں اس کو بیان کرنے سے قاصر ہوں۔ علامہ نے جس طرح میری تربیت کی یہ اس کا فیض ہے جو میں کسی قابل ہوں۔ میری تمام زندگی میں علامہ سبط نبی کی شخصیت کا بہت گہرا اثر تھا اور میں ان ہی سے متاثر ہوں!

علامہ کے کہنے پر ہی میں نے لکھنؤ یونیورسٹی۔ الہ آباد یونیورسٹی اور پنجاب یونیورسٹی کے عربی اور فارسی کے تمام امتحانات امتیازی حیثیت سے پاس کئے۔ ۱۹۳۱ء میں کسی کام سے لاہور آیا ہوا تھا۔ لاہور میں چونکہ اجنبی تھا اس لئے بہت پریشان تھا زبان کی ناواقفیت بھی ایک مسئلہ بنی ہوئی تھی۔ دوست احباب بھی نہیں تھے ان دنوں میں انارکلی کی ایک سرائے میں ٹھہرا

ہوا تھا۔ ایک دن میں یوں ہی چہل قدمی کے نکل پڑا۔ راستے میں میری نظر ایک اشتہار پر پڑی جس میں لکھا تھا کہ امام بارگاہ خواجگان نارووالی میں معراج النبیؐ کے سلسلہ میں ایک جلسہ ہونے والا ہے۔ مقررین میں مولانا احمد علی کا نام سرفہرست تھا۔

میں بھی اس جلسہ میں پہنچ گیا۔ وہاں بہت سے مقررین تھے جن کو پانچ پانچ منٹ تقریر کے لئے دیئے جا رہے تھے۔ جانے میرے دل میں کیا آئی کہ میں نے منتظمین سے کہا کہ مجھے بھی پانچ منٹ بولنے کے لئے دیئے جائیں۔ یہ خیال مجھے اچانک آیا تھا میں نے تقریر کے لئے تیاری وغیرہ بھی نہیں کی تھی۔ بہرحال منتظمین نے مجھے بھی پانچ منٹ کا وقت دے دیا۔ زندگی میں پہلی بار ایک بھری مجلس میں تقریر کرنے کے لئے کھڑا ہوا تھا۔ پانچ منٹ تک بڑے اعتماد سے تقریر کرتا رہا۔ جب میرا وقت ختم ہوا تو لوگوں نے زبردست اصرار کیا کہ ان کو اور وقت دیا جائے۔ غرض سامعین کے مسلسل اصرار پر مجھ کو پانچ منٹ کرکے پورے بیس منٹ تک تقریر کرنی پڑی۔ یہ تقریر میری پہلی مذہبی تقریر تھی جس کو سامعین نے بہت پسند کیا۔ جلسہ کے بعد منتظمین کو جب یہ معلوم ہوا کہ میں سرائے میں ٹھہرا ہوں۔ وہ لوگ میرا سامان وہاں سے اپنے یہاں اٹھا لائے۔ لوگوں کی ہمت افزائی سے میرا حوصلہ بہت بڑھ گیا پھر میں نے وہاں کچھ اور تقریریں کیں۔

چند دنوں کے بعد لاہور سے اپنے وطن واپس چلا گیا اس کے بعد میں نے ہندوستان کی سیاحت کی۔ چونکہ میں زمیندار گھرانے کا فرد تھا۔ اس لئے ہمیشہ فارغ البال رہا۔ کچھ دنوں کے بعد مجھے زیارت کربلا معلی کی خواہش نے بے چین کر دیا۔ میں نے زیارت کی غرض سے عراق کا سفر کیا اور تقریباً" چھ

ماہ تک مقامات مقدسہ کی زیارت کرتا رہا۔ اسی عرصہ میں مجھے عراق کے علماء سے فیض حاصل کرنے کا شرف حاصل ہوا۔ وہاں کے علماء بھی مجھے پسند کرنے لگے۔ واپس آکر میں پھر اپنے محترم استاد و علامہ سبط نبی کی خدمت میں حاضر ہوا۔

میں نے لاہور کے امام باڑے میں جو تقریر کی تھی اس سے کچھ لوگ بہت متاثر تھے ان لوگوں کو میرا پتہ معلوم نہیں تھا ان لوگوں نے اخبار میں دوبارہ ملاقات کرنے کی خواہش کا اشتہار دیا۔ جب میں دوبارہ لاہور آیا تو سارا لاہور رنج و غم کی فضا میں ڈوبا ہوا تھا۔ ہر طرف ایک عجیب اداسی تھی لوگوں کے چہرے مرجھائے ہوئے تھے۔ مجھے اسٹیشن پر ہی بتایا گیا کہ شاعر مشرق حضرت علامہ اقبالؒ کا انتقال آج ہوا ہے۔ میرے لئے بھی یہ صدمہ جانکاہ تھا۔ میں بھی اشک بار آنکھوں سے علامہ کے جلوس جنازہ میں شریک ہوا۔ دوسرے دن رئیس الاحرار مولانا ظفر علی خان کی صدارت میں برکت علی ہال میں علامہ اقبالؒ کا تعزیتی جلسہ تھا جہاں مولانا ظفر علی خان نے مجھے علامہ اقبال کو خراج عقیدت پیش کرنے کا موقع دیا۔ وہاں میں نے اقبالؒ کے موضوع پر بیس منٹ تک تقریر کی یہ میری پہلی پبلک تقریر تھی۔ اب مجھے احساس ہو چلا تھا کہ میں ذکر اور تقریر اچھی طرح کر سکتا ہوں اور اس کو میں نے اپنا مذہبی فریضہ سمجھ کر یہ سلسلہ شروع کر دیا۔

۱۹۳۹ء میں میری شادی پنجاب کے ایک معزز گھرانے میں ہو گئی جس کے بعد میں مستقلاً" لاہور آکر آباد ہو گیا اور آج تک لاہور میں مقیم ہوں۔ تقسیم ملک سے قبل مسلم لیگ کے پلیٹ فارم سے بھی پنجاب کے اضلاع میں پاکستان کے قیام کے متعلق تقریریں کیں۔ مرحوم راجہ غضنفر علی خان کو میری

تقریریں بہت پسند تھیں۔ وہ عموماً" مجھ کو اپنے ساتھ تقریر کرنے لے جاتے تھے وہ کہتے ہیں مجموعی طور پر میری زندگی بہت ہی پرسکون اور خاموش رہی تقریروں کے ساتھ علمی مشاغل بھی جاری رہتے ہیں۔ میں نے ایک کتاب "شہدائے کربلا" بھی تصنیف کی اس میں کربلا میں شریک ہونے والے تمام شہداء کی سوانح حیات ہے۔ یہ عوام میں بہت مقبول ہوئی ہے۔ میں اسلام کے تمام فرقوں کو بالکل یکساں خیال کرتا ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ میرا آج تک کسی سے کوئی جھگڑا نہیں ہوا۔ مولانا عبدالماجد دریا بادی نے اپنے اخبار "صدق جدید" میں میری بہت تعریف فرمائی ہے حالانکہ مولانا سے میں براہ راست کبھی نہیں ملا اور نہ وہ مجھے ذاتی طور پر جانتے ہیں۔

ملک کے بسنے والے مسلمانوں کے تمام فرقوں کے علماء کرام سے میرے بہت اچھے تعلقات ہیں۔ میں بے شمار ایسے جلسوں میں بھی تقریر کر چکا ہوں جو دوسرے فرقوں کے علماء کرام نے کروائے ہیں۔ اپنی زندگی کے ایک ناگوار واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ گزشتہ دنوں مجھے بھی ملک کے دیگر ممتاز علماء کے ساتھ گرفتار کر لیا گیا تھا گرفتاری کے بعد مجھے قلات ڈویژن لے جایا جا رہا تھا کہ اچانک اتفاقی طور پر ہماری کار ایک ٹرک سے ٹکرا گئی میں بری طرح زخمی ہوا۔ میری ران کی ہڈی دو جگہ سے ٹوٹ گئی گرفتاری کا پورا زمانہ ہسپتال میں گذرا۔ اس حادثے کا میرے حافظہ پر بہت برا اثر پڑا۔ میری سماعت بے کار ہو گئی۔ بیٹے کی جدائی اور یہ حادثہ دونوں نے مل کر مجھے جسمانی اور روحانی طور پر ناکارہ کر دیا ہے۔ خدا کے فضل سے میرا حافظہ ایسا تھا کہ اگر میں کوئی کتاب ایک مرتبہ غور سے پڑھ لوں تو پھر دوبارہ پڑھنے کی مجھے ضرورت نہیں ہوتی تھی لیکن اب یہ بات نہیں رہی۔

مولانا سید اظہر حسن زیدی ہر سال محفل خراسان کراچی میں ایام عشرہ میں ذکر فرماتے ہیں ان کا خیال ہے کہ میری سب سے اچھی تقریر وہ تھی جو میں نے قائد اعظم کی پہلی برسی کے موقع پر جٹ لائن کراچی میں کی تھی۔

(ہفت روزہ "اخبار جہاں" کراچی)

۱۷ اپریل ۱۹۶۸ء

"خطیب آلِ محمدؐ"

یہ خطاب وہ ہے کہ اگر اس کے موصوف کا نام نہ بھی لیا جائے تو سننے والا اس حقیقی ابو الکلام تک پہنچ جاتا ہے جس نے خطیب منبر سلونی صاف و شفاف جھرنوں سے فصاحت و بلاغت کی آبشاریں کوزۂ دل میں سمیٹی اور انہیں مودت کے مقدس کوثر سے صیقل کرکے کچھ اس طرح بشریت و آدمیت کے ذہن و سماعت پر برسایا کہ ناطقہ سر گریبان ہے اسے کیا کہئے۔

گونگی سماعتوں میں بھونچال آگیا سننے والے سرمستان خم غدیر جھوم اٹھے سنگریزی اس کی جناب میں کورنش بجا لائے ببفلی چٹانیں لو دینے لگیں۔ علم و ادب کی زرخیز سرزمین بجنور باب علم کے وارثوں کی دھرتی نوگاواں جس کے فرق پر لقب "سادات" تازہ تراشے ہوئے جھومر کی طرح برس ہا برس سے جگمگا رہا ہے سیادت اور علم کے نجیب الطرفین گوہر آبدار مولانا سید اظہر حسن زیدی اعلی اللہ مقامہ کے باب میں کچھ کہنا حرمت قلم بھی ہے اور آبروئے منصف بھی۔ مگر مشکل اور بہت مشکل ہے۔ پھولوں پر عطر ملنا وہ بھی ہم ایسے چاک گریبانوں کے لئے۔

خلد آشیانی زیدی صاحب قبلہ کلام و تکلم کے ایسے شہنشاہ اور خطاب و

خطابت کے ایسے فرمانروا کا نام ہے کہ جس کی حدود سلطنت میں علم' خطابت' فصاحت' بلاغت' نفاست' حسن زبان' حسن بیان' علم کلام' علم فلسفہ' علم حرف و نحو قران علم زبان دانی دلوں کو مسخر کرتی ہوئی جادو بیانی شفقت و مہربانی کے آہو کلیلیں بھرتے اور چوکڑیاں بھولتے نظر آتے ہیں۔ اور یہ سب اس شہنشاہ خلق دلب کی رعایا نظر آتے ہیں۔ زیدی صاحب خاندان بھر کے پیارے لاڈلے اور مرکز نگاہ یوں بھی تھے کہ بڑی منتوں اور مرادوں سے یہ گل سدا بہار چمنستان سیادت میں کھلا تھا۔ سنا ہے کہ خاندان والوں نے سونے چاندی میں اس بطل جلیل کو تولا تھا۔ حسن وجاہت کو نظر بد سے بچانے کے لئے والدین نے کان چھدوا کے یاقوت کا خوبصورت بندا بنے لال کے گوش میں سجا دیا تھا۔ تب سے خاندان والے پیار سے بھائی بندو کہنے لگے تھے۔ ۹ برس کی عمر میں قرآن پاک مکمل بامعنی پڑھ لیا تھا تحقیق و جستجو کا جذبہ ذہین انسانوں کو چین سے بیٹھنے نہیں دیتا۔

چین سے بیٹھتے ہیں حق کے طلبگار کہیں
کاش مل جائیں انہیں صبح کے آثار کہیں

اور یہی حصول علم کی بے چینی اور حق و حقیقت کے ادراک کا پاکیزہ جذبہ زیدی صاحب کو باب العلم نوگاواں سادات کے دانش کدے میں لے آیا اور پھر رنگ لاتی ہے حنا پتھر پہ گھس جانے کے بعد۔ ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات نے جوہر اصلی دکھانے شروع کئے۔ ۸ برس کی عمر میں پہلی مجلس پڑھنے کے لئے جب بجنور مرکزی امام بارگاہ کے بلند قامت منبر پر یہ بظاہر کمسن اور چھوٹے قامت والا شہزادہ بڑے منجھے ہوئے حلیوں سے زیادہ قد آور اور پر اعتماد نظر آیا۔ مجتہدین نے چشم بددور کہا اور علما نے دعائیں دیں ماں باپ نے

بلائیں لیں اور اکابرین قوم اور بزرگان خاندان اس ابھرتے ہوئے آفتاب خطابت کی کرنوں کو حسینیت کی ابدی روشنی قرار دیا آل محمدؐ کا خطیب لڑکپن سے جوانی کی حدود میں داخل ہو رہا ہے یا نام خدا عروس خطابت کو رعنائی عطا ہو رہی ہے۔ زہے نصیب ہمارا کہ سرزمین مشہد پر چمکنے والا آفتاب مطلع ہندوستان پر چھایا ہوا یہ سحاب خطابت مترشح تو پورے برصغیر پر ہوا لیکن ٹوٹ ٹوٹ کر کھل کر برسا تو عزاداری کے عظیم مرکز لاہور پر عزاداران حسین نے والہانہ انداز میں پذیرائی کی اور اللہ جانے اس جادو بیان خطیب پر اپنی محبتوں کا کیسا جادو کیا کہ زیدی صاحب پھر یہیں کے ہو رہے۔ انہیں ہندوستان کا کچھ بھی تو یاد نہیں۔ بہرحال یہ جملہ معترضہ تھا جس کے پس منظر سے صرف ان کے نسبی اور سببی اعزا ہی آگاہ ہیں۔ لکھنے کو تو بہت کچھ لکھا جا سکتا ہے خطابت کے گوہر ہشت پہلو پر مگر ان کے تبحر علمی کے گواہ، رئیس الحفاظ مولانا حافظ کفایت حسین مرحوم، ثقۃ الاسلام علامہ محمد بشیر انصاری مرحوم، قبلہ و کعبہ مفتی جعفر حسین مرحوم، پروفیسر خواجہ لطیف انصاری مرحوم، علامہ رشید ترابی مرحوم، اور دوسروں میں مولانا ابو الاعلی مودودی، مفکر عصر حضرت مولانا کوثر نیازی، مولانا حامد بدایونی اہل حدیث کے علامہ احسان الہی ظہیر شہسوار قلم و نظم و نثر حضرت شورش کشمیری وغیرہ جیسے علم کے کوہ گراں ہیں۔

اکابرین ملت جو ان کے دل دادہ و شیدا تھے ان میں بڑی قدر آور شخصیتیں تھیں اور ہیں۔ نواب مظفر علی قزلباش مرحوم، مجاہد ملت مظفر علی شمسی مرحوم، شائق انبالوی، کرنل عابد حسین، میجر مبارک علی شاہ، ملتان کے گردیزی اور اکابرین خصوصی طور پر حبیب فیملی ان کے معترف و معتقد احباب میں شمار ہوتے تھے۔ خدا سلامت رکھے میرے سرکار خطیب آل محمدؐ کے

مقرب خاص نیازمند جناب جعفر علی میر حیات ہیں خدا ان کو طول عمر اور صحت و سلامتی عطا کرے ۱۹۵۷ء سے زیدی صاحب کے ساتھی ہمدم اور ہمقدم رہے ہیں واقعا" اگر سرکار خطیب آل محمدؐ کے متعلق کسی کو صحیح ادراک کا ذوق و شوق ہے تو اس قحط الرجال کے زمانے میں برادر محترم جعفر علی میر اور بزرگ محقق و اہل قلم جناب سید بشیر بخاری صاحب۔ سند کا درجہ رکھتے ہیں۔ ہم تو سرکار زیدی صاحب کے خوشہ چینوں میں ہیں اس چاہت ماب خطیب کے دربار سے کچھ نہ کچھ مانگنے کی ٹوہ میں لگتے رہے ہیں اور میں تو ویسے بھی ان کا مقروض ہوں کہ ان کا ایک جملہ مجھ پر قرض ہے جو میری لاہور آمد کے موقعے پر اب سے دس برس پہلے مجھے لکھ بھیجا تھا مجھے اپنی بارگاہ میں طلب کرنا چاہتے تھے تو یوں طلب کیا۔

"عرفان بیٹے۔ تمہارے لاہور آنے کی خبر نے میرے ساتھ وہی کیا جو بوئے پیراہن یوسف نے یعقوب کے ساتھ کیا۔ آ جاؤ تو اچھا ہے۔"

میرے لئے کائنات کا عظیم ترین سرمایہ زیدی صاحب کا یہ جملہ ہے۔

(علامہ عرفان حیدر عابدی)
رکن اسلامی نظریاتی کونسل
کراچی

خطیب اور فن خطابت

سید ضمیر اختر نقوی کراچی

ملت جعفریہ کے سینکڑوں افراد نے اپنی حیات فن خطابت پر صرف کی اور نہ معلوم کتنی زحمتوں کے بعد خطیب اور ذاکر کے لقب سے مشہور ہوئے لیکن آج دنیا ان کے نام تک نہیں جانتی، شعراء مرثیہ گو پر ہزاروں مضامین اور کتابیں لکھی گئی ہیں مگر مقررین و ذاکرین ہمیشہ گوشہ گمنامی میں رہے ان پر کوئی تحقیقی کتاب تو مشکل امر تھا۔ آج تک کوئی معلوماتی مضمون بھی کسی نے نہیں لکھا۔ مرثیہ نگاروں کے ہزاروں اشعار لوگوں کو یاد ہیں لیکن مشہور مقررین کے پُر اثر اور شگفتہ جملوں سے علم و ادب کے شائقین بھی اب تک بے خبر ہیں۔ خاص طور سے نئی نسل تو قدیم ذاکرین کے نام تک سے واقف نہیں ہے۔ مقررین پر تحقیقی کتاب لکھنا کسی قدر آسان ہے اس لئے کہ اب تک ہر دور میں مقررین کی تعداد شعراء کے مقابلے میں ہمیشہ کم رہی ہے۔ فن خطابت فن شعر سے زیادہ مشکل فن ہے۔ فن خطابت ایک ایسا ملکہ فطری ہے جو اپنی تمام تر شان و شوکت کے ساتھ ہر شخص کو قدرت کی طرف سے عطا نہیں ہوا کرتا۔ ایک عالم اور قابل شخص ایک اچھی تقریر کر سکتا ہے لیکن جاذبیت پیدا نہیں کر سکتا۔

پاکستان میں فن خطابت سیکھنے کے لئے کوئی کالج یا سکول یا مدرسہ اب تک نہیں بن سکا اس لئے نئے مقررین کے لئے ضروری ہے کہ وہ قدیم ذاکروں کے اصول خطابت کو اپنے لئے مشعل راہ بنائیں۔ مجھے حیرت ہے کہ فن خطابت پر آج تک کسی ادیب یا خطیب نے قلم کیوں نہیں اٹھایا؟ جب کہ خطابت کے اثرات اور افادیت سے کسی کو انکار نہیں، فن خطابت نے برصغیر ہندو پاک میں ہماری ثقافت اور ہمارے ادب کو بہت کچھ دیا ہے۔ اُردو زبان کی ترویج اور تہذیبی تطہیر میں نمایاں حصہ لیا ہے اس کے باوجود ہمارے خطیبوں کے نام گوشۂ گمنامی میں رہے اور آج دنیا انہیں بھول گئی اس کی واحد وجہ صرف یہ ہے کہ

خطیبوں کی زندگی ہی تک ان کی تقریروں کی زندگی رہی، اگر ان کی تقریروں کو محفوظ کر لیا جاتا اور ان پر تحقیقی مقالے لکھے جاتے تو شاید دنیائے ادب و مذہب میں مرثیہ نگاری کی طرح یہ بھی ادب کی ایک اہم صنف ہوتی۔ چند خطیبوں کے مسودے اکثر و بیشتر چھپے لیکن انہیں نقد و تبصرہ کی میزان میں کبھی نہ تولا یا جاسکا کیونکہ عقیدے کا مسئلہ ہمیشہ سامنے آگیا، جس طرح مرثیہ پر تنقید و تبصرے کی عام اجازت ہے اسی طرح اگر "فن خطابت" کو بھی اسی معیار پر پرکھا جائے تو کوئی وجہ نہیں کہ ادب نثر کی ایک بہترین صنف گوشۂ گمنامی میں پڑی رہے۔

سو سال کے عرصے میں "فن خطابت" کا جو ڈھانچہ تیار ہوا ہے اسے چند لفظوں میں اس طرح بیان کیا جا سکتا ہے کہ فن خطابت کے ماہرین اپنی تقریر کا آغاز خطبے سے کرتے ہیں اور خطبے کے خاتمے پر قرآن کی کسی آیت یا ختمی مرتبتؐ کی کسی حدیث کو سرنامۂ کلام بناتے ہیں اور اسی کی روشنی میں مضامین بیان کرتے ہیں۔ ابتداء میں ذکر فضائل اہل بیتؑ اور آخر میں مصائب اہل بیتؑ کا بیان ہوتا ہے۔ ذکر حسینؑ کے فیض سے فن خطابت نے اپنی ارتقائی منزلیں بتدریج خوبصورتی کے ساتھ طے کی ہیں۔ خطابت کا سب سے بڑا فائدہ ملت جعفریہ کو یہ پہنچا کہ اس ملت کے افراد بچپن ہی سے دوسری اقوام کے مقابلے میں بہت زیادہ معلومات کا ذخیرہ اپنے ذہن میں محفوظ کر لیتے ہیں اور اس طرح اپنے دین کے ماضی سے ان کا رشتہ مسلسل ہوتا ہے۔ دوسرا فائدہ یہ ہوا کہ ملت جعفریہ کے افراد کا ذہن خالص ناقدانہ ہو جاتا ہے اور باطل کی تحریر و تقریر کے فریب میں کسی صورت نہیں آتے۔ تیسرا فائدہ یہ ہے کہ عقائد اس قدر مستحکم ہو جاتے ہیں کہ ملت جعفریہ کے افراد سے عقائد پر گفتگو کرنا دوسری قوم کے افراد کے لئے بہت مشکل ہو جاتا ہے۔ چوتھا فائدہ یہ ہے کہ اُردو بولنے والے ہر قوم کے افراد کے مقابلے میں ملت جعفریہ کے افراد زبان و بیان کے اصولوں سے زیادہ واقف ہوتے ہیں۔ پانچواں فائدہ یہ ہے کہ ادب اور شاعری کا ذوق بھی انہیں یہیں سے حاصل ہوتا ہے۔ ساتھ ہی ہر دور میں نئے نئے خطیب اپنی

خطابت کی تعمیر بھی اپنے بزرگ خطیبوں کی خطابت سے متاثر ہو کر کرتے ہیں۔

میں نے لکھنو سے کراچی تک بلا مبالغہ ہزاروں مجلسوں میں شرکت کی اور ہندوستان و پاکستان کے مشہور ذاکروں کی سینکڑوں تقاریر سنی ہیں ان کے شگفتہ طرز بیان کی یادوں پر نقش ہو گئی ہے۔ اب میں اپنے پسندیدہ خطیب کا ذکر کرنا چاہتا ہوں اور وہ ہیں:-

مولانا سید اظہر حسن زیدی

مولانا اظہر حسن صاحب زیدی کے چار پانچ عشرے سننے کا اتفاق ہوا ہے۔ اس کے علاوہ چند متفرق مجلسیں بھی سنی ہیں۔ مجھے ان کا بیان پسند ہے، اُن کا بیان نہایت سادہ اور پُر اثر ہوتا ہے۔ مولانا اظہر حسن زیدی صاحب نے خطابت میں چونکہ ادبیت کو شامل کر دیا ہے اس لئے ہر چھوٹے بڑے کے دل پر یکساں اثر ہوتا ہے۔ تقریر میں اس قدر ٹھہراؤ ہے کہ پوری تقریر ذہن کے کسی نہ کسی گوشے میں محفوظ ہو جاتی ہے۔ انہوں نے مرثیوں کے مطالعے سے بہت فائدہ اٹھایا ہے یہی وجہ ہے کہ ان کے مصائب کے طرز ادا میں ایک ادبی وقار قائم ہے، وہی روایات وہی واقعات لیکن طرز ادا میں شعریت کی چاشنی سے نکھار پیدا کرتے ہیں مصائب کا ایک نمونہ دیکھئے۔

۲۷ رجب کو امام حسینؑ کے پاس مسجد میں یہ اطلاع آئی ہے..... کہ ولید نے آپ کو دربار میں بلایا ہے۔ نماز سے فراغت پا کر آپ گھر میں تشریف لاتے ہیں۔

یہاں سے چند جملے مولانا اظہر حسن زیدی صاحب کے آپ ملاحظہ فرمائیں۔

"حسینؑ گھر میں آئے زینبؑ نے دستر خوان چنا گھر کے تمام افراد جمع ہوئے..... کھانا شروع ہوا کھانے کے بعد سب اپنے اپنے حجروں میں چلے گئے..... لیکن زینبؑ نے محسوس کیا کہ بھائی آج بہت خاموش ہے، کچھ دیر نہ گذری تھی کہ بھائی نے صحن خانہ سے بہن کو آواز دی..... کہ زینبؑ ذرا میرا لباس لاؤ میں باہر جانا چاہتا ہوں، زینبؑ لباس لے کر آئیں، لیکن حیران تھیں کہ "کیا بھیا اکیلے کہیں جائیں گے"؟

یکبارگی آواز دی--- عونؑ و محمدؑ اپنے حجروں سے باہر آؤ--- ماں کی پہلی آواز پر

بیٹے باہر آئے--- دیکھو! ماموں جان کہیں جا رہے ہیں، باادب پیچھے پیچھے غلاموں کی طرح جاؤ لیکن یاد رکھنا--- میرا بھائی جہاں بھی جا رہا ہے اگر وہاں کوئی شخص میرے بھائی کی جانب نگاہ اٹھا کر بھی دیکھے تو اس کے چہرے پر آنکھیں نہ رہیں اور اگر کسی کا ہاتھ میرے بھائی کی طرف بڑھے تو اس کے جسم پر ہاتھ نہ رہیں۔ زینبؑ کی آواز اُم فروہؑ کے کان میں پہنچی۔ بیٹے کو آواز دی، قاسمؑ---! دیکھو--- چچا کہیں جا رہے ہیں..... شہزادی اپنے بیٹوں کو بھی ساتھ بھیج رہی ہیں تم بھی تیغ کے قبضے پر ہاتھ رکھو اور چچا کے ساتھ جاؤ--- یہ آوازیں ام لیلیٰؑ نے بھی سنیں، بیٹے کے پاس آئیں کہا..... میرے لال علی اکبرؑ!--- اٹھو بیٹا کمر کسو--- باپ کہیں جا رہا ہے، بابا کے ساتھ جاؤ۔ زوجۂ عباسؑ نے یہ سارا منظر دیکھا بے اختیار اپنے حجرے کی طرف بڑھیں جہاں عباسؑ آرام کر رہے تھے--- چھوٹا بیٹا عباسؑ کے سینے پر کھیل رہا تھا (عباسؑ کا حجرہ دروازے سے قریب تھا جہاں تک صحن خانہ کی آوازیں نہیں پہنچ رہی تھیں) زوجۂ عباسؑ نے دوڑ کر اپنے چھوٹے بیٹے کو عباسؑ کے سینے سے کھینچ لیا اور کہا--- تم یہاں آرام کر رہے ہو اور آقا کہیں جا رہے ہیں، ساتھ میں عونؑ و محمدؑ، قاسمؑ و علی اکبرؑ بھی جانے کو تیار ہیں۔

عباسؑ نے تلوار اٹھائی اور یہ کہتے ہوئے حجرے سے باہر آئے کہ ابھی چند لمحے پہلے کھانے کے وقت میرے آقا نے تو اپنے ارادے کا اظہار نہیں کیا تھا۔ ورنہ یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ میں اپنی کمر سے تلوار کھول دیتا--- محلہ بنی ہاشم کی گلی میں یہ جوانانِ بنی ہاشم حسینؑ کو تلواروں کے سائے میں لئے ہوئے باہر آئے۔ مدینے والوں نے بنی ہاشم کے اس جلوس کو حیرت سے دیکھا--- مدینے والو--- دل بھر کر دیکھ لو--- یہ مدینے میں بنی ہاشم کا آخری جلوس ہے"---

رہِ سخن میں چراغ آخر

حماد اہلبیت سید محسن نقوی

نطق و بیان کے شاداب جزیروں اور حرف و صوت کی گلرنگ وادیوں کی حدبندی کرنے والے مؤرخ مسافر اس حقیقت کی نقاب کشائی کرتے تردد محسوس نہیں کریں گے کہ اگر خلاق دو عالم نے انسان کو تکلم کی صلاحیت عطا فرمائی تو انسان نے بھی ہوا کے بے رنگ پیکر کو حروف و الفاظ کے قبیلوں اور فکر و تقریر کے رنگوں میں تقسیم کر کے اپنی ذات میں پوشیدہ معجزات کا سراغ لگا کر مخاطب کے وجدان میں اظہار و بلاغ کے چمن زاروں کی مہکتوں سے انواع و اقسام کے خیمے نصب کر کے اپنے خالق کی صفات کو آئینہ دکھانے کی بھرپور کوشش کی ہے۔

جس دن کی پہلی ساعت کی ساعت میں پہلے انسان کے لبوں سے پھوٹتا ہوا پہلا لفظ ہوا کے جھونکے کی طرح آزاد ہوگا، اس دن یقیناً سورج کی کرنوں کے سجدے طویل ہوگئے ہوں گے اور زمین کی کانپتی ہوئی سرگوشیاں اپنی نبضیں گننے سے گریز کرنے لگی ہوں گی۔ فضا کے سکوت کی وحشتوں کے خلاف احتجاج کے طور پر ابھرنے والی پہلی انسانی صدا کا نام میرے نزدیک خطابت ہے اور خطابت کے عمل سے گزرتے ہوئے ایک خطیب کو تمام تر ذہنی مراحل طے کر کے ایسے فنکارانہ تخلیقی کرب سے دوچار ہونا پڑتا ہے جس کی تپش سے بعض اوقات اس کے تمام تر حواس تیز دھوپ میں رکھی ہوئی برف کے ٹکڑے کی طرح قطرہ قطرہ پگھلتے ہوئے محسوس ہوتے ہیں۔

ایک اعلیٰ پایہ کے خطیب کے لئے ضروری ہے کہ وہ بے پناہ مشاہدہ وسیع تجربہ، گہرا مطالعہ اور علم کلام کے تمام پہلوؤں کا عالم ہونے کے علاوہ انسانی نفسیات کا ماہر موضوع کا انتخاب، سامعین کی ذہنی افتاد کا احاطہ گفتگو کی کشش اور انداز بیان کی سلاست

مقرر کو مشاق اور ذہنی طور پر بالغ نظر بنانے میں آب و ہوا کا کام کرتی ہے۔ عام انسانوں کی طرح لفظوں پر بھی بچپن، جوانی، بڑھاپا اور موت طاری ہوتی ہے۔ اب یہ مقرر کا منصب ہے کہ وہ اپنے نظریات، جذبات اور محسوسات کے اظہار کے لئے صحیح وقت پر صحیح لفظوں کا انتخاب کر کے سامعین کو اپنے مافی الضمیر کا قائل کرے اور لفظوں کے تند خو سیلاب میں سامعین کے اذہان کو خس و خاشاک کی طرح بہاتا چلا جائے۔

علم الکلام کے ماہرین نے مختلف نظریات کے مقررین اور خطیبوں کے لئے جو متفقہ اصول وضع کئے ہیں، ان میں انداز بیان سلاست کو واضح طور پر اہمیت دی ہے اور یہ بات متفقہ طور پر طے ہے کہ اگر مقرر یا خطیب سامعین کے مزاج کو سمجھتے ہوئے ان کے معیار پر پورا اترنے والے الفاظ میں اپنے جذبات کا اظہار نہ کر سکے تو سامعین اس کی گفتگو کو قبولیت کی سند دیتے ہوئے ڈرتے نہیں تو ہچکچاتے ضرور ہیں۔ اس لئے ہر وہ مقرر یا خطیب جو انداز بیان کی شگفتگی، لہجے کی دل گرفتگی، زبان کی پختگی اور طبیعت کی پرزور شگفتگی سے عاری ہو یا تو نقاد بن جاتا ہے یا پھر خشک مزاج اور تند خو ناصح کا روپ اختیار کر لیتا ہے۔ ایک ہر دلعزیز اور شگفتہ مزاج خطیب یا مقرر نہیں بن سکتا۔

آج سے نصف صدی پہلے ہندوستان کے ایک زرخیز علاقہ بجنور سے ایک نوجوان سرما کے سورج کی طرح طلوع ہوا، جس کا مزاج قلندرانہ، طبیعت شاعرانہ اور انداز شاہانہ تھا۔ بڑے گھر کا بڑا بیٹا تھا۔ گھر میں علم کی خوشبو بکھری ہوئی تھی۔ خاندان ادب کا گہوارہ اور احباب کی محفلیں ستارہ مثال تھیں۔

وہ نوجوان دوستوں کی جان، گھر والوں کا لاڈلا، اپنوں کا مزاج شناس اور غیروں کے لئے صبح کی برفیلی ہوا کے جھونکوں سے زیادہ بے ضرر تھا۔ اس نے علمی گھرانے میں آنکھ کھولی۔ ادبی محفلوں میں پرورش پائی۔ مذہبی جلسوں میں تربیت حاصل کی۔ شفاف ذہنی کیفیتوں نے اسے زمانے کی جھیل سے کنول کی طرح کھلنا سکھایا۔ ماحول نے اس کے برگ و بار میں رعنائیاں بھر دیں۔ آب و ہوا کی نرمی و خنکی نے اسے بردبار بنایا۔ والدین کی شفقت نے اسے انتہائی شفیق اور احباب کی چاہت نے اسے سب کا رفیق بنا دیا۔

وہ ریشمی لفظوں کا خالق، چبھتی ہوئی سطروں کا مصور اور بندھے ٹکے فقروں کا تخلیق کار، طبیعت میں موسم خوشبو کی قوسِ قزح کے سارے رنگ سمیٹ کر غیر شعوری طور پر مدحت و منقبت آلِ محمدؐ میں مصروف ہوا۔ فطرت نے اس لالہ سخن کی حنابندی کی مزاج کی سیمابیت نے ایک جگہ نہ ٹکنے دیا۔ منشی فاضل کا امتحان دینے لاہور آیا۔ ایک سرائے میں رات بسر کی۔ انجم شماری سے اکتا کر ایک امام بارگاہ میں مجلس عزا سننے چلا گیا۔ وہاں اپنے جد امجد کی مدح سرائی کے شوق نے جنون کی کیفیت اختیار کی۔ اجنبی شہر، اجنبی ماحول، اجنبی لوگ۔ منبر پر جانے کی اجازت چاہی۔ صرف پانچ منٹ ملے۔ لیکن وہ نوجوان منبر پر آیا تو اس کے نرم لبوں سے شگفتہ الفاظ کے چشمے پھوٹنے لگے اور دیکھتے ہی دیکھتے اجنبی نوجوان نے سننے والوں کی سماعت میں شناسائی کا رس گھول کر سب کو اپنا بنا لیا۔ ہر طرف سے واہ واہ سبحان اللہ اور آفرین کے شور نے حوصلہ افزائی کی۔ تقریر سے فارغ ہوا۔ رات کو سویا۔ تو صبح کی سورج کی شعاعوں نے اُس نوجوان کی پیشانی پر "خطیب آلِ محمدؐ" کا کتبہ سجایا اور تاریخ نے اپنے سینے پر اُسے خطیب آلِ محمدؐ سیّد اظہر حسن زیدی" کے نام سے سجالیا۔ اظہر حسن زیدی میرے نزدیک نام ہے خطابت کی شاعری اور شاعری کی خطابت کا۔ کیونکہ کبھی کبھی مجھے یوں لگتا ہے کہ اگر خطیب آلِ محمدؐ خطابت کی سرحد پر اپنا خیمہ نصب نہ کرتے تو وہ یقیناً آج اتنے بڑے شاعر ہوتے جتنے بڑے خطیب ہیں۔

زیدی صاحب کی خطابت نے منبر کی تاریخ میں بالکل اسی انداز کا انقلاب برپا کیا ہے جس طرح کا انقلاب غالب کے خطوط نے اُردو نثر کی تاریخ میں برپا کیا تھا۔ جس طرح غالب سے پہلے اُردو نثر کی نفاست ۔کوہسار قامت الفاظ مبہم تراکیب ۔غیر واضح استعارات۔ غیر ضروری تشبیہات اور بے معنی تصرّفات کے بوجھ تلے دب کر کراہنے لگی تھی ۔اُسی طرح زیدی صاحب سے پہلے خطابت کی نزاکت بھی رجب علی بیگ سرور کے سنگ دل جملوں سے ملتی جلتی وزنی تقریروں۔ بے معنی قافیہ پیمائیوں مسجع مقفع عبارتوں اور بے مطلب مترادف کے بار گراں سے سربریدہ اور کمر خمیدہ ہو چکی تھی۔ مگر خطیب

آلِ محمدؐ فنِ خطاب کو شمعِ محفل کا گداز۔ صبح صادق کی نفاست۔ برگ گل کی نزاکت ۔نالۂ نیم شب کا سوزوساز اور شعلہ مستعجل کا پیچ وتاب عطا کر کے اپنے تازہ دم خیالات کی لدیت پر مہر تصدیق ثبت کر دی۔ میں نے جب بھی ان کی تقریر سنی ہے مجھے یوں لگا ہے جیسے سماعت کے بے آب و گیاہ دشت میں ہوائے خلدِ بریں کی اٹھکیلیاں اور تصور کے لق و دق صحرا میں ایک دم ڈھیر سارے پھول کھل اُٹھے ہوں ۔جس طرح فنِ شاعری میں سہل ممتنع مشکل کام ہے ۔اسی طرح فنِ خطابت میں بھی آسان لفظوں کے آبگینے ڈھالنا بہت مشکل کام ہے ۔مگر زیدی صاحب نے اس فن کو اپنی عادت نہیں بلکہ فطرت بنا لیا ہے۔ مشکل سے مشکل مسائلِ حیات کو سیدھے سادھے الفاظ میں دلکش انداز سے بیان کر دینا صرف زیدی صاحب کا حصہ ہے وہ اپنے فن کے موجد بھی ہیں اور خاتم بھی ۔اُن کا اپنا انداز ۔انکی اعجاز بیانی ۔انکی سحر انگیزی فِطرت کی طرف سے انہیں ودیعت ہوئی ہے وہ لفظوں کے آئینہ گر، فقروں کے خالق۔ موضوع کے خزینہ دار اور خطابت کی سلطنت کے مطلق العنان تاجور ہیں ۔انہوں نے لفظوں کے سلسلے میں کبھی بھی تنگی داماں کا گلہ نہیں کیا۔ بلکہ لفظ ان کی ذہنی وسعت کے مقابلے میں ہمیشہ کوتاہ قامت ثابت ہوئے وہ شاعرانہ موضوع ہو یا فقہی مسائل علمی بحث ہو ادبی نوک جھونک۔ مترادفات کی قطاریں ہوں کہ استعاروں کی بہاریں تشبیہوں کی تسبیحیں ہوں کہ کنایوں کے آبگینے ۔وہ ایک تجربہ کار مرصّع ساز کی طرح ہمیشہ ماحول کے مطابق گفتگو کرتے چلے جاتے ہیں۔ انہوں نے کبھی بھی ذہنی تھکن محسوس نہیں کی اور نہ ہی ان کی آواز میں کبھی لرزش پیدا ہوئی ہے۔ وہ ایک مسیح مزاج چارہ گر کی طرح بیمار ذہنوں کو صاف شفاف لفظوں کی خاک شفا عطا کرتے اور الجھے مزاجوں کی سادہ سطح میں رنگ بھرتے چلے جاتے ہیں۔ ان کی تقریر ہر فرقہ، ہر نظریہ اور ہر مذہب و ملت کے افراد کے لئے روح کی تسکین کا باعث بنتی ہے۔ اظہر حسن زیدی کی تقریر ان کی طبعی شرافت کی آئینہ دار اور ان کی طبیعت ان کی تقریر کی طرح سادہ ہے۔ انہوں نے کبھی بھی اپنے ظاہری پیکر پر علمی جاہ و جلال کا لبادہ نہیں اوڑھا اور نہ ہی اپنے خدوخال پر کبر و غرور کا خول سجانے کی ضرورت محسوس کی

ہے۔ وہ لفظوں کی طرح لوگوں کے دل میں اترنے کا ہنر جانتے ہیں۔ وہ قناعت پسندی میں اولادِ علیؑ ہونے کا ثبوت دیتے ہیں۔ فقر مزاجی میں ابوذرؓ کے ہم مسلک، قلندرانہ انداز میں میثم تمار کے مزاج آشنا اور گفتگو میں نہج البلاغہ کی سطروں کے اسیر نیاز ہیں۔ وہ بزرگوں کے گروہ میں معزز، نوجوانوں کے قبیلے میں سردار اور کم سنوں کے کارواں میں نشان منزل کی حیثیت رکھتے ہیں۔

زیدی صاحب جیسا فقیر منش انسان شہنشاہوں کے لئے درگاہ، ارباب جاہ و جلال کے لئے پیکر عبرت ہے۔ وہ گزشتہ نصف صدی سے محمدؐ و آل محمدؐ کی ثناخوانی کا فرض ادا کر رہے ہیں۔ ان کے نقش قدم پر چلنے والے اب بذات خود میر کارواں بن گئے ہیں۔ ان کے لفظ اب تاریخ کا حصہ بن چکے ہیں مگر فکر اسی طرح زندہ و تابندہ ہے۔ شاعر آل عمران عزیزم صفدر حسین ڈوگر قابل مبارک ہیں کہ انہوں نے ایک یگانہ روزگار خطیب اور بے مثال مقرر خطیب آلِ محمدؐ علامہ سید اظہر حسن زیدی کی تقاریر کا مجموعہ شائع کر کے نہ صرف تشنگان علم و عرفان کی ذہنی آسائش کا سامان مہیا کیا ہے بلکہ خطابت کی تاریخ کو ایک روشن باب بھی عطا کیا ہے۔

میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ بصدق چاردہ معصومین علیہم السلام خطیب آل محمد کا سایہ ہم ایسے طالبانِ علم و ادب پر سلامت رکھے۔ آمین۔

لاہور، ۲۵ مئی ۱۹۸۱ء

برائے ایصالِ ثواب

☆ سید طالب حسین نقوی البخاری

☆ سیدہ خورشید بیگم بخاری

منجانب:

سید اشتیاق علی رضوی (اسلام آباد)

خطیب آل محمد مولانا سید اظہر حسن زیدی کی یاد میں

زیدی ترا فراق ابد تک رلائے گا!

(حماد اہل بیت سید محسن نقوی)

یہ کون اٹھ گیا ہے کہ محفل ہے سوگوار
یہ کس کے غم میں شہر کا منظر اداس ہے
یہ کس کے سوگ میں ہیں دریچے بجھے ہوئے
یہ کس کے واسطے دل مضطر اداس ہے
کیوں بانجھ ہو گئی ہے دل و جان کی سرزمیں
کیوں نطق و لب کا سوچ سمندر اداس ہے
کس کے لبوں پہ مہر سکوت اجل لگی؟
کیوں شہر میں ہر اک سخنور اداس ہے
کیوں ماتمی ہوا ہے در و بام کا لباس
رخصت ہوا ہے کون کہ ہر گھر اداس ہے
کس کے لئے ہیں آنکھ میں آنسو رکے ہوئے
شہ رگ میں گونجتا ہوا محشر اداس ہے
کس کی صدا پہ موت نے پہرے بٹھا دیئے
ارباب چشم و گوش کا لشکر اداس ہے
یہ کون آفتاب اندھیروں میں گم ہوا

کیوں بزم تابش مہ و اختر اداس ہے
یہ کس نے حرف و صوت کا سورج بجھا دیا
گم صم ہے بزم گوشہ منبر اداس ہے
کس آفتاب حرف و سخن کی تلاش میں
رہتا ہے زخم شام غریباں کھلا ہوا
کس کا نشان بند کفن دیکھنے کے بعد
پایا ہے کنج دیدہ ویراں کھلا ہوا
ٹوٹا ہے کس کا حلقہ زنجیر زندگی؟
ہے قفل باب شہر خموشاں کھلا ہوا
کس کے لہو کی قوس و قزح ٹوٹنے کے بعد
آنکھوں میں ہے گلاب گلستاں کھلا ہوا
کیا جانے کس کی یاد میں رہتا ہے آج کل
چاک جگر کے ساتھ گریباں کھلا ہوا
کیا کہئے اور چاہئے کتنی متاع غم
اب تک ہے اپنے درد کا داماں کھلا ہوا
دیکھو کہ رفتگان نے لگائے کہاں خیام
حد نظر تلک ہے بیاباں کھلا ہوا
کس مرد حق پرست کی بخشش کے شوق میں
کب سے ہے باب رحمت یزداں کھلا ہوا
وہ مرد حق پرست! وہ پندار زندگی
سچ دھج غم حیات کی اس کے سخن میں تھی

اس کے لبوں کو چھو کے بدلتی تھی پیرہن
لفظوں کی اک دھنک کہ بہار چمن میں تھی
اب کون بے ستوں سے تراشے گا جوئے شیر
یہ کاوش ہنر تو اسی کوہکن میں تھی
اک عمر بجلیوں کو سکھاتی رہی وقار
ناطاقتی کی موج کہ اس کے بدن میں تھی
کچھ ولولوں کا رنگ بھی لے میں تھا موجزن
کچھ زلزلوں کی گونج بھی اس کی تھکن میں تھی
اس کی صدا میں کرب و بلا کا گداز تھا
مظلومیت کی چیخ بھی اس کے دہن میں تھی
کرتا تھا موم جنبش لب سے حدید کو
یہ بات نکہتوں کی طرح اس کے فن میں تھی
اب سانس کی صلیب پہ جھولے گا اپنا جسم
جو زندگی تھی اس کی حسین انجمن میں تھی
اظہر حسن مصور تاریخ کربلا
یعنی خطیب آل محمد کہیں جسے
نباض علم و حکمت و ادراک و آگہی
عکاس رنج مقتل مشہد کہیں جسے
موج فرات سہو درو اسی سے رواں دواں
محراب جاں میں فکر کی آمد کہیں جسے
خود چشمہ خیال کبھی عکس جمال بھی

رمز آشنائے منبر و مسند کہیں جسے
معیار آسماں پہ ستاروں کا دائرہ
کردار عکس حسن ابجد کہیں جسے
الفاظ آبگینوں میں ڈھلتے ہوئے خیال
احساس دھوپ چھاؤں کی سرحد کہیں جسے
وہ جستجو کہ منزل ہستی نشان پا
وہ گفتگو کا حاصل مقصد کہیں جسے
کل اس کی دید وجہ فروغ دل و نظر
اب اس کی یاد فکر کا معبد کہیں جسے
وہ ماتمی لباس میں کھلتا ہوا گلاب
اک امتزاج احمر و اسود کہیں جسے
اے طالبان حرف سخن عاشقان شوق
زیدی کہاں ہے؟ گوشہ منبر سے پوچھئے
انہی ساعتوں میں اندھیرا ہے دیر سے
سورج کہاں گیا؟ مہ و اختر سے پوچھئے
وہ تاجدار تخت معانی ہے گم کہاں
روتے ہوئے ہر ایک سخنور سے پوچھئے
شیشے کو کب خبر ہے شکست مزاج کی
شیشے کی ضرب ٹوٹتے پتھر سے پوچھئے
بجھتے ہوئے چراغ کی ہچکی کا ماجرا؟
تاریکیوں کی زد میں بھرے گھر پوچھئے

بے درد دوستوں کو دکھوں کی خبر کہاں
زخموں کی ٹیس کاوش نشتر سے پوچھئے
چپ چاپ جا رہا ہے جنازہ خطیب کا
یہ موت چیختے ہوئے منظر سے پوچھئے
دو چار اشک چارہ گر ہجر کب ہوئے
صحرا کی تشنگی کو سمندر سے پوچھئے
ذکر حسینؑ ابن علیؑ کا صلہ ہے کیا
فرصت ملے تو آل پیغمبرؐ سے پوچھئے
ہر "مجلس عزا" میں ہمیں یاد آئے گا
زیدی تیرا فراق ابد تک رلائے گا

دو دیدہ ور

خطیب آل محمد .... اور ..... حماد اہلبیت کی تاریخ ساز گفتگو

سامعین : صفدر حسین ڈوگر۔ جمشید عباس تفہیم۔ سید اختر بخاری
مرتب : صفدر ڈوگر

غالبؔ کا بھی مجھے پتہ ہے کہ وہ زندگی بھر رو کے مر گیا۔
اب اگر غالب پرستی کروں بھی تو کیا فائدہ اور میرا بھی پتہ
ہے یہی ہونا ہے۔

"خطیب آل محمدؑ"

۲ جون ۱۹۸۰ء کی بات ہے کہ کوٹلی سیداں ضلع شیخوپورہ کی ایک مجلس میں حضرت خطیب آل محمدؑ الحاج مولانا سید اظہر حسن زیدی قبلہ اور حماد اہل بیت سید محسن نقوی نے شرکت فرمائی۔ دوسرے دن ہر دو صاحبان نے لالہ موسیٰ ضلع گجرات میں خطاب کرنا تھا۔ راستے میں گلستان زہرا کے دونوں بلبل گجرات کے "نشیمن" میں ٹھہرے کہ رات سر پر تھی ...... حماد اہل بیتؑ اور حضرت خطیب آل محمدؑ گفتگو کرنے بیٹھ گئے۔ کوثر و سلسبیل کے کنارے اچھل پڑے۔ موجیں ٹکرائیں۔ سمندر بکھر پڑے۔ سمندر اپنی امانتیں ساحل کو سپرد کرنے کا ظرف رکھتا ہے۔ حماد اہل بیتؑ سوال کئے جا رہے تھے اور برجستہ سوالوں کے جواب خطیب آل محمدؑ دے رہے تھے۔ دو عظیم ذہن اور فکری سرمایہ دار ایک تاریخ ساز بحث پر اتر آئے تھے۔ حماد اہل بیت کا جذبہ "خطیب آل محمد کا تجربہ" اگلوانے پر تلا ہوا تھا۔ سمندر کی گہرائی اور وسعت بیکراں ہوتی ہے مگر غوطہ زن بہت کچھ لے لیتے ہیں۔ غواصی بھی تجربہ اور جستجو کے ساتھ ہی ہو تو مزا دیتی ہے۔ یہ گفتگو تین گھنٹے تک جاری رہی اور یہ سب کچھ میں نے ٹیپ ریکارڈر میں محفوظ کر لیا۔

خطیب آل محمدؑ کی شخصیت پر بھرپور بحث ہوئی۔ حماد اہل بیت کے سوالات کی چبھن دیدنی تھی۔ مگر خطیب آل محمدؑ کے فی البدیہہ جوابات .... یہ سب کچھ محسوس کیا جا سکتا ہے۔ تحریر کرنے میں اس کیفیت کے لئے الفاظ ساتھ چھوڑنے لگے ہیں۔ من و عن لکھنے سے میں خود بھی گریزاں ہوں کہ مجھے بھی اسی ماحول میں ہی رہنا

ہے۔ اپنے معزز قارئین کے لئے وہی سوال و جواب لکھ رہا ہوں جو اس کتاب کی ضرورت ہیں۔ میں نے جو کچھ لکھا ہے، وہ آواز کی صورت میں میرے پاس محفوظ ہے۔ اس بات پر فخر ہے کہ حضرت خطیب آلِ محمدؐ کی زندگی کے حالات و واقعات آج تک اتنے مفصل شائع نہیں ہوئے۔ جذب و کیف، سوز و جنون میں ڈوبے ہوئے لوگ اس سے بہت کچھ حاصل کر سکتے ہیں۔ بجنور (ہندوستان) سے ابھرنے والے سورج سے روشنی ہر ایک نے حاصل کی۔ نصف النہار کے زمانے کی تپش اس "گفتگو" میں محسوس کی جاسکتی ہے۔ اب جب بضد ہو کر "وقت" نے اس سورج کا رخ مغرب کی جانب موڑ ہی لیا ہے۔ سانس بے ربط ہو چکے ہیں اور احباب مصروف ہیں۔ مسلم بن عقیل کی طرح وقت کے کوفہ میں یہ شخصیت تنہائی کے کرب میں زندہ ہے تو بلا کا حوصلہ ہے اس انسان کا۔ کہیں کہیں زندہ رہنا بھی جرأت مندی ہے۔ میں خطیب آلِ محمدؐ کی عظمت کو سلام کرتا ہوں کہ وہ آج بھی گفتگو کرتے ہوئے ماضی میں اتنے ڈوب جاتے ہیں کہ اس سے "مستقبل" مایوس نہیں .... میں خود دور نکل گیا ہوں۔ حضرت زید شہید کے خاندان کے چشم و چراغ حضرت خطیب آلِ محمدؐ ...... کیا تھے؟ اور کیا ہیں؟ حماد اہل بیت اور خطیب آلِ محمدؐ کی گفتگو سے یہ سب کچھ محسوس کیا جاسکتا ہے۔

لیجئے میں درمیان سے ہٹ رہا ہوں۔

(صفدر ڈوگر)

حماد اہل بیت : آپ کا اسم گرامی؟

خطیب آلِ محمدؐ : محمد اظہر حسن زیدی

حماد اہل بیت : والد محترم کا اسم گرامی

خطیب آلِ محمدؐ : سید لئن حسن زیدی؟

حماد اہل بیت : آپ کی پیدائش کس جگہ کی ہے؟

خطیب آلِ محمدؐ : رسول پور، ضلع بجنور (ہندوستان)

حماد اہل بیت : آپ کی تاریخ پیدائش کیا ہے؟

خطیب آلِ محمدؐ : ۱۲ دسمبر ۱۹۱۲ء یہی بتائی جاتی ہے مگر میرے بڑے بھائی اس سے اختلاف کرتے تھے۔ بہر حال چاند کی چھبیس تاریخ تھی۔ سن کا صحیح پتہ نہیں۔

حماد اہل بیت : رسول پور قصبہ تھا یا گاؤں اور کوئی بچپن کی بات یاد رہ گئی ہو تو بتائیں۔

خطیب آلِ محمدؐ : دریائے گنگا کے کنارے ضلع بجنور (یو۔پی) ہندوستان میں ایک چھوٹی سے سادات کی بستی ہے جس کا نام رسول پور ہے۔ یہ گاؤں اور اس کے ساتھ دو تین گاؤں تھے۔ شاہان اودھ نے میرے دادا پر دادا کو بطور جاگیر عطا کئے تھے۔ اصل میں ہم رہنے والے تو ڈسٹرکٹ مظفر نگر کے اور ساگورے کے ہیں۔ ہم اس جاگیر پہ آ کے آباد ہو گئے۔ اس کی عبارت ابھی مجھے یاد ہے۔

موضع محب الله پورڈ ہلکی ویرانِ مطلق برائے تقویت
معاش اولاد کرم علی بہادر علی مقرر و معاف فرمودیم
نیز عزاداریِ سید الشہداء لازم می کنیم۔

آصف الدولہ بادشاہ اودھ

یہ عبارت تھی اور اس کے نیچے تھے دستخط۔ اس وقت ویران علاقہ تھا۔ بزرگ جتنا چاہتے علاقہ گھیر لیتے۔ انہوں نے جتنا مناسب سمجھا، لے لیا۔ قبضہ کر لیا۔ مکان بنالیا۔ میری پیدائش اسی گاؤں کی ہے۔ گنگا کے کنارے یہ گاؤں آباد ہے۔ اس زمانے کے بہت بڑے عالم تھے۔ جن کا انتقال دس بارہ سال ہوئے ہوا ہے۔ حضرت سرکار مولانا صغیر حسن قبلہ پورے برصغیر میں جن کی علمیت مسلمہ تھی، جن کے شاگردوں میں مولانا سید محمد بھی تھے اور لوگ بھی تھے۔ جب میں پیدا ہوا تو انہیں بلا کے میرے باپ نے میرے کان میں اذان کہلوائی تھی۔ مجھے دیکھ کر انہوں نے میرے باپ سے یہ بات کہی کہ اسے علم دین پڑھا کر مولوی بنائیں۔ یہ مولانا صغیر حسن قبلہ نے کہا۔ میرے والد نے کہا کہ کالے رنگ کا مولوی اچھا نہیں لگتا۔ جب میں پیدا ہوا تھا، میرا رنگ کالا تھا۔ مولانا نے

میرا زائچہ نکالا۔ میرے زائچے میں انہوں نے لکھا کہ یہ بچہ جس زائچے میں جس برج میں پیدا ہوا ہے یہ حضرت یوسفؑ کا زائچہ ہے یہ وطن میں نہیں بلکہ پردیس میں تکلیف بھی اٹھائے گا اور عزت بھی پائے گا۔ انہوں نے میرا نام محمد اظہر حسن زیدی رکھا تھا اور ساتھ میں رہبر حسین رکھا۔ عام طور پر مجھے رہبر کہا جاتا ہے۔

محسن بیٹے شاید تم یقین نہ کرو جب میں چھ مہینے کا تھا اس وقت قبلہ مولانا نے میرا جھولا جھلا کر کچھ پڑھا۔ ان کا اس وقت کا جھولا جھلانا مجھے یاد ہے یہ معجزے سے کم نہیں اور ان کی شکل بھی مجھے یاد ہے اگر کوئی یقین نہیں کرتا نہ کرے مجھے کیا ہے؟ جب میں سوا سال کا تھا بارش ہونے لگی تھی مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ جیسے یہ آج کی بات ہے مجھے میری ماں نے کہا کہ بیٹا ایک بات یاد کرو میں نے کہا کہ کیا تو اس نے مجھے انیسؔ کا ایک بند سنایا وہ مجھے یاد ہو گیا۔ اور آج تک یاد ہے تمہیں بھی سناتا ہوں۔

عالم میں جو تھے فیض کے دریا وہ کہاں ہیں؟
ہم سب سے جو تھے افضل و اعلیٰ وہ کہاں ہیں؟
جو نورِ خدا سے ہوئے پیدا وہ کہاں ہیں؟
پیدا ہوئی جن کے لیے دنیا وہ کہاں ہیں؟
جو زندہ ہے وہ موت کی تکلیف سہے گا
جب احمدؐ مرسل نہ رہے کون رہے گا

یہ سوا سال سن میں مجھے یاد تھا۔ مجھے نہیں پتہ تھا کہ اس کے معنی کیا ہیں؟ بند مجھے یاد تھا اور اسی وقت یاد ہو گیا۔ میری ماں نے میرے باپ بھائیوں سمیت خاندان کو اکٹھا کر لیا اور کہا کہ سنو اس نے آج کیا یاد کیا ہے اور میں نے فوراً سنا دیا مجھے گود میں باہر لے جایا گیا۔ بیسیوں آدمی اکٹھے تھے اور میں سوا سال کا بچہ انہیں شعر سنا رہا تھا۔ شہرت نہیں ہوتی تھی کیا؟ قبلہ میر صغیر حسن نے سنا۔ شام کو ہمارے گاؤں میں ہمارے ہاں خوب محفل سجتی تھی وہاں ہر طبقے کے لوگ آیا کرتے تھے۔ یہ شعر تمام کے سامنے سنائے گئے۔

حماد اہل بیتؑ : قبلہ آپ کتنے بہن بھائی ہیں؟

خطیب آل محمد : میرے علاوہ میرے حقیقی دو بھائی تھے اور چچازاد بھائی بھی تھے ہم سب ایسے رہتے تھے کہ کوئی سوچ بھی نہ سکتا تھا کہ ہم تمام سگے بھائی ہیں یا چچازاد تایازاد ہیں میرے سگے بھائی دونوں وفات پا گئے اب کوئی زندہ نہیں ہیں۔ بہنیں زندہ ہیں اور پاکستان ہی میں ہیں، کراچی میں۔

حماد اہل بیتؑ : کوئی اور بچپن کا واقعہ سنائیں اگر یاد ہو تو۔

خطیب آل محمدؐ: ہاں سنو! جب میں دو سال کا ہوا تو تیس فٹ کی بلندی سے گر پڑا۔ وہ گرنا تو مجھے یاد نہیں یہ بات مجھے یاد ہے کہ مجھے تختے پر لٹا دیا گیا اور پہلوان حکیم سب پاس تھے۔ ماں رو رہی تھی۔ مجھے یہ خوب یاد ہے وہ وقت بھی۔ سانس کی تکلیف ہو گئی تھی آٹھ دس دن علاج رہا اور میں تندرست ہوا چار سال کی عمر میں مجھے انیسؔ، میرؔ، دبیرؔ، غالبؔ اور اسمٰعیل میرٹھی کے بہت شعر یاد تھے۔ حافظ سید ذوالفقار علی شاہ قبلہ ہمارے ہاں مجالس پڑھنے جایا کرتے تھے اور مجھ سے شعر سنا کرتے تھے میر انیسؔ کے شعر انیسؔ کے طرز میں سناتا۔

دبیرؔ کے شعر دبیرؔ کے طرز میں سناتا میں نے تو انہیں پڑھتے سنا ہوا نہیں تھا مجھے میری ماں نے سنایا تھا بیٹے انیسؔ اس طرح پڑھتا تھا دبیرؔ اس طرح پڑھتا تھا۔ اور میں اسی لہجے میں ویسے ہی پڑھ دیتا اور لہجہ اب بھی مجھے یاد ہے۔ (اس کے بعد حضرت خطیب آل محمدؐ نے انیسؔ و دبیرؔ کے اشعار ان ہی کے لہجوں میں پڑھ کر سنائے ...... مرتب)

حماد اہل بیتؑ : آپ نے تعلیم کہاں اور کس سے حاصل کی؟

خطیب آل محمد : میرے اپنے ہی گاؤں میں میری تعلیم کا آغاز ہوا جب میں چار سال چار ماہ اور چار دن کا ہوا مجھے ایک مولانا صاحب کے سامنے بٹھا دیا گیا اسے ہماری اصطلاح میں بسم اللہ کہتے ہیں۔ میرے بسم اللہ کرائی گئی اس وقت سونے کا ایک ہیرا میرے کان میں پڑا رہتا تھا۔ میری گلے میں سونے کی ہنسلی اور کم از کم پچاس تعویز...... میں بڑا منتوں والا تھا۔ نظر بد کے ڈر کے اور ہر آٹھویں دن میری ماں (خدا اسے جوار سیدہ میں جگہ دے...... آمین...... میں اس کی مقدور بھر خدمت نہیں کر سکا) میری یہ

پلکیں کتر کے ان کی دھونی مجھے دیا کرتی تھی تا کہ میری آنکھوں کو نظر نہ لگ جائے۔ بڑے ناز و نعم کی پرورش ہوتی تھی۔ بچوں میں کھیلتا نہیں تھا۔ گھر ہی میں رہتا تھا گھر ہی میں کھیل لینا اور خاموش رہنا۔ عجب سی زندگی تھی۔ میری رسم بسم اللہ پر بڑا جشن ہوا۔ بڑے ٹھاٹھ ہوئے انہوں نے میرے سامنے قاعدہ رکھا جس میں الف۔ ب لکھا ہوا تھا۔ میں نے زیادہ سے زیادہ چار دن میں وہ قاعدہ یاد کر لیا جب میں چھ سال کا ہوا تو اردو کی ہر کتاب پڑھ سکتا تھا۔ مطلب نہ سمجھوں الگ بات ہے، پڑھ لیتا تھا۔ تو اب مولانا صغیر حسن قبلہ نے اور ایک اور صاحب تھے وہاں مرتضےٰ حسن میرے بزرگوں سے کہا میرے بڑے بھائی سے بھی کہا وہ بی۔ اے تھے اس وقت میرے خاندان تو کجا اس علاقے میں بھی کوئی بی۔ اے نہ تھا ان سے کہا کہ اب اس کی زندگی ضائع نہ کرو اب اسے کسی بڑے آدمی کے سپرد کر دو چنانچہ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ یکم مارچ ۱۹۲۰ء کو ۸ جمادی الثانی کے روز مجھے میرے استاد معظم محترم سرکار سید الفقہا علامہ سبط نبی کے سپرد کیا گیا۔ ہمارے گاؤں سے اٹھارہ میل کے فاصلے پر ان کا گاؤں تھا اور ہماری طرح وہ بھی زمیندار تھے ساری آبادی سادات کی تھی اس کا نام نوگانواں سادات ہے۔ وہ اتنے بڑے شخص تھے کہ سرکار ناصر الملت جیسا شخص بھی انہیں عالم سمجھ کے عزت کرتا تھا۔ گوشہ نشین اور خاموش آدمی تھے۔ اب تم دیکھو گھر سے ایک چھ سال کا بچہ میرے ساتھ ایک منشی ایک ملازم سونے کے کام کی مخملی ٹوپی۔ بہترین لباس۔ سلیم شاہی جوتا چوڑی دار پاجامہ۔ مولانا صاحب میرے باپ سے فرمانے لگے کہ یہاں تو فقیرانہ ماحول ہے بوریے پر بیٹھنا پڑتا ہے اور دال وغیرہ کھانا پڑتی ہے۔ یہ بچہ تو شاید یہاں رہ نہیں سکے گا۔ انہوں نے کہا مگر نہیں۔ میں اسے آپ کے سپرد کرتا ہوں۔ وہ مجھے ان کے سپرد کر کے چلے گئے۔ رات کو مجھے بخار ہو گیا۔ میرے ملازم یہ سمجھے کہ میں اب واپس چلا جاؤں گا۔ تم یقین کرو میں آرام سے اس بوریے پر بیٹھتا تھا اور تقریباً بارہ سال میں نے ان کی خدمت میں رہ کر تمام تعلیم مکمل کی۔ میرے استاد محترم اور اس بستی کے جملہ سادات کو میرے ساتھ بے حد محبت تھی۔ وہاں لکھنو کے فارغ التحصیل طلباء اور نہ جانے کہاں کہاں کے طلبہ اکٹھے

تھے۔ عصر کے وقت ان کا درس ہوتا تھا۔ میں آ کے وہاں بیٹھ جاتا تھا۔ چھ سال کا بچہ...... وہ پڑھتے رہتے، میں خاموش بیٹھا رہتا۔ پندرہ دن کے بعد میرے استاد محترم نے ان سے پوچھا کہ آج سبق نہیں ہوگا۔ آج بتاؤ تم نے کیا پڑھا ہے؟ ان سے پوچھا۔ کوئی بتائے کوئی نہ بتائے میں نے کہا قبلہ میں بتاؤں وہ تمام حیران ہوئے اور میں نے سب کچھ زبانی سنا دیا مگر اس کے معنی مجھے نہیں آتے تھے۔ عبارت سنا دی ساری کی ساری اور مجھے اب بھی یاد ہے اب تم بھی سن لو۔ (اور خطیب آلِ محمدؐ نے وہ ساری عبادت سنا دی...... مرتب) اب میں طلبہ سے کہتا ہوں کہ تم پڑھتے کیا ہو تمہیں تو یاد ہی نہیں ہوتا۔ مجھے تو آج تک یاد ہے۔ اس سے میری شہرت ہو گئی۔ میں نے کہا کہ اب میں امتحان دوں گا۔ یونیورسٹی میں کچھ طلبہ امتحان بھی دیا کرتے تھے۔ میں نے منشی کا امتحان دینے کا مکمل ارادہ کر لیا۔ اب جب میرا فارم جانے لگا تو میری عمر کم نکلی، امتحان کے لئے۔ تو میں نے کہا کہ میری عمر اتنی لکھ دو کہ امتحان دے دوں   ابھی میرے بھائی کا لاہور میں انتقال ہوا ہے تو یہ وہ کچھ بتایا کرتے تھے۔ میں نے کہا کہ بھئی اب اس قصے ہی کو چھوڑو...... تو میں یہ بتا رہا تھا کہ میں امتحان میں بیٹھ گیا جا کر۔ محسن بیٹے مجھ سے میز کرسی پر بیٹھ کر لکھا نہ جائے بوجہ بچپن۔ تو انہوں نے میرے لئے اور انتظام کیا۔ سنٹر والوں کو میری خاطر یہ کرنا پڑا دنیا بھر نے میرے رول نمبر نوٹ کر لئے کہ یہ لڑکا پاس بھی ہو گا یا نہیں تو میں امتحان دے کے آ گیا۔ مدرسے نہیں گیا۔ سیدھا گھر آ گیا اور آ کے کھیل کود میں لگ گیا۔ کھیل کیا تھا گھوڑے کی سواری اس کا میں بہت شوقین تھا۔ اس کے علاوہ زمینداری میں دلچسپی لیتا۔ کھیتوں پر چلا جاتا۔ فارغ اوقات میں ڈیرے پر بیٹھتا۔ فرصت کے دن تھے۔ سکون کی راتیں اس وقت میری عمر سات آٹھ سال کے لگ بھگ تھی۔ میرے بیٹے وہاں سے نتیجہ آیا۔ میں بڑے اچھے نمبروں میں پاس۔ میری خوشی کی حد نہ رہی۔ میرے استاد خدا انہیں جوارِ سید الشہداءؑ میں جگہ دے۔ بڑے خوش ہوئے۔ اس کے بعد منشی عالم کا امتحان دینے کا ارادہ کیا۔ میرے استاد نے کہا۔ چھوڑو تم منشی عالم کی بجائے منشی فاضل کا امتحان دے دو۔ اتفاق سے آرڈر ہو گیا کہ یوپی کا کوئی آدمی پنجاب

پلکیں کتر کے ان کی دھونی مجھے دیا کرتی تھی تاکہ میری آنکھوں کو نظر نہ لگ جائے۔ بڑے ناز و نعم کی پرورش ہوتی تھی۔ بچوں میں کھیلتا نہیں تھا۔ گھر ہی میں رہتا تھا گھر ہی میں کھیل لینا اور خاموش رہنا۔ عجب سی زندگی تھی۔ میری رسم بسم اللہ پر بڑا جشن ہوا۔ بڑے ٹھاٹھ ہوئے انہوں نے میرے سامنے قاعدہ رکھا جس میں الف۔ ب لکھا ہوا تھا۔ میں نے زیادہ سے زیادہ چار دن میں وہ قاعدہ یاد کر لیا جب میں چھ سال کا ہوا تو اردو کی ہر کتاب پڑھ سکتا تھا۔ مطلب نہ سمجھوں الگ بات ہے، پڑھ لیتا تھا۔ تو اب مولانا صغیر حسن قبلہ نے اور ایک اور صاحب تھے وہاں مرتضیٰ حسن میرے بزرگوں سے کہا میرے بڑے بھائی سے بھی کہا وہ بی۔ اے تھے اس وقت میرے خاندان تو کجا اس علاقے میں بھی کوئی بی۔ اے نہ تھا ان سے کہا کہ اب اس کی زندگی ضائع نہ کرو اب اسے کسی بڑے آدمی کے سپرد کر دو چنانچہ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ یکم مارچ ۱۹۲۰ء کو ۸ جمادی الثانی کے روز مجھے میرے استاد معظم محترم سرکار سید العلماء علامہ سبط نبی کے سپرد کیا گیا۔ ہمارے گاؤں سے اٹھارہ میل کے فاصلے پر ان کا گاؤں تھا اور ہماری طرح وہ بھی زمیندار تھے ساری آبادی سادات کی تھی اس کا نام نوگانواں سادات ہے۔ وہ اتنے بڑے شخص تھے کہ سرکارِ ناصر الملت جیسا شخص بھی انہیں عالم سمجھ کے عزت کرتا تھا۔ گوشہ نشین اور خاموش آدمی تھے۔ اب تم دیکھو گھر سے ایک چھ سال کا بچہ میرے ساتھ ایک منشی ایک ملازم سونے کے کام کی مخملی ٹوپی۔ بہترین لباس۔ سلیم شاہی جوتا چوڑی دار پاجامہ۔ مولانا صاحب میرے باپ سے فرمانے لگے کہ یہاں تو فقیرانہ ماحول ہے بوریے پر بیٹھنا پڑتا ہے اور دال وغیرہ کھانا پڑتی ہے۔ یہ بچہ تو شاید یہاں رہ نہیں سکے گا۔ انہوں نے کہا کہ نہیں۔ میں اسے آپ کے سپرد کرتا ہوں۔ وہ مجھے ان کے سپرد کر کے چلے گئے۔ رات کو مجھے بخار ہو گیا۔ میرے ملازم یہ سمجھے کہ میں اب واپس چلا جاؤں گا۔ تم یقین کرو میں آرام سے اس بوریے پر بیٹھتا تھا اور تقریباً بارہ سال میں نے ان کی خدمت میں رہ کر تمام تعلیم مکمل کی۔ میرے استاد محترم اور اس بستی کے جملہ سادات کو میرے ساتھ بے حد محبت تھی۔ وہاں لکھنو کے فارغ التحصیل طلباء اور نہ جانے کہاں کہاں کے طلبہ اکٹھے

تھے۔ عصر کے وقت ان کا درس ہوتا تھا۔ میں آ کے وہاں بیٹھ جاتا تھا۔ چھ سال کا بچہ ...... وہ پڑھتے رہتے، میں خاموش بیٹھا رہتا۔ پندرہ دن کے بعد میرے استاد محترم نے ان سے پوچھا کہ آج سبق نہیں ہوگا۔ آج بتاؤ تم نے کیا پڑھا ہے؟ ان سے پوچھا۔ کوئی بتائے کوئی نہ بتائے میں نے کہا قبلہ میں بتاؤں وہ تمام حیران ہوئے اور میں نے سب کچھ زبانی سنا دیا مگر اس کے معنی مجھے نہیں آتے تھے۔ عبارت سنا دی ساری کی ساری اور مجھے اب بھی یاد ہے اب تم بھی سن لو۔ (اور خطیب آل محمدؐ نے وہ ساری عبادت سنا دی...... مرتب) اب میں طلبہ سے کہتا ہوں کہ تم پڑھتے کیا ہو تمہیں تو یاد ہی نہیں ہوتا۔ مجھے تو آج تک یاد ہے۔ اس سے میری شہرت ہو گئی۔ میں نے کہا کہ اب میں امتحان دوں گا۔ یونیورسٹی میں کچھ طلبہ امتحان بھی دیا کرتے تھے۔ میں نے منشی کا امتحان دینے کا مکمل ارادہ کر لیا۔ اب جب میرا فارم جانے لگا تو میری عمر کم نکلی، امتحان کے لئے۔ تو میں نے کہا کہ میری عمر اتنی لکھ دو کہ امتحان دے دوں ابھی میرے بھائی کا لاہور میں انتقال ہوا ہے تو یہ وہ کچھ بتایا کرتے تھے۔ میں نے کہا کہ بھئی اب اس قصے ہی کو چھوڑو...... تو میں یہ بتا رہا تھا کہ میں امتحان میں بیٹھ گیا جا کر۔ محسن بیٹے مجھ سے میز کرسی پر بیٹھ کر لکھا نہ جائے بوجہ بچپن۔ تو انہوں نے میرے لئے اور انتظام کیا۔ سنٹر والوں کو میری خاطر یہ کرنا پڑا دنیا بھر نے میرے رول نمبر نوٹ کر لئے کہ یہ لڑکا پاس بھی ہوگا یا نہیں تو میں امتحان دے کے آگیا۔ مدرسے نہیں گیا۔ سیدھا گھر آگیا اور آ کے کھیل کود میں لگ گیا۔ کھیل کیا تھا گھوڑے کی سواری اس کا میں بہت شوقین تھا۔ اس کے علاوہ زمینداری میں دلچسپی لیتا۔ کھیتوں پر چلا جاتا۔ فارغ اوقات میں ڈیرے پر بیٹھتا۔ فرصت کے دن تھے۔ سکون کی راتیں اس وقت میری عمر سات آٹھ سال کے لگ بھگ تھی۔ میرے بیٹے وہاں سے نتیجہ آیا۔ میں بڑے اچھے نمبروں میں پاس۔ میری خوشی کی حد نہ رہی۔ میرے استاد خدا انہیں جوارِ سید الشہداءؑ میں جگہ دے۔ بڑے خوش ہوئے۔ اس کے بعد منشی عالم کا امتحان دینے کا ارادہ کیا۔ میرے استاد نے کہا۔ چھوڑو تم منشی عالم کی بجائے منشی فاضل کا امتحان دے دو۔ اتفاق سے آرڈر ہو گیا کہ یوپی کا کوئی آدمی پنجاب

یونیورسٹی کا امتحان نہیں دے سکتا۔ جب تک وہ پنجاب کی سکونت اختیار کرے۔ میں نے الہ آباد یونیورسٹی میں امتحان دے دیا جو کہ وہاں ہمارے صوبے کی یونیورسٹی تھی۔ وہاں میں نے "مولوی" کا امتحان دیا۔ اس سال میرے ساتھ مولوی فاضل کا امتحان علامہ علی نقی نے بھی دیا تھا۔ یہ ۱۹۲۲ء کی بات ہے۔ مولانا قمر الزمان نے مولوی عالم کا امتحان دیا، وہ فوت ہو چکے ہیں۔ بڑے پائے کے عالم تھے۔ اس کے علاوہ بھی کئی صاحبان تھے، یہ امتحان بھی میں نے پاس کر لیا۔

حمادِ اہل بیت: اس دور کی کوئی ایسی شخصیت جس سے آپ متاثر ہوئے ہوں؟

خطیب آل محمدؐ: اس زمانے کے جو اکابر تھے، اپنے اپنے فن میں ماہر تھے مثلاً علم فقہ وعلم دینیات کے ماہر سرکار ناصر الملت تھے۔ ان کے سامنے کوئی شخص بھی کوئی شے نہ تھا۔ آقا ابوالحسن اصفہانی اور آقا بروجردی بھی اس شخص کے علم کے قائل تھے۔ نجف اشرف میں پانچ چھ صد علماء اکٹھے ہوئے۔ یہ میرے ہوش کی بات ہے۔ سرکار ناصر الملت کے کسی مقالے پر انہوں نے "صدر المحققین" کا خطاب لکھ کر انہیں بھیجا تھا۔ اور جب میں ایران گیا، آقائے مرعشی جو اب بھی زندہ ہیں، ان سے ملنے گیا۔ میرا نوجوانی کا عالم تھا۔ اٹھارہ سال کے لگ بھگ میری عمر تھی۔ انہوں نے مجھے کوئی اہمیت نہ دی۔ میں بیٹھ گیا۔ میں نے دو چار باتیں کیں۔ انہوں نے مجھے قریب کر لیا۔ جب اور باتیں ہوئیں تو انہوں نے میرے لئے مسند بچھوا دی۔ باتیں اب مجھے یاد نہیں۔ میں اس مسند پر بیٹھ گیا تو میں نے دیکھا کہ ایک کمرے میں چند علمائے کرام بیٹھے ہوئے ہیں۔ ایک میز رکھی ہوئی ہے جس کے اوپر کتابوں کے ڈھیر رکھے ہوئے ہیں۔ میں نے آقائے مرعشی سے پوچھا کہ یہ کیا ہو رہا ہے؟ انہوں نے کہا کہ آپ کے ہندوستان میں جو ناصر حسین نامی شخص ہیں، ان کے کچھ مضامین پر ریسرچ ہو رہی ہے۔ یہ میں نے خود دیکھا ہے۔

حمادِ اہل بیت: سرکار ناصر الملت سے آپ ملے ہوئے ہیں؟

خطیب آل محمدؐ: ہاں ملا بھی ہوں اور مختصر سا عرصہ ان کے پاس بھی رہا ہوں۔ ویسے ان سے ملتا جلتا رہتا تھا۔

حماد اہل بیت: سرکار ناصر الملت کو آپ نے عام گفتگو یا عام زندگی میں کیسا پایا؟

خطیب آل محمدؐ: ان کی محفل میں علماء، سب ہوتے تھے۔ میں نے ان سے کچھ نہیں پوچھا۔ میرا لڑکپن تھا۔ مجھے جرأت نہیں ہوتی تھی پوچھنے کی۔ البتہ میرے سامنے جو لوگ پوچھتے تھے نا! سوال ...... وہ میں یاد کر لیتا تھا۔ بوجہ لڑکپن کے ان کی شخصیت ہی ایسی تھی کہ میں نے کبھی کچھ نہیں پوچھا تھا۔

حماد اہل بیت: اچھا ان کا انداز گفتگو کیا تھا؟

خطیب آل محمدؐ: چوبیس گھنٹے میں صرف ایک گھنٹے کے لئے ملاقات کرتے تھے۔ تئیس گھنٹے مصروف رہتے تھے۔ ایک گھنٹہ ملاقات کا ہوتا تھا۔ ایک کمرہ تھا، ایک کونے میں وہ بیٹھتے تھے اور دیواروں کے ساتھ ساتھ لگ کے آدمی بیٹھتے تھے تو وہ سب سے پہلے جو آدمی ہے، چاہے ...... کوئی بھی ہو، آہستہ سے فرمایا کرتے تھے "فرمائیے" اتنا آہستہ بولتے تھے کہ مشکل سے سمجھ میں آتی تھی اور لباس کپڑے کی ٹوپی جس طرح کی میں پہنے ہوئے ہوں، اس طرح کی اور ایک پٹکا پڑا ہوتا تھا گلے میں۔ آہستہ سے ...... پہلے آدمی سے کہتے "فرمائیے" اس آدمی نے کوئی بات کی۔ اس کا جواب دیا۔ دوسرے آدمی نے سوال کیا۔ اب جب گھنٹہ پورا ہو گیا ...... تو باقی کل۔ باقی سب جائیں اسی طرح میں بھی لوگوں میں بیٹھتا تھا۔ میں لوگوں کے سوال اور مولانا کے جواب سنتا تھا۔ وہ میں یاد کر لیتا تھا کہ انہوں نے کیا پوچھا ہے؟ اور انہوں نے کیا جواب دیا ہے؟

حماد اہل بیت: قبلہ ناصر الملت کی کوئی خاص بات ہو جو کسی نے پوچھی ہو اور انہوں نے جواب دیا ہو۔

خطیب آل محمدؐ: ایک فقرہ یاد ہے۔ دلائل تو یاد نہیں کسی نے سوال کیا۔ سرکار والا ...... ! لوگ پوچھتے ہیں یہ عقد ام کلثوم کیا ہے؟

انہوں نے فقرہ جواب میں کہا:-

"معاذ الله اين الكفر و الاسلام اين النور والظلام"

ترجمہ اس کا ہے "خدا نخواستہ کفر و اسلام کا کبھی رشتہ نہیں ہوتا۔ نور و ظلمت میں

کبھی تعلق نہیں ہوسکتا۔" دو چار فقرے انہوں نے فرمائے، مجھے یاد ہوگئے۔ میرے ذہین ہونے کے وہ بھی قائل ہوگئے۔ مجھے لکھنؤ کے لوگ اور طلبہ جو اکثر بعد میں مجھے ملے، مبارک دیتے تھے کہ مبارک ہو تمہیں ان کے ساتھ رہنے کا موقع ملا۔

ایک دفعہ گرمی کا موسم، سرکار نحیف آدمی۔ بانس کی لاٹھی۔ ہاتھ میں لے کر چلتے تھے۔ آہستہ آہستہ بات کرتے تھے۔ سولہ سال کے تھے کہ اپنے کتب خانے میں جاتے تھے۔ چھ گھنٹے کتب خانے میں رہا کرتے تھے۔ ۷۶ برس کے تھے جب فوت ہوئے۔ ایک دن ناغہ نہیں کیا۔ شیعہ سنی۔ ہندو سب آپ کو چلتی پھرتی لائبریری کہا کرتے تھے۔ کسی کتاب کا نام لے دو ...... ہاں اس کے فلاں صفحے پہ یہ لکھا ہے۔ اس قسم کا وہ انسان تھا ناصر الملت۔

حماد اہل بیت : آپ علامہ علی نقی سے بھی ملے ہیں۔

خطیب آل محمدؑ : اس زمانے میں بھی ملا تھا، اور اب بھی ملتا ہوں۔ برصغیر میں اب سب سے زیادہ پڑھا لکھا انسان علی نقی ہے۔ میں نے جب مولوی کا امتحان دیا تھا، انہوں نے مولوی فاضل کا امتحان دیا تھا۔ اکٹھے ایک ہی سنٹر میں بیٹھے تھے۔ میرے داڑھی وغیرہ نہیں آئی تھی۔ بالکل لڑکپن تھا۔ ان کے آگئی تھی یہ جوان تھے۔ ناصر الملت کا اپنا صاحبزادہ نصیر الملت بڑا ادیب مشہور تھا۔ عربی زبان کا لکھنؤ یونیورسٹی میں عربی پڑھانے والے ایک ادیب عربی کی ضرورت تھی۔ سرکار ناصر الملت سے کہا گیا کہ آپ کوئی عربی پڑھانے کے لئے کسی شیعہ ادیب کا نام دیں تو انہوں نے علی نقی کا نام دیا۔ اپنے بیٹے کو نہ بھیجا۔

رات ڈھل چکی تھی۔ پچھلے پہر کے جاگنے والے ستارہ سحری سے ہمکلام تھے۔ حضرت خطیب آل محمدؑ کی ضعیفی اتنی طویل گفتگو کی متحمل نہ تھی مگر حماد اہل بیت کے سوال کرنے کا انداز ہی ایسا تھا کہ خطیب آل محمدؑ تھکن محسوس نہ کرتے بلکہ ہشاش بشاش تھے۔ دونوں شب بیدار سید محو گفتگو تھے۔ ماضی و حال ٹکرا کر مستقبل تراش رہے تھے۔ بحث جوبن پر تھی کہ سوالات کا رخ یکدم بدل گیا۔ حماد اہل بیت کا سوال خطیب آل محمدؑ کو

چاندنی چوک سے برف خانہ چوک لے آیا۔" (صفدر ڈوگر)

حماد اہل بیت : آپ لاہور کب تشریف لائے۔

خطیب آل محمدؑ : ۲۳ دسمبر ۱۹۳۰ء کو ہندوستان سے لاہور پہنچا۔ یہاں امام باڑہ خواجگان نارووالی میں ایک جلسہ تھا، یہ معراج کے سلسلے میں تھے۔ میں پانچ منٹ شوقیہ منبر پر آیا۔ تازہ تازہ امتحانات دیئے تھے۔ نوعمری کا زمانہ تھا۔ جب پانچ منٹ پڑھا تو مجمع نے شور مچا دیا کہ "ابھی اور ابھی اور" میں نے چالیس منٹ پڑھا۔ یہ میرا خطاب اتنا مؤثر اور کامیاب تھا کہ میری پڑھائی پر ہی جلسہ کا اختتام ہوگیا۔ اس کے بعد پانی پت میں خواجہ تہور علی اور سید شریف حسین کے ہاں میں نے مجلس پڑھی۔ یہ ۱۹۳۱ء کی بات ہے۔

حماد اہل بیت : خطابت میں آپ کا استاد کون ہے؟

خطیب آل محمدؑ : میں فطری طور پر بولتا ہوں جو خدا نے مجھے دیا ہے۔ اس سلسلے میں کوئی میرا استاد نہیں ہے۔

نظر ہے ابر کرم پر درخت صحرا ہوں   کیا خدا نے نہ محتاج باغباں مجھ کو

حماد اہل بیت : جب آپ لاہور آئے تو کیا لاہور میں رہائش اسی دن سے ہے یا بعد میں مستقل سکونت اختیار کی؟

خطیب آل محمدؑ : ایک عرصہ بعد ۱۹۳۶ء میں دوبارہ لاہور آیا۔ پنجاب میں تقاریر کیں۔ امامباڑہ خواجگان کی دس تقاریر میرے تعارف کی وجہ بنیں اور ہر جگہ شہرت ہوگئی۔ اس کے بعد میں عراق چلا گیا اور زیارات سے واپسی جس دن ہوئی، اسی دن ڈاکٹر محمد اقبال کا انتقال ہوا تھا۔ یہ ۲۱ اپریل ۱۹۳۸ء کی بات ہے۔ اقبال ہی کے موضوع پر رات مولانا ظفر علی خان کی صدارت میں "برکت علی ہال" میں جلسہ تھا۔ یہ میری پبلک تقریر تھی۔ مولانا ظفر علی خان اس تقریر سے بڑے متاثر ہوئے۔ اس کے بعد لکھنؤ ایجی ٹیشن ہوا۔ یہ ۱۹۳۹ء کی بات ہے۔ میں نے اس سلسلے میں پنجاب بھر میں تقاریر کیں اور میرا تعارف عام ہوگیا۔ ایک چہلم کی مجلس پڑھ کر امام باڑہ خواجگان سے واپس آرہا تھا کہ میں نے دیکھا۔ چند آدمی فرش پر بیٹھے ہیں اور ایک آدمی سوز پڑھ رہا ہے۔ پتہ چلا کہ مجلس

ہے مگر کوئی خطیب ان کے پاس نہیں آیا۔

میں نے کہا کہ میں پڑھوں گا۔ دوسرے دن اعلان ہو گیا۔ خاصا ہجوم تھا۔ میں نے خطاب کیا اور یہاں اسی امام باڑے میں، میں نے دس سال عشرہ بھی پڑھا۔

حماد اہل بیت : زیدی صاحب۔ آج میں آپ سے چند باتیں کھل کر کرنا چاہتا ہوں۔ میں نے ایک دفعہ اس بات پر تقریر بھی کی تھی کہ امیر المؤمنین کی نہج البلاغہ کا ترجمہ یا تو میر تقی میر کرتا کہ اس کے دل میں وہی گداز تھا چونکہ سید ہونے کی حیثیت سے اسے ورثے میں ملا تھا اور اس دور میں جس نہج پر آپ چلے ہیں، اگر علیؑ کے کلام کا ترجمہ زیدی کرتا تو لطف آتا۔

خطیب آل محمدؐ : یہ تمہارا حسن ظن ہے تم اپنی محبت کے پیش نظر ساری باتیں کر رہے ہو۔

حماد اہل بیت : یہ حقیقت پر مبنی باتیں ہیں۔ زندہ فلاسفر بھی رہتا ہے۔

مصیبت یہ پڑ گئی کہ اس قوم نے سب سے زیادہ نقصان یہ دیا کہ اس نے خطیب آل محمدؐ آپ کو بنا کے۔ علامہ سید اظہر حسن زیدی کے نام کے بہت بڑے بڑے پوسٹر چھپوا کے آپ کو بلایا۔ سینکڑوں آدمیوں نے اسٹیشن پر آپ کا استقبال کیا۔ آپ نے تقریر کی اور چلے گئے اور چرچا ہو گیا۔ زیدی صاحب زندہ باد۔ وہ یہ تھا کہ ایک سمندر کو ایک ندی نے اپنی کشش سے خشک کر کے اس کے کناروں کو اپنے کناروں کے ساتھ ملا کے اپنے قطروں میں اس کے قطرے ڈال دیئے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ وہ سیپ جو سمندر کے تہہ میں تھے، وہ ریت میں دب گئے۔

خطیب آل محمدؐ : اب تک میرے خیالات کی ...... میرے ذہنی تصورات کی جو کبھی کبھی تنہائی میں میرے ذہن میں آتے ہیں، تم ان کی ترجمانی کر رہے ہو۔ میں خود یہ سمجھتا ہوں کہ میں جو ہوں مجھے یہ نہیں ہونا چاہیے تھا۔ کچھ اور تھا اور میں کچھ اور ہو گیا۔ یہ میں خود بھی سمجھتا ہوں اور مجھے خود بھی اس بات کا اعتراف ہے اور اگر تم میری شروع سے آخر تک ساری زندگی دیکھو تو کچھ یہ حالت مجبوری اور کچھ باتیں غیر ارادی ہوتی رہیں۔

ورنہ میں خود جانتا ہوں کہ میں یہ نہیں تھا جو میں ہو گیا مگر میرے حالات ہی اس قسم کے ہو گئے تھے۔

حماد اہل بیت : زیدی صاحب میں اسی بات پر آج بحث کرنا چاہتا ہوں کہ اگر غالبؔ اپنے خطوط میں اپنے ان حالات کا اظہار کر سکتا ہے جن حالات کی وجہ سے غالبؔ وہ کچھ نہ کہہ سکا جو اسے کہنا چاہیے تھا تو آپ یہ بات کہہ کے ٹال کیوں دیتے ہیں؟ کہ کچھ حالات ایسے ہیں کچھ باتیں ایسی ہیں۔

خطیب آل محمدؐ : محسن بیٹے! میرے حالات ہی ایسے ہیں کہ میں بات کو ٹالنا ہی پسند کرتا ہوں۔ غالبؔ کا بھی مجھے پتہ ہے کہ وہ زندگی بھر رو کے مر گیا۔ اب اگر غالب پرستی کرو بھی تو کیا فائدہ؟ اور میرا بھی پتہ ہے یہی ہونا ہے۔

حماد اہل بیت : آپ یہ بتائیں کہ اگر آپ پاکستان نہ آتے۔ آپ رہتے جبور میں یا لکھنؤ یا دہلی چلے جاتے تو کیا آپ خطابت کرتے۔

خطیب آل محمدؐ : پتہ نہیں۔

حماد اہل بیت : آپ نے الہ آباد یونیورسٹی کے علاوہ بھی کہیں باقاعدہ امتحان دیا ہے۔

خطیب آل محمدؐ : میں نے الہ آباد کے ...... پنجاب یونیورسٹی کے بھی تمام اورینٹل امتحان اعلیٰ درجے میں پاس کئے اور اس وقت تمام مدارس عربی میں میری ذہانت کی شہرت ہو گئی تھی۔ اس کے علاوہ دیگر دینی تعلیم و اصول و فقہ و علم کلام وغیرہ بھی حاصل کئے۔

حماد اہل بیت : کیا آپ اپنے موجود مقام سے مطمئن ہیں؟

خطیب آل محمدؐ : میں ہر حالت میں مطمئن ہوں۔

حماد اہل بیت : کیا آپ ملت جعفریہ کے ارتقاء کی موجودہ رفتار سے مطمئن ہیں؟

خطیب آل محمدؐ : میرے خیال میں قوم ارتقاء کی طرف بالکل نہیں جا رہی۔ خدا کرے یہ ارتقاء کی طرف روانہ ہو جائے اور اگر یہی حالت جمود کی رہی تو خدا جانے کیا

ہوگا؟

حماد اہل بیت : خطابت یا ذاکری کا آپ کے نزدیک معیار کیا ہے؟

خطیب آل محمدؐ : خطابت یا ذاکری کے لئے میرے نزدیک معیار صرف اور صرف علم ہے۔

حماد اہل بیت : آپ کا پسندیدہ مؤرخ کون ہے؟

خطیب آل محمدؐ : ہر مؤرخ میں کوئی نہ کوئی خوبی ہوتی ہے، ویسے مجھے علامہ فخری پسند ہیں۔

حماد اہل بیت : آپ کی پسندیدہ کتاب کونسی ہے؟

خطیب آل محمدؐ : قرآن کے بعد نہج البلاغہ، صحیفہ کاملہ اور اردو میں مراثی انیس۔

حماد اہل بیت : آپ کس کے مقلد ہیں؟

خطیب آل محمدؐ : آقائے سید کاظم شریعتمداری کے حکم سے آقائے بروجردی کی تقلید پر قائم ہوں۔

حماد اہل بیت : مفتی جعفر حسین صاحب کے بارے میں کیا خیال ہے؟

خطیب آل محمدؐ : وہ بہت ذہین آدمی ہیں۔ میں بچپن سے انہیں جانتا ہوں۔ ادیب ہیں۔ پندرہ سال مولانا سبط حسن قبلہ کے ساتھ رہے۔

حماد اہل بیت : آج کل کے ذاکرین کو آپ نے سنا ہے؟

خطیب آل محمدؐ : بہت کم سنتا ہوں۔ ویسے بھی جب سے فلمی طرز عام ہوئی ہے، میں نے سننا چھوڑ دیا ہے اور جب عزیزم صفدر ڈوگر نے الذاکر نکالا (جو اب حکومت بند کر دیا ہے اور اس کی جگہ القائم کا اجراء ہوا ہے) تو مجھے ذرا سی یہ جھلک امید کی پیدا ہوئی کہ ان ذاکرین میں بھی ؎

ذرا نم ہو تو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی

ان میں بھی اہل علم اور اہل قلم موجود ہیں ورنہ میں تو ان سے مایوس ہو گیا تھا۔ اس رسالے سے پتہ چلا کہ ان میں اچھے آدمی پیدا ہو سکتے ہیں۔

حماد اہل بیت : قبلہ یہ بتائیں کہ شیعہ شاعری جو اس وقت چل رہی ہے ہمارے ہاں یا ہندوستان میں۔ یقیناً آپ کے پاس کتابیں وغیرہ آتی ہوں گی، مطالعہ کے لئے موجودہ دور میں شعراء کی جو ایک صف ہے، انہیں گاہے گاہے سننے کا موقعہ تو ملتا رہتا ہوگا مثلاً کئی رسالوں کی ادارت بھی آپ کرتے ہیں۔ تو ان میں سے آپ کو کون سا شاعر پسند ہے؟

خطیب آل محمدؐ : بھئی مجھے لاہور میں تو مشکور حسین یادؔ زیادہ پسند ہیں۔ ہنر یہ کہ شعر پڑھو۔ اس کے اندر چھپا ہوا حسن یا عیب .... فوراً میری نظر اس پر پہنچتی ہے تو میں جب داد دیتا ہوں تو اس شعر پر نہیں دیتا بلکہ اس چیز پر دیتا ہوں جو اس کے اندر چھپی ہوئی مجھے نظر آتی ہے۔

دیکھو میرے بیٹے! ایک ہوتا ہے ناظم، اس نے الفاظ اکھٹے کر کے نظم کر لیا۔ چاہے غزل کی شکل میں ہو۔ چاہے رباعی کی شکل میں۔ ایک ہوتا ہے شاعر۔ شاعری چیز ہی اور ہے ناظم ہونا اور بات ہے ...... شاعری چیز ہی اور ہے وہ فوراً شعر کو سنتے ہی سمجھ میں آجاتا ہے۔ جب تک آدمی شعر اور نظم کا فرق نہیں جانے گا جب تک وہ شاعری نہیں سمجھ سکے گا۔ اب دیکھو ایک شعر ہے ؎

ہزار تہمتیں دنیا نے بخش دیں مجھ کو
میں آدمی تھا مگر چپ رہا خدا کی طرح

کوئی آدمی داد دے ہی نہیں سکتا۔ اس شعر کی جب تک اس کی شعریت تک کوئی نہ پہنچے۔ میں نے اس شعر پر عشرہ پڑھا ہے۔

حماد اہل بیت : یہ کس کا شعر ہے؟

خطیب آل محمدؐ : یاد نہیں شاید محسن نے سنایا تھا۔

حماد اہل بیت : آپ کو یاد ہوگا کہ آپ ڈیرہ غازی خان آئے تھے اور میں نے آپ کو اپنا پہلا شاعری کا مجموعہ "بند قبا" دیا تھا۔

خطیب آل محمدؐ : ہاں میرے پاس موجود ہے۔

حماد اہل بیت : زیدی صاحب قبلہ ارباب منبر میں سے منبر پر آپ کو سب سے

زیادہ اچھا کون سا خطیب لگا۔

خطیب آل محمدؐ : قبلہ سبط حسن سے زیادہ میں نے خوبصورت آدمی نہیں دیکھا۔ پہلے جب دیکھا میں چار پانچ سال کا تھا۔ اتنا حسین اور خوبصورت انسان میں نے نہیں دیکھا۔ پھر انہیں زہر دے دیا گیا۔ میرا اٹھارہ انیس سال کا سن تھا۔ میرے استاد مرحوم بھی موجود تھے۔ قبلہ سبط حسن کا رنگ سانولا ہو گیا تھا۔ اکاون سال کے سن میں ان کا انتقال ہوا۔ یہ کوئی بڑی عمر نہیں۔ تقریر کا انداز بھی منفرد تھا۔ میں نے ان کی پانچ تقریریں سنی ہیں۔ ایک کم سنی کے زمانے میں جب انہیں زہر مل گیا تھا۔ لوگ انہیں دیکھ کر دھاڑیں مار مار کر رویا کرتے تھے۔

حماد اہل بیت : مجالس کے علاوہ فارغ اوقات میں آپ کا شغل کیا ہے؟

خطیب آل محمدؐ : تحصیل علم اور اسے نوجوانوں تک پہنچانا۔

حماد اہل بیت : نوجواں خطیبوں میں سے آپ کا پسندیدہ خطیب کون ہے؟ کس میں یہ جوہر ہے کہ اگر اسے سنوارا جائے تو وہ اسی سے توقعات وابستہ رکھی جا سکتی ہیں۔

خطیب آل محمدؐ : میرے خیال میں عزیزم سید عرفان حیدر عابدی میں یہ جوہر ہے کہ ـ

ذرا نم ہو تو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی

خُلقِ عظیم

عنوان

خُلقِ عظیم

کتاب و کرسی و عرش و سراج و لوح و قلم

یہ سب جمالِ محمد کے استعارے ہیں

افسر عباس زیدی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے تھے مجھے معلم بنا کر بھیجا گیا ہے۔

انک لعلی خلق عظیم

پیغمبر اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات اور اسوہ حسنہ نے پوری نوع انسانی کو راہِ ہدایت دکھائی اور انسانیت کو اس کے شرف سے بہرہ ور کیا۔ ہادی اسلام حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قبل انسان کی گردن میں کئی جھوٹے خداؤں کی غلامی کا طوق ہوتا تھا اور چار سو ظلم و ناانصافی اور عصیاں کے اندھیرے پھیلے ہوئے تھے۔ یہ ہیں وہ حالات کہ یکایک غیرتِ حق کو حرکت ہوئی اور ہادیِ اعظم حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انسانیت اور تمام عالمین کے لئے رحمت بن کر تشریف لائے...... وما ارسلنك الا رحمة اللعالمين...... حضورؐ نے اپنی پاکیزہ اور ارفع تعلیمات کے ذریعے زندگی کا نیا تصور پیش کیا۔ اللہ کی وحدانیت اور انسان کی برابری کی تعلیم دی۔ قبائلی نسبی اور خاندانی بڑائی کے انسانیت کش نظریے...... بیخ و بن سے اکھاڑ کر عظمت اور بڑائی کی بنیاد اچھے اعمال اور اچھے اخلاق پر رکھی اور ظلم و ناانصافی کی ہر شکل کو ممنوع قرار دیا...... آپؐ کے اثر انگیز ارشادات اور حیات افروز وعظ کا نتیجہ یہ نکلا کہ صدیوں کے دشمن بھائی بھائی بن گئے اور غریبوں کمزوروں اور زیردستوں کے سر پر لٹکتی ہوئی تلوار ٹوٹ گئی...... زخمی اور غلام روحوں کو عظمت اور مسرت کے نئے افق نظر آئے۔ ظالم و جابر حکمرانوں کا تسلط ختم ہونے پر انسانی ذات اور شخصیت کو نشوونما کے نئے مواقع اور اسباب میسر آئے۔ جہالت کی جگہ علم و عرفان نے لے لی اور افلاس و محکومی کے بدلے غنا اور آزادی کی روشنی پھیلنے لگی۔

ہادیِ اعظم کی تعلیم نے پوری انسانیت کا رخ بدل دیا اور کرہ ارضی پر حریت و مساوات کا نیا سورج طلوع ہوا۔ کالے گورے اور عربی و عجمی کی تفریق ختم ہو کر اقوام و ملل اخوت اور وحدت کے روح پرور رشتے میں منسلک ہو گئیں...... سرورِ کونین حضرت

محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے حسنِ اخلاق کے وہ جوہر دکھائے کہ تمام اہل عرب عش عش کر اٹھے اور آپؐ کو صادق اور امین کہنے پر مجبور ہو گئے جن میں اپنے پرائے اور دوست دشمن سب ہی شامل تھے...... اس ضمن میں ایک مشہور واقعہ پیش کرتا چلوں......

جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسلام کی تبلیغ شروع کی تو مکے کے لوگوں آپؐ کے خلاف ہو گئے...... آپ جب بازاروں اور گلیوں سے گزرتے تو آپؐ پر پتھر مارتے اور کوڑا کرکٹ پھینک دیتے۔ ایک بوڑھی عورت کا یہ معمول تھا کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے گھر کے نیچے سے گزرتے تو وہ آپؐ پر کوڑا کرکٹ پھینک دیتی۔ آپؐ نگاہ اٹھا کر مسکراتے ہوئے سر اور کپڑے جھاڑ لیتے...... ایک دفعہ آپؐ اس بوڑھی عورت کے گھر کے نیچے سے گزر رہے تھے کہ اس دن کوڑا کرکٹ آپؐ پر نہ پھینکا گیا۔ آپؐ حیران رہ گئے اور سوچنے لگے کہ ضرور کوئی وجہ ہے کہ آج اس بوڑھی عورت نے کوڑا نہیں پھینکا۔ آپؐ نے اس کے گھر کا رخ کیا اور دروازہ کھٹکھٹایا۔ اندر سے آواز آئی۔ کون ہے؟ آپؐ نے جواب دیا۔ میں ہوں محمدؐ...... اس نے اندر آنے کی اجازت دے دی۔ بڑھیا کئی روز سے بیمار پڑی تھی...... آپؐ نے پوچھا۔ اے عورت کیا بات ہے؟ اس نے ڈرتے ہوئے کہا کہ میں کئی روز سے بیمار ہوں۔ میرا کوئی سہارا نہیں۔ میں نے کئی روز سے کچھ نہیں کھایا پیا...... آپؐ نے اس عورت کو تسلی دی اور کہا کہ تو فکر نہ کر میں تیری خدمت کروں گا۔ آپؐ نے اسے دوالا کر دی۔ کھانا کھلایا، پانی پلایا اور اجازت لے کر چلے گئے۔ اس طرح کئی روز اس کی تیمارداری کرتے رہے۔ یہاں تک کہ وہ عورت بالکل تندرست ہو گئی اور معافی مانگنے لگی کہ مجھے معاف کر دیں...... حضورؐ نے اسے معاف کر دیا اور وہ عورت آپؐ کے حسنِ اخلاق دیکھ کر مسلمان ہو گئی۔

حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیاتِ اقدس کا یہ وہ حصہ ہے جہاں آپؐ کی زندگی تمام انبیائے کرام اور مصلحینِ عالم سے ممتاز نظر آتی ہے...... مکے کا معلمِ اخلاق پکار کر کہتا تھا...... لم تقولون مالا تفعلون (بقرہ)...... جو نہیں کرتے وہ کہتے کیوں ہو؟ حضورؐ خود اپنی تعلیم کا آپؐ نمونہ تھے...... اخلاق و عمل کا جو نکتہ آپؐ دوسروں

کو سکھاتے تھے، خود اس کا عملی پیکر بن جاتے تھے......

آن خلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کان القران...... "آپ کا اخلاق ہمہ تن قرآن تھا" ...... موجودہ صحائف آسمانی اپنے داعیوں کے بہترین اقوال کا مجموعہ ہیں لیکن کیا ان کا ایک حرف بھی اپنے مبلغین کے عمل کا مدعی ہے؟ ...... قرآن مجید لاکھوں مخالفین اور اہل عناد کی بھیڑ میں اپنے داعی کی نسبت گویا ہے ...... انک لعلی خلق عظیم ط(اے محمدؐ! تم اخلاق کے بڑے درجے پر ہو") تاریخ کہتی ہے کہ ام المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ جو نبوت سے پہلے اور نبوت کے بعد پچیس برس تک آپؐ کے حرم پاک میں زوجیت سے مشرف ہو کر ہمدم و دمساز ہیں۔ آغاز نبوت میں آپؐ کو ان الفاظ سے تسلی دیتی ہیں ...... "ہرگز نہیں خدا کی قسم۔ خدا آپؐ کو غمگین نہ کرے گا...... آپؐ رحم کرتے ہیں ...... مقروض کا بار اٹھاتے ہیں۔ غریبوں کی اعانت کرتے ہیں ...... مہمانوں کی ضیافت کرتے ہیں ...... حق کی حمایت کرتے ہیں ...... مصیبتوں میں لوگوں کے کام آتے ہیں......

ام المؤمنین حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق عالیہ کے متعلق فرماتی ہیں کہ سرور کونینؐ کی عادت کسی کو برا بھلا کہنے کی نہ تھی ......برائی کے بدلے برائی نہ کرتے بلکہ درگزر فرماتے تھے ...... آپؐ نے کسی سے ذاتی معاملے میں کبھی انتقام نہیں لیا...... آپؐ نے نام لے کر کبھی کسی مسلمان پر لعنت نہیں کی...... آپؐ نے کبھی کسی غلام لونڈی کو...... کسی عورت کو...... کسی خادم کو...... کسی جاندار کو اپنے ہاتھ سے نہیں مارا۔ آپؐ نے کبھی کسی کی درخواست رد نہیں فرمائی۔ آپؐ جب گھر تشریف لاتے تو نہایت خنداں، ہنستے مسکراتے ہوئے ...... دوستوں میں پاؤں پھیلا کر نہ بیٹھتے ......باتیں ٹھہر ٹھہر کر اس طرح فرماتے کہ کوئی یاد رکھنا چاہے تو رکھ لے ...... رات کی تنہائیوں اور خصوصی اوقات میں اپنے دشمنوں کی اصلاح کے لئے دعائیں فرماتے ...... آپؐ نے کبھی کسی کے لئے بددعا نہ کی ...... آپؐ حسنِ اخلاق کے مجسم پیکر تھے ...... آپؐ نے زندگی کے ہر شعبہ میں اخلاق کے وہ مایہ ناز نمونے چھوڑے ہیں جو رہتی دنیا تک مشعلِ راہ رہیں گے......

آپؐ نے ہمسایوں سے ہمیشہ محبت اور شفقت سے پیش آنے کی تلقین فرمائی۔ آپؐ نے فرمایا کہ ہمسائے کے بہت حقوق ہوتے ہیں یہاں تک کہ ہمسایہ رشتے دار سے بھی زیادہ عزیز ہے۔

ہمارے سرکار اور پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ...... مجسم عمل تھے۔ اپنا کام خود اپنے دستِ مبارک سے کیا کرتے تھے ...... سرکار دو عالمؐ اپنے پھٹے پرانے کپڑے خود سی لیتے ...... بکریوں کا دودھ خود دھو لیتے ...... اپنے جوتے خود گانٹھ لیتے ...... غرض گھر کا ہر کام خود کر لیتے تھے ...... حضور اکرمؐ نے ہمیشہ مساوات، بھائی چارے اور سادگی کا درس دیا۔ آپؐ نے بے جا صرف اور فضول خرچی سے منع کیا اور فرمایا میانہ روی اختیار کرو ...... حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیشہ عفو و درگزر کی تلقین فرمایا کرتے اور کہا کرتے کہ مسلمانوں کے لئے بہتر ہے کہ دشمن کو معاف کر دے اگر کسی سے غلطی سرزد ہو گئی ہو تو اسے درگزر کر دے ...... غصے کی حالت میں اپنے نفس پر قابو رکھے۔ جس نے اپنے غصے پر قابو رکھا اس نے اپنے آپ کو ہلاکت سے بچا لیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فتح مکہ کے موقع پر تمام دشمنوں کو معاف کر دیا تھا اور یہاں تک کہ اپنے چچا حضرت حمزہؓ کو قتل کروانے والی عورت ہندہ کو بھی معاف کر دیا۔

تجارت میں آپؐ نے عملی طور پر حصہ لیا اور اس کے ساتھ ساتھ آپؐ نے تجارت کے فضائل اور اصول بیان کئے ...... مسلمانوں کو تجارت کی ترغیب دلاتے ہوئے فرمایا کہ سچا امانتدار تاجر قیامت میں انبیاء اور سچے لوگوں کے ساتھ اٹھایا جائے گا۔ آپ نے تجارت کے غلط طریقوں سے منع فرمایا۔ چنانچہ آپؐ کا ارشاد ہے کہ ذخیرہ اندوزی کرنے والا ...... لعنتی ہے ...... دوسرے مقام پر فرمایا جس نے ذخیرہ اندوزی کی، وہ گناہ گار ہے ...... ملاوٹ کی مذمت کرتے ہوئے کہا جس نے دھوکا دیا، وہ میری امت میں سے نہیں۔

قربان جایئے اس محسنِ انسانیت اور رحمت اللعالمین کے جنہوں نے عملی طور پر مزدوری فرما کر مزدوروں کے حوصلے بلند کر دیئے اور معاشرے میں ان کو باعزت مقام

دلوائیا...... مسجد نبوی کی تعمیر میں حصہ لے کر آپؐ نے پتھر۔ مٹی اور گارا اٹھانے والوں کی رہنمائی کی۔ صحابہؓ کہتے ہیں کہ ہم سے زیادہ پتھر حضور اکرمؐ نے اٹھائے تاکہ آنے والا مزدور آپؐ کا اسوہ حسنہ دیکھ کر احساسِ فرض کا حامل بنے...... آپؐ نے فرمایا کہ مزدور کی مزدوری اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے ادا کرو...... حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا علم کو طلب کرو خواہ تمہیں اس کے لئے چین ہی کیوں نہ جانا پڑے۔ ایک دوسرے مقام پر فرمایا...... گہوارے سے لے کر قبر تک علم حاصل کرو...... ایک اور مقام پر تمام مسلمانوں پر علمِ دین کا طلب کرنا فرض قرار دیا...... آپؐ نے فرمایا میں معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں تاکہ تمہارے اخلاق کو مکمل کردوں......

آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہمیشہ بچوں سے پیار تھا۔ وہ بچوں سے محبت کرتے اور شفقت سے پیش آنے کی تلقین فرماتے...... آپ کو بچوں سے اتنا پیار تھا کہ آپ جب کبھی بچوں کے قریب سے گزرتے تو کمالِ شفقت سے ان کو سلام کرنے میں پہل کرتے...... آپؐ کا ارشاد ہے کہ والدین اپنے بچوں کو جو سب سے قیمتی اور اعلیٰ تحفہ دے سکتے ہیں، وہ بچوں کی اچھی تربیت اور اچھی عادتیں پیدا کرنے کا تحفہ ہے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیشہ لوگوں کو خدا کی راہ میں خیرات کرنے کی تلقین کرتے تھے...... حضرت ام سلمیٰؓ فرماتی ہیں کہ ایک دفعہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھر میں رنجیدہ تشریف لائے۔ میں نے رنجیدگی کا سبب پوچھا۔ آپؐ نے فرمایا۔ ام سلمیٰ! کل جو سات دینار آئے تھے، شام ہوگئی تھی، وہ میرے بستر پر پڑے رہ گئے تھے، خیرات کرنے میں دیر ہوگئی۔

دنیا سے رحلت کے وقت جب آپؐ بیمار تھے تو آپؐ کو خیال آیا کہ چند اشرفیاں گھر میں موجود ہیں۔ آپؐ نے انہیں خیرات کا حکم دیا...... فرمایا جلدی کرو۔ ایسا نہ ہو کہ میں اس سے رخصت ہو کر جب اپنے رب سے ملوں تو اس وقت میرے گھر میں اشرفیاں موجود ہوں۔

ظہورِ حضرت قائم آلِ محمدؐ

دنیا نہ مال و زر نہ وزارت کے واسطے
ہم جی رہے ہیں تیری زیارت کے واسطے

محسنؔ نقوی شہید

حضرت قائم آل محمدؐ

یریدون ان یطفئوا نور اللّٰہ بافواھھم و اللّٰہ متم نورہ ولو کرہ الکفرون o

خدائے بزرگ وبرتر کی نعمتیں اور رحمتیں مخلوق پر بے حدو بے شمار ہیں ...... انسانی طاقت ان کے شمار اور ادائے شکر سے عاجز و قاصر ہیں ان لامتناہی نعمات میں سب سے عظیم نعمت حضور ختمی مرتبتؐ کا وجود سراپا رحمت ہے ...... یہ اتنا بڑا خدائی انعام جس نے مخلوق کے عرفان و معرفت کے سلسلے خلقیت کی سرحد سے ملادیئے ...... عالمین کے رب سے آشنا کیا ...... طاغوتی طاقتوں کو ہمیشہ کے لئے شکست دی اور پورا صحن عالم خدائے بزرگ کی باجبروت شہنشائی کا کلمہ پڑھنے لگا ...... دستور دنیا کے مطابق شرار بولہبی نے چراغ مصطفویؐ کو خاموش کرنے کی سر توڑ کوشش کی ...... سمجھے نا صاحبان ...... مگر ارادۂ الٰہی اس بات پر تل گیا کہ اس نوری شمع کو مخالف آندھیوں سے ہمشہ کے لئے محفوظ کردے ...... چنانچہ قادر مطلق نے یہ بارہ حجابِ نور جن سے چھن کر شعاعِ محمدیؐ تا قیامت نور پاش رہے گی ...... اس انداز سے بنائے۔ کہ اُن کے اولؑ کا جو انداز ہے وہی آخریؑ کا ناز ہے ...... اگر اوّلؑ کے سر پر تاجِ ولایت ہے تو آخریؑ کے پیکر موزوں میں خلعت دوام ہدایت ہے ...... ذاتِ محمدیؐ تتمہ رسالت ہے تو یہ بارہ بروجِ ہدایت ...... آخری گردش آفتابِ امامت ہیں ...... یہی وہ خدا کا نور ہے جو پیکر بشریت میں علمی اور عملی طور پر مظہر کمالاتِ اُلوہیت ہے ...... یہ سلسلہ قبل ازل سے شروع ہو کر آخیر لبد تک دائم و قائم ہے ...... خلاق عالم نے ایک ایسی جماعت پیدا کی ہے جن کے دل و دماغ ان عصمت پوش ذواتِ قدسیہ کے انوارِ مودّت سے جگمگا رہے ہیں اور اس جماعت پر خدا کا فضل ہے کہ وہ محبتِ محمدؐ و آل محمدؐ کو دنیا کی ہر متاع سے زیادہ عزیز اور عاقبت میں واحد ذریعہ نجات سمجھتے ہیں اور اپنا جان و مال اور اولاد۔ عزت۔ آبرو ہر شے اُن کے عشق میں قربان کر دینا سب سے بڑی سعادت جانتے ہیں اُن کی خوشی میں خوشی اور اُن کے غم میں غم منانا یہی ان کا ایمان ہے اور اسی پر اُن کے دین و دنیا کی حیات کا دارومدار ہے ...... سن رہے ہیں نا صاحبان آپ میری بات ...... چنانچہ دنیا نے دیکھا کہ پاکستان کے عظیم تاریخی شہر لاہور میں پورا رجب کا مہینہ حضور تاجدار ولایت کی پر شکوہ آمد کے جشن ہائے مسرت سے جگمگاتا رہا ...... نعرہ ہائے حیدریؑ کی گونج آسمانی فضاؤں میں گونجتی رہی ...... اور ولائے ساقی کوثر کے متوالے تشنگان معرفت کو مے خانہ الست کے ساغر پلاتے رہے ...... برقی روشنیوں میں دلوں کا نور دونوں مل کر دین و دنیا کی برکت سے صاحبان توفیق کو مالا مال کرتے رہے۔ ...... ابھی ماہ رجب کی ایمان افروز فضا صحن عالم میں ضیاء پاشی کر رہی تھی کہ اچانک افق پر ماہ مبارک شعبان کا ہلال نمودار ہوا ...... شعبان وہ مہینہ ہے کہ اس کی کوئی تاریخ بھی جانثاران آل محمدؐ کے لئے یوم غم نہیں ...... تیسری شعبان شہید اعظمؑ کی ولادت کی عید ہے ...... اور اس پر مسرت تقریب میں خوشی کے آنسو آجانا تقاضائے محبت ہے ...... چار شعبان سے ہی پوری دنیائے مؤدت چودھویں بدرِ کامل کے لئے سراپا انتظار ہوتی ہے ...... تو صاحبان ادھر آسمان پر چاند بڑھتا ہے ادھر ماہتاب برج عصمت کے شوق دید میں اہل ایمان کے چہروں میں نور اور دل میں سرور بڑھتا ہے ...... زندہ دلانِ لاہور حدیثِ عشق سننے کے لئے معتبر "راوی" کی تلاش میں گھروں سے نکل پڑتے ہیں اور مسرت و کامرانی کے لمحات گزارنے کے لئے اثنا عشری متوالے کامران کی بارہ دری میں "راوی" کے قدموں میں ہمہ تن گوش ہو کر جا بیٹھے اور مرد قلندر کی عاشقانہ کاوشوں نے جنگل میں منگل کردیا ...... باب مدینہ علم کے آستانہ اقدس پر سر جھکانے والوں کو مسلسل بارہ دروازے نظر آئے ...... ہر دروازہ ...... جنت کا باب اور حل مشکلات کے لئے عمل فتح ...... باب محمدیؐ سے عباسی دروازے تک نور کا سماں تھا ...... فطرت نکھر گئی تھی ...... فضائیں ضیاء پاشی انوار سے جگمگا گئیں ...... راوی کا پل صراط مستقیم کا راہبر بن گیا ...... اور ایک ویران درختوں کا جھرمٹ دیکھتے ہی دیکھتے رشک فردوس بریں ہو گیا ...... حورانِ جنت ...... جنت کے دریچوں سے محوِ نظارہ ...... چشمہ کوثر امواجِ راوی سے ہم آغوشی کے لئے بے چین ...... ساکنان عرش و کرسی اپنے مصلی نور چھوڑ کر زمین پر شہنشاہ ارض و سماء کے استقبال کے لئے حاضر ہو گئے ...... کائنات کا ذرہ ذرہ "اشرفت الارض

بنور ربہ" کی تسبیح پڑھنے لگا...... راوی کا کنارہ رشک عرش بریں ہوگیا...... پوری فضا روحانیت سے معمور ہوگئی...... کہیں نعرہ ہائے درود و سلام...... کسی طرف رکوع و سجود و تسبیح و تحلیل کی فضا...... کہیں ۔یا صاحب العصر والزمان اور کئی کا نورانی اور روحانی سرور......ایک طرف نوجوانانِ ملت کی محفل قصیدہ خوانی کا شباب دوسری طرف علمائے اعلام کا عرفانی خطاب اور حد نظر تک پھیلے ہوئے مجمع کی نگاہوں کا مرکز...... اس مے خانے کا ساقی خاکساری میں غلام ابوتراب...... شہرت میں نواب ابن نواب...... عالم کے لئے باعث برکت و فرخ فال...... محفل اہل ایمان کے لئے مرد خوش اقبال...... میں نے بھی جاکر عرض کیا...... آج یہ کیا منظر ہے؟ کہ جس کے نظارے میں چودھویں کا چاند ادب و سکوت کے ساتھ محو ہے......دنیا کے دل کی دھڑکن تیز ہوگئی......اور عالم کی نبضیں حد اعتدال پہ آگئی ہیں۔ پوری کائنات ایک دوسرے سے گلے مل کر فرحتِ مسرت سے جھوم کر یہ مژدہ جانفزا سنا رہی ہے۔

ہوئی کعبہ میں اذاں صبح کا تارہ چمکا
بارھواں برج امامت کا ستارہ چمکا

سفینہ آل محمدؑ میں سوار ہونے والے اپنی نجات کے عریضے لے کر کشتی ایمان میں سپرد کرنے کے لئے پورے ادب و احترام سے کھڑے ہیں۔ میں نے بھی ادب سے عرض کیا۔ حضور عالم پناہ !

صبح کے وقت ادا کر کے فریضہ ساقی
پیش کر دے ابھی میرا بھی عریضہ ساقی

مومنین عالم کو عموماً اور لاہور کو خصوصاً جشن ولادت مبارک ہو اور اس ولادت کی برکت سے یملا الله الارض قسطا وعدلا کما ملئت ظلما و جورا...... اللھم صل علی محمد و آل محمد

عظمتِ حسین علیہ السلام

مٹی میں مل گئے ہیں ارادے یزید کے
لہرا رہا ہے آج بھی پرچم حسینؑ کا

محسنؔ نقوی شہید

عظمت حسین علیہ السلام

اسلام اور انسانیت مترادف لفظ ہیں...... خلاق عالم کی قدرت کاملہ نے انسان کو عجیب و غریب صفات سے متصف کر کے صحنِ عالم میں بھیجا ہے...... نیابت اللہ و خلافت ارضی کا امانت دار...... انسان جہاں عزت و شان کی اعلیٰ منازل پر فائز ہے اور تمام مخلوق عالم من جانب اللہ انسان کی اطاعت پر مامور ہے۔ کرہ ہائے آسمانی کی عظمت سے لے کر ادنیٰ سے ادنیٰ چیز تک انسان کی مطیع، خدمت گذار اور تابع فرمان ہے...... انسان نے عقل خداداد کی طاقت سے قواء عالم کو مسخر و تابع بنا کر "وسخر لکم ما فی الارض جمیعا" کی عملی تفسیر اپنے بے پناہ عزم و ارادہ سے مکمل کر دی ہے...... اور صنف انسانی اس تسخیر کی تکمیل میں ہمہ تن مصروف و مشغول ہے مگر یہ انسان جہاں اعلیٰ صفات...... برگزیدہ اخلاق اور تخلقوا باخلاق اللہ کا نمونہ کامل ہے اس کے ساتھ ہی شر کی مخفی طاقتیں بھی انسانی جدوجہد کے ساتھ مشغول عمل ہیں...... عجوبہ خلقتِ انسانی شر کی طاقتوں کے سامنے باوجود ملکی صفات ہونے کے اکثر و بیشتر سپر اندوختہ و سرنگوں ہو جاتا ہے...... طاغوتی لشکر ہمیشہ انسانی ضمیر کو شکست دینے پر آمادۂ پیکار و رزم رہتا ہے...... خداوند عالم اپنی رحمتِ کاملہ سے انسان کو طاغوتی طاقتوں کی یلغار سے محفوظ ہونے کا انتظام فرماتا رہتا ہے...... انبیاءؑ و رسلؑ کے سلسلہ عالیہ اور دماغِ انسانی میں عقلِ دور اندیشی کی مشعل اسی لیے ہے کہ ان قدرتی طاقتوں سے مدد لے کر انسان "اسفل السافلین" کی دلدل سے نکل کر "منا بنی آدم" کی معراج کو پہنچے۔ یاد رکھیے۔ قانونِ اسلام اسی ہدایت الٰہی و توفیق غیبی کا نام ہے اسلام انسان کی انفرادی و اجتماعی و نوعی و شخصی اصلاح و درستی کا ذمہ دار ہے۔ اسلام کی تعلیم اور اس پر عمل تہذیب، اخلاق، تدبیر منزل سیاست مدن وہ زرّیں اور قیمتی اصول اپنے دامنِ رحمت میں لیے ہوئے ہے کہ جس نے آنکھ جھپکنے میں ایک وحشی محض قوم کو معلم اخلاق و استادِ انسانیت بنا دیا تھا...... اسلام کی فطری آسان سہل مزاجی کی وجہ سے انسانی تعلیم و تبلیغ نے دشت و صحرا، بحر و بر، کوہ وادی میں "اسلام زندہ باد" کی خدائی آواز بلند کرا دی تھی۔ پیغمبر اسلامؐ کی جاذبیت ہر خشک و تر،

بلند و پست یگانے بیگانے سے کلمہ پڑھوانے میں کامیاب ہو گئی۔ عرب کا فرزند صحرا اس فطرت سے جلد مانوس ہو گیا اور ہادی اعظم اس پیغامِ مکمل کو اتمام تک پہنچا کر نعیم دائمی کی طرف انتقال فرما گیا...... آپ میری بات سمجھ بھی رہے ہیں نا صاحبان؟...... بات ذرا دور چلی گئی...... تو میں عرض کر رہا تھا...... وہ ہادی انتقال کر گیا مگر اتنی عظیم الشان تعلیم اور آخری خدائی پیغام کو دنیا کے ذہن نشین کرانے کے لیے، ابھی اور عصمت پوش معلمین الٰہی کی ضرورت تھی...... جو اپنے علم و عمل سے مسلمانوں کو صحیح معنوں میں مؤمن کامل بنا دیں...... ابھی لوحِ دماغ پر اسلام کا نقش سادہ ہی تھا...... قیصر و کسریٰ کے تخت و تاج اور فتوحات ملکی کی ہوائے نخوت نے اسلام کی سادگی کی جگہ لے لی...... خلافتِ راشدہ تک ظاہری لباس کسی قدر جسم اسلام پر باقی رہا۔ مگر اس دور کے بعد ملوکیت و استبداد پوری شان سے جلوہ گر ہو گیا...... قصر حکومت اسلامی تعلیم اور خدا کی بجائے "السلطان ظل اللہ" کے نعروں سے گونجنے لگا...... اسلام کے نام پر وہ وہ بدعتیں ہوتیں کہ کفر بھی جن سے شرما جائے۔ زبان و دل کی ہم آہنگی رخصت ہو گئی۔ نفاق نے ایمان کا روپ دھار لیا...... احکامِ الٰہی کا مضحکہ ہونے لگا...... زبانی و عوامی اسلام عین ایمان بن گیا...... اعمالِ صالح کی ضرورت بے ضرورت ہو گئی علماء راہزن اور ذمہ دارانِ مذہب دین فروش بن گئے۔ تہذیب انسانی نے سر پیٹ لیا...... قانونِ الٰہی بالائے طاق رکھ دیا گیا......

یہ سب کچھ بانیٔ اسلامؐ کے صرف چند سال بعد حریم خلافت سے اٹھی ہوئی نخوت و غرور، بد اعمالی و سفاکی کی سیاہ آندھی چراغِ حرم کو بجھاتی ہوئی...... شمع دین و ملت کو گل کرتی ہوئی دنیائے اسلام پر چھا گئی...... آئینِ الٰہی محکم خلیفہ...... غرق مے ناب ہو گیا......

یہ وہ وقت تھا جب کہ بد اخلاقی...... اخلاق، بے دینی...... دین، بے ایمانی...... ایمان، بے حیائی...... عفت...... انکارِ معبود عبادت ہو گیا تھا...... ایسی حالت میں زبانوں پر مہریں لگ گئیں اور قواء عمل مفلوج ہو گئے...... آخر غیرت خداوندی نے اس نازک دور کے لیے جب کہ کفر اسلام بن کر ہم رنگ زمین دام میں دنیا کو پھنسا رہا تھا اپنے قاعدہ جاریہ کے مطابق توفیق الٰہی و تائیدی غیبی کو بشکل حسینؑ دنیا کے سامنے پیدا کیا...... کون

حسینؑ ؟ جو ابی طالبؑ محافظِ رسول کا پوتا اور خدیجۃ الکبریٰ کا نواسہ...... فاطمہ بنتِ اسد کا نبیرۂ جلیل اور آبِ وحی میں ڈھلی ہوئی زبانِ رسالت چوسنے والا...... اسلام کے فاتحِ اعظم اسد اللہ علیؑ ابن ابی طالبؑ کا فرزند میدانِ عمل میں آیا...... چونکہ رنگِ الحاد زیادہ گہرا ہو گیا تھا...... عوام دین کے نام پر بے دین ہو رہے تھے...... اور شر...... خیر کا لبادہ اوڑھ کر شرارت پھیلا رہا تھا اس لیے اس کو روکنے کے لیے اہم ترین اقدام کی ضرورت تھی...... کسی مصلوب کے ہاتھوں میں ٹھکی ہوئی چند کیلیں اور محض کسی نبی زادے کا چھری کے نیچے آجانا اس انقلابِ اعظم کو روک نہ سکتا تھا...... ضرورت تھی کہ اس بڑی ہنگامی مصیبت عظمیٰ سے روکا جائے اور اس تخریبی انقلاب کو ذبحِ عظیم سے دبایا جائے...... سمجھے نا میرے محترم سامعین...... فرزندِ رسولؑ اسی دن کے لیے آغوشِ رسالت میں پل کر پروان چڑھا تھا۔ حسینؑ کی عظیم القدر قربانی نے خیر و شر میں حدِ فاصل قائم کر دی...... ایمان و بے ایمانی کو ایک دوسرے سے جُدا کر دیا...... حریت فکر و دماغ از سرِ نو پیدا کی...... علماء میں اجتہاد اور عوام میں طاغوتی طاقتوں کے خلاف جذبہِ جہاد پیدا کیا اور آج تک جو اسلام کے نام پر کسی قدر نیکی دنیا میں موجود ہے وہ اسی بطلِ جلیل کی شہادت عظمیٰ کا صدقہ ہے۔ مگر آج پھر دین کا نام تہذیب...... اور اسلام دشمنی کا نام خدمتِ دین ہو گیا ہے۔ علماء بے عمل، حکام بے عدل اور عوام شترِ بے مہار بن گئے ہیں اور کلمہ گویوں کے خلاف فتویٰ کفر ہے۔ آج زمانے کے بے شمار یزید دین کو ختم کرنے کی دھن میں لگے ہوئے ہیں...... اتحاد و اتفاق اسلامی عنقا ہو گیا ہے پابندیِ احکام الٰہی کا نام حماقت اور خدا و رسولؑ کے احکام دفترِ پارینہ بن گئے ہیں...... مسلمان کہلانے والے معاشرت میں یہود، تمدن میں ہنود، چمک دمک میں عیسائی اور برادر کشی و فتنہ پروری میں شہرہ آفاق ہو چکے ہیں۔ روحِ مذہب فنا ہو چکی ہے۔ کچھ آثار رسم و رواج آثارِ قدیمہ کے طور پر حائل بہ انہدام باقی ہیں...... اور بس آج بھی ایمان کی روح ہدایت کی تڑپ...... توفیق الٰہی و تائید ایزدی کی ضرورت مشعلِ عقل و خرد ہاتھ میں لے کر حسینؑ کے رخِ زیبا کو تلاش کر رہی ہے اس زمانے کا حسینؑ پردۂ غیب سے آئے تو پھر دنیا عدل و انصاف سے بھر ہو جائے۔

آج پھر تیری زمانے کو ضرورت ہے حسینؑ

حسینیّت

فضائل...... حسینیّت
مصائب...... دربارِ شام

دربار میں شام کا منظر عجیب ہے
زینبؑ کو مل رہی ہے وراثت رسولؐ کی

اختر چنیوٹی

حسینیت

محترم سامعین! جب سے دنیا بنی ہے اور جب تک دنیا رہے گی اس آسمان کے نیچے ...... اس زمین کے اوپر، نہ حسینؑ جیسا کوئی شہنشاہ ہوا نہ ہوگا ...... یہ سب سے بڑا شہنشاہ ہے جس کا حسینؑ نام ہے ...... سب سے بڑا بادشاہ ہے جس کا حسینؑ نام ہے ...... اگر آپ یہ کہیں کہ ہمارے باقی آئمہؑ بھی بادشاہ تھے ...... باقی رسول بھی بادشاہ تھے تو انہیں بادشاہت و حکومت اللہ نے ازراہ کرم عطا فرمائی تھی اور حسینؑ نے شہنشاہی قیمت دے کر لی تھی۔ اس نے کسی کا احسان نہیں رکھا ...... اس نے ہر شے کی قیمت ادا کر دی ہے ...... دنیا کا سب سے بڑا شہنشاہ ہے حسین ...... سب سے بڑا بے مثل بندہ ہے حسینؑ سب سے بڑا بے نظیر بندہ ہے حسینؑ۔ مجھے بتاؤ سامعین کرام! ...... تم مجھے بتاتے رہو میں بولتا رہوں ...... یہ بتاؤ کہ حسینؑ کا ناناؐ تمام رسولوںؑ میں بے مثل ہے کہ نہیں؟ بولو بھئی؟ بے مثل ہے ...... تمام رسولوںؑ میں حسینؑ کا ناناؐ بے مثل ہے ...... تمام ولیوں میں حسینؑ کا باپؑ؟ بولو بھئی بے مثل ہے ...... اور تمام دنیا کی عورتوں میں حسینؑ کی ماںؑ بے مثل ہے ...... اور ساری دنیا کے بھائیوں میں حسینؑ کا بھائی حسنؑ؟ بولو بھئی بے مثل ہے ...... اور ذرا سوچ کے بتانا ...... ساری دنیا کی بہنوں میں حسینؑ کی بہن ...... بولو بھئی بے مثل ہے ...... دنیا بھر کے بیٹوں میں حسینؑ کے بیٹےؑ؟ بے مثل دنیا بھر کے شیر خواروں میں حسینؑ کا شیر خوارؑ؟ دنیا بھر کی بیٹیوں میں حسینؑ کی بیٹیؑ؟ ...... دنیا بھر کی فوجوں میں حسینؑ کی فوج ...... دنیا بھر کے دوستوں میں حسینؑ کے دوست؟ دنیا بھر کے دشمنوں میں حسینؑ کے دشمن؟ بولو بھئی بے مثل ہے یا نہیں؟ حسینؑ کی ساری زندگی بے مثل ہے؟ حسینؑ کی موت بے مثل ہے۔ حسینؑ کی نماز بے مثل ہے ...... حسین کی یادگار بے مثل ہے ...... حسینؑ کا دربار بے مثل ہے۔ جہاں اتنی "بے مثالیاں" اکٹھی ہو جائیں اس بندے کے لئے بے تکلف کہہ دو ...... حسینؑ "لیس کمثله شی" تو وہ انسان

ہے کہ تیری مثل کہیں ہے ہی نہیں۔ نہ اللہ کی کہیں مثل ہے نہ حسینؑ کی کہیں مثل ہے ...... اس کی اللہ ہونے میں مثل نہیں اس کی بندہ ہونے میں مثل نہیں ...... ایسے بے مثل شہنشاہ کے دربار میں تم آ کے بیٹھے ہو ...... تم بڑے خوش نصیب ہو کہ اتنے بڑے شہنشاہ اعظمؑ کے دربار میں آئے۔ اللہ تمہیں سلامت رکھے ...... اللہ تمہارے آنے کو قبول فرمائے ...... اب میں تمہیں چار باتیں اور عرض کر دوں، حسینؑ کی شہنشاہی کی ...... حسینؑ کے دربار میں آنے کی ...... حسینؑ کی خدمت میں پہنچنے کی ...... دیکھو بھائیو ...... دیکھو عزیزو ...... کہو ہمیں حسینؑ سے محبت ہے ...... یقیناً ہے ...... آپ نے یہ کیوں کی ہے؟ یہ محبت حسینؑ سے ...... بولو بھئی ...... یہ حسینؑ سے محبت آپ نے کیوں کی ہے، اس کا جواب دو مجھے ...... ہم نے کی نہیں محبت ...... محبت کی نہیں جاتی ...... محبت ہو جاتی ہے ...... ہمیں حسینؑ سے محبت ہو گئی ہے ...... ہم نے کی نہیں ہے ...... اس لئے کہ حسینؑ بندہ ہی ایسا ہے کہ اس سے محبت ہو جائے ...... اس سے ہمیں محبت ہو گئی ہے ...... ہے نا حسینؑ سے محبت ...... کیوں بھئی ہے حسینؑ سے محبت ...... آج اس کی محبت کا یہ اثر ہے کہ لاہور شہر کی ایک معروف سڑک حسینؑ کے نام پر رکی ہوئی ہے ...... رکی ہوئی ہے یا نہیں؟ پولیس کھڑی ہے ...... ادھر بھی، ادھر بھی ...... میں آیا تو میں نے دیکھا ادھر بھی پولیس کھڑی تھی ادھر بھی پولیس کھڑی تھی ...... میں نے پوچھا پولیس کے جوانو! کیوں کھڑے ہو؟ یہاں کیوں ٹھہرے ہوئے ہو؟ کہ بھئی آج حسینؑ کا دربار لگا ہوا ہے ...... ہم اس انتظام کے لئے کھڑے ہیں کہ کوئی خرابی پیدا کرنے والا نہ آ جائے کوئی گڑبڑ کرنے والا نہ آ جائے ...... بس پولیس نے مجھے یہ بیان کیا اور وہیں مجلس ہو گئی کہ ...... واہ اے حسینؑ ...... واہ ...... آج پولیس اس لئے کھڑی ہے کہ تیرے دربار میں بد نظمی نہ ہو۔ اور ایک دن پولیس اس لئے کھڑی تھی دربار میں کہ بازار والو آؤ آج حسینؑ کی بہن آ رہی ہے ...... بازار والو آؤ ...... دیکھو حسینؑ کا کنبہ آ رہا ہے۔ اس دن بھی پولیس بازار میں تھی ...... آج بھی پولیس بازار میں ہے ...... اس دن بھی مجمع تھا ...... آج بھی مجمع ہے ...... اس مجمع کا انداز اور تھا اس مجمع کا انداز اور ہے ...... محترم بھائیو ...... کربلا کے میدان میں

جہاں حسینؑ عظیم بادشاہ آیا تھا وہاں اس کے ساتھ اس کی بہن بھی آئی تھی ...... حسینؑ کی بہن بھی تھی کربلا میں ...... اور میں یہ کہا کرتا ہوں کہ ...... کربلا کا اصل ہیرو زینبؑ تھی۔..... اس کے گرد گھوم رہا تھا تمام کردار کربلا کا ...... دونوں بہنؑ بھائیؑ کربلا میں آکے بیٹھ گئے ...... روز رات کو بہن بھائی آپس میں باتیں کیا کرتے ...... جب پچھلی رات ہوتی تو زینبؑ بلاتی ، آؤ حسینؑ باتیں کریں ...... اللہ جانے پھر موقع ملے گا یا نہیں بھائی بہن کو بات کرنے کا ...... بات کیا ہوتی ؟ ...... زینب کہتی حسینؑ ! تو نے جب سے اس جنگل میں آکے خیمے لگائے ہیں مجھے روزانہ رات کو خیمے کے پیچھے سے کسی خاتون کے رونے کی آوازیں آتی ہیں۔..... اللہ جانے کون روتا ہے ؟ امامؑ فرماتے ہیں کہ بہن پہچاننے کی کوشش کرنا ...... یہ میری اماں روتی ہیں ...... پہلے دونوں بہن بھائی اماںؑ کے رونے کی باتیں کرتے ...... پھر آپس میں بیٹھ کر گفتگو کرتے ...... زینبؑ پوچھتی، حسینؑ ارادہ کیا ہے ؟ کربلا میں آنے کا مقصد کیا ہے ؟ ...... چاہتے کیا ہو ؟ تو حسینؑ کہتے ...... زینبؑ میں اللہ کے نام کو دنیا میں زندہ رکھنے کے لئے ...... اللہ کی اذان کو قائم رکھنے کے لئے ...... اللہ کی عظمت کو برقرار رکھنے کے لئے ...... میں اپنی جان دینا چاہتا ہوں ...... میں مرجانا چاہتا ہوں ...... ذرا غور سے فقرہ سننا دوستو ...... حسینؑ کیا کہا تم نے ؟ تم مرنا چاہتے ہو ؟ کہ ہاں میں مرنا چاہتا ہوں...... ذرا غور سے فقرہ سننا دوستو ـــــ حسینؑ کیا کہا تم نے تم مرنا چاہتے ہو ؟ کہ ہاں میں مرنا چاہتا ہوں ...... میں آیا ہی اسی لئے ہوں کربلا میں ...... کہ مرجاؤں گا مگر اللہ کا نام نہیں مٹنے دوں گا ...... تو زینبؑ نے مسکرا کے کہا لے حسینؑ سن ...... تو بھی علیؑ کا بیٹا، میں بھی علیؑ کی بیٹی ...... جو خون تیری رگوں میں وہی میری رگوں میں ...... جو جوش تجھ میں وہی مجھ میں ...... جو تیرا ناناؐ وہی میرا نانا ...... جو تیرا باپؑ وہی میرا باپؑ ...... جو تیری ماںؑ وہی میری ماںؑ، بس فرق اتنا ہے کہ تیرے سر پر لبا کا عمامہ ہے ...... یہ دیکھ میرے سر پہ اماں کی چادر ہے ...... میں بھی وہی ہوں حسینؑ جو تو ہے ...... تو تو ارادہ کر چکا نا مرنے کا ؟ ...... ہاں بہن میں نے ارادہ کر لیا ...... مگر میری بات سن لے ...... بیشک حسینؑ تو مرجا ...... اپنے ارادے کو پورا کرلے میرا بھی زینبؑ نام ہے

...... حسینؑ میں تجھے قیامت تک نہیں مرنے دوں گی ...... اگر گلی گلی، کوچے کوچے، بازار بازار، تیرے دربار نہ لگوا دیئے تو زینبؑ نہ کہنا ...... میں دنیا بھر میں تیرے دربار لگوا دوں گی ...... ساری دنیا سے حسینؑ حسینؑ کرا دوں گی ...... یہ زینبؑ نے تہیہ کیا ...... چنانچہ آج یہ زینبؑ کا اقبال ہے کہ اتنا بڑا دربار یہاں لگا ہوا ہے ...... یہ زینبؑ نے کام کیا تھا۔.....

میرے محترم بزرگو ...... ! دسویں کی عصر تک حسینؑ کا کارنامہ تھا ...... اس وقت حسینؑ اپنا کام کر رہے تھے ...... عصر تک حسینؑ نے کیا جو کچھ کیا ...... پھر عصر تک حسینؑ اپنا کام کر کے اپنے مفتوحہ علاقے میں آرام سے سو گئے ...... حسینؑ تو سو گئے ...... اب چارج زینبؑ نے سنبھال لیا ...... لاشے پر رونے نہیں آئی تھی ...... آئندہ زندگی کا چارج لینے آئی تھیں کہ حسینؑ اب میں چارج لے رہی ہوں ...... چنانچہ زینبؑ نے چارج لیا ...... حسینؑ میں اپنی فوج لے کر شام جا رہی ہوں ...... اگر دنیا کے سب سے بڑے ہنر مجسلی، ...... دنیا کے سب سے بڑے شہنشاہ کے نام کو گالی نہ ہوا دوں تو زینبؑ نہ کہنا ...... لے حسینؑ میں جا رہی ہوں شام ...... لو بھائیو! چند فقرے سن لو ...... خدا تمہیں سلامت رکھے ـــــ زینبؑ گیارہ تاریخ کو تیار ہو گئی شام جانے کے لیے ...... اور زینبؑ نے اپنی فوج کو لائن میں کھڑا کر دیا ...... حسینؑ اگر مناسب سمجھے تو ذرا میری فوج کا معائنہ کرلے جو فوج لے کے جا رہی ہوں اتنی بڑی سلطنت فتح کرنے ...... اور حسینؑ، افواجِ قاہرہ زینبیہؑ کا معائنہ کرنے کے لیے نیزے پہ سوار ہوئے ...... زینبؑ کی فوج دیکھی ...... ایک لائن میں بیوہ عورتیں ...... ایک صف میں یتیم بچے ...... چونسٹھ عورتیں ،اڑتالیس بچے ...... ایک لائن میں عورتیں کھڑی تھیں ...... ایک لائن میں بچے کھڑے تھے ...... حسینؑ نے زینبؑ کی فوج کو دیکھا ...... ماشاء اللہ زینبؑ بڑی عجیب فوج ہے ...... کہ حسینؑ ذرا میری فوج کی وردی بھی دیکھو ...... اب جو فوج کی وردی دیکھی تو حسینؑ نے نیزے پہ آنکھیں بند کر لیں ...... وہ دیکھ نہ سکے ...... وردی کیا تھی ؟ گردن سے ہاتھ باندھے ہوئے، سر کھلے ہوئے ...... یہ زینبؑ کی فوج کی وردی تھی ...... اس فوج کو لے کے جا رہی ہوں، یزید کو فتح کرنے۔ حسینؑ ...... زینبؑ گیارہ کو روانہ ہو گئی ...... فوج میں

سپاہی کتنے تھے؟ چونسٹھ عورتیں، اڑتالیس بچے یتیم، جنہیں لے کے چلی ہے کربلا سے زینبؑ ...... چل دی کربلا سے ...... روانہ ہوگئی ...... ایک فقرہ کہہ کے آگے بڑھوں ...... چونسٹھ عورتیں، اڑتالیس ، اڑتالیس بچے لے چلی کربلا سے ...... میرے بھائیو، میرے عزیزو ...... میرے بزرگو، میرے دوستو ، جب پہنچی ہے شام میں یزید کے سامنے ...... تو بچے عورتیں سب مل کے کل بارہ تھے ...... یہ بتاؤ کہاں تلاش کریں؟ باقی کہاں گئے؟ ہماری چونسٹھ عورتیں کہاں گئیں؟ ہمارے بچے کہاں رہ گئے؟ یہاں سے وہاں تک اس راستے میں قبریں بنی ہوئی ہیں ...... اگر کوئی جائے اس راستے سے جس سے اہل بیتؑ گئے تھے ...... کہیں بچوں کی قبریں، کہیں خواتین کی قبریں ...... اس طرح پہنچی ...... کوفے کی منزل طے کی، شام کے ملک میں پہنچی ...... شام کے شہر دمشق میں داخل ہوئی ...... جہاں جہاں بیٹھے ہو بھئی ...... دمشق بڑا شہر ہے ...... پوری طرح آراستہ کیا گیا اس شہر کو ...... کہ آج زینبؑ نے گزرنا ہے ...... شہر سجایا گیا ...... بازار آراستہ کیے گئے ...... حکومت کا حکم ہے کہ کوئی آدمی آج گھر میں نہ بیٹھے ...... عورتیں چھتوں پر، بازاروں میں، دکانوں کے تھڑوں پر ...... بچے بڑے ...... بیچ میں سے آلِ محمدؐ کا قافلہ گزرا ...... آگے آگے نیزوں پر سر، پیچھے پیچھے قیدی ...... کبھی اس بازار میں ...... کبھی اس بازار میں ...... تقریباً ایک ہفتہ دمشق شہر کے مختلف بازاروں میں ان کو پھرایا گیا ...... اس ایک ہفتے تک یزید اپنا دربار بناتا اور سجاتا رہا ...... پنڈال بنایا گیا ...... قناتیں لگائی گئیں ...... سائبان لگائے گئے ...... تمام دنیا کے سفیر اور امراء بلائے گئے۔ اپنی حکومت کے امراء بلائے گئے ...... سات سو کرسیاں بچھائی گئیں ...... نیچے فرش پہ آدمی بٹھائے گئے ...... جب دربار پوری طرح آراستہ ہوگیا تب حکم ہوا کہ قیدیوں کو لے کر آؤ ...... اب قیدی دربار میں آئے۔ سن رہے ہو نا بھئی؟ قیدی دربار میں آئے ...... اور اس مجلس میں جتنے سید بیٹھے ہیں، ان سے پوری معافی کے بعد ...... میں اب یہ کہنا چاہتا ہوں کہ دربار میں زینبؑ کی طلب ہوگئی ...... زینبؑ کو دربار میں بلایا گیا ...... پنڈال بنا ہوا تھا ...... عظیم الشان پنڈال تھا ...... سات سو کرسیاں لگی ہوئی تھیں، سینکڑوں آدمی فرش پہ بیٹھے تھے اور اس کے صدر گیٹ سے لے کے دو دو فرلانگ

تک دو طرفہ قناتیں تھیں ...... ان قناتوں کے ساتھ اندر کی طرف ننگی تلواریں لئے سپاہی کھڑے تھے تاکہ بچے اور عورتیں جب ان سپاہیوں کے بیچ سے گزریں تو اتنے ڈر جائیں کہ جب یزید کے سامنے آئیں تو فوراً سجدہ کریں ...... بے سہارا عورتیں، سہمے ہوئے بچے ...... جب پہنچے امام زین العابدینؑ ان قناتوں کے قریب قافلہ کو لے کے اور یہاں سے وہاں تک سپاہی کھڑے ہوئے دیکھے ...... تو آپؑ نے فرمایا ...... پھوپھی اماں کیا ارادہ ہے؟ ...... زینبؑ نے کہا ...... بیٹا ڈرو نہیں ...... میں آگے آگے چلتی ہوں، ...... تم میرے ساتھ آجاؤ ...... زینبؑ آگے باقی کنبہ پیچھے ...... جس سپاہی کے قریب سے گزرتیں، وہ تھر تھر کانپتا، تلوار اس کے ہاتھ سے گر جاتی ...... یہ سارا فاصلہ طے کیا ...... جب بالکل پنڈال کے دروازے پر پہنچے اور اندر کی جھلک دیکھ کے کہتی ہیں ...... "بیٹا! اب تو اندر جانے کی میری بھی ہمت نہیں ہے ...... مجھ سے اب نہیں جایا جاتا اندر ...... میں اب نہیں جاؤں گی" ...... امامؑ نے فرمایا ...... "اماں جو آپ کی مرضی" ...... زینبؑ رکی ہی تھیں دروازے پر ...... کہ ایک شخص طشت میں حسینؑ کا سر لے کے گزرا ...... سر جو زینبؑ کے قریب سے گزرا ...... زینبؑ کو دیکھا ...... سر کے لب ہلے ...... "زینبؑ میری خاطر، آؤ ...... کوئی بات نہیں ...... میں جو ساتھ ہوں" ...... دربار میں چلی گئی ...... ایک طرف سر رکھدیا گیا ...... ایک طرف قیدی کھڑے ہوگئے ...... بچے ہیں ...... بڑے ہیں ...... سب کھڑے ہیں ...... دو تین گھنٹے گزر گئے قیدیوں کو کھڑے کھڑے ...... نہ ان سے کوئی بات کرتا ہے ...... مسلمانو! میری بات غور سے سننا ...... جب دو تین گھنٹے کے بعد اپنے شغل سے فارغ ہوا تو یزید پوچھتا ہے ...... "یہ ہیں قیدی؟" کہ ہاں ...... "ان قیدیوں میں فاطمہؑ کی بیٹی کون سی ہے؟ ...... اس کے جواب میں کوئی اور نہ بولا ...... بس ایک دم فاطمہؑ کی بیٹی آگے بڑھی ...... اور ...... پورے جوش سے کہتی ہے ...... "او ہمارے آزاد کردہ غلاموں کے ذلیل بچے، خبردار! اس نجس زبان سے میری ماں کا نام نہ لینا" ...... اتنا بڑا سخت جواب سن کر ...... یزید گھبرا گیا ...... شہنشاہیت رخصت ہوگئی ...... چہرے پہ پسینہ آگیا ...... حواس گم ہوگئے ...... پریشان ہوگیا ...... اور پریشان ہو کے کہتا ہے ......

"زینبؑ ! تم نے بڑے جوش میں بات کہی" ...... "لعین ! میں کیا کہوں، میرا تو سارا جوش و طاقت کربلا میں رہ گئی ...... مگر یاد رکھ ...... تیرے دربار میں آکر مجھے حسینؑ کی موت بھی بھول گئی ...... یہاں وہ مصیبت مجھ پہ گزری ہے" ...... یہ شریفوں کے سننے کی بات نہیں ...... یزید کہتا ہے ...... "یہاں کیا مصیبت گزری ہے" ...... کہ "اس سے بڑھ کر بھی کوئی مصیبت ہوگی کہ میں زینبؑ ...... اور تجھ سے بات کروں ...... بتا اس سے بڑھ کے کیا مصیبت ہوگی؟ کہ میں تیرے ساتھ بات کر رہی ہوں" ...... اب تو وہ بالکل ہی گھبرا گیا ...... یہ دو چار فقرے بی بی نے کہے ...... دربار تھا دور تک لگا ہوا ...... دربار کے ادھر ...... کونے میں ...... رسولؐ کا ابو وردہؓ صحابی ...... نابینا ...... وہ بھی بیٹھا تھا ایک کرسی پر ...... اس نے اپنے ساتھ والے سے پوچھا ...... بھائی میں تو نابینا ہو گیا ...... مجھے سمجھ نہیں آتی ...... یہ قصہ کیا ہے؟ ...... یہ علیؑ کہاں سے آگئے؟ یہ بالکل علیؑ کی آواز ہے ...... میں نے پہچان لیا یہ علیؑ بول رہے ہیں ...... اس کے ساتھی نے کہا ...... بابا یہ علیؑ نہیں ...... کہ پھر علیؑ کا کوئی بیٹا ہوگا؟ حسینؑ ہے؟ عباسؑ ہے؟ کون بول رہا ہے؟ اس ساتھ والے نے دبایا "بابا چپ کارہ علیؑ کا بیٹا نہیں، علی کی بیٹی ہے" ...... اب تو بڈھے صحابی نے بے چین ہو کر کہا ...... کون سی بیٹی؟ کہ علیؑ کی بڑی بیٹی زینبؑ ...... "ہیں!!!! ...... زینبؑ دربار میں کیسے آگئی؟ ...... وہ دربار میں کیوں آگئی؟" ...... تو ساتھی نے کہا ...... "بابا صرف آئی ہی نہیں، ننگے سر بھی ہے اور ہاتھ بھی بندھے ہوئے ہیں۔" بس یہ سننا تھا کہ رسولؐ کا صحابی بے چین ہو کے اپنی کرسی سے اٹھا اور وہیں سے اس نے آواز دی ...... زینبؑ ڈرنا مت، میں آرہا ہوں ...... بی بی گھبرانا نہیں، میں آرہا ہوں ...... میں تیرے نانا کا صحابی ہوں بی بی ...... میں آرہا ہوں بی بی ...... گھبرانا نہیں، میں آرہا ہوں ...... میں تیرے نانا کا صحابی ہوں بی بی ...... گھبرانا نہیں" یہ کہہ کے جو چلا بڈھا صحابی چلا وہاں سے ...... نابینا تھا ...... کرسیوں سے ٹکراتا ہوا ...... بیٹھنے والوں سے ٹکراتا ہوا ...... دربار کا نقشہ درہم برہم ہو گیا ...... لوگ اٹھ کے کھڑے ہو گئے ...... اس بڈھے کو آتا دیکھ کے ...... جب سب لوگ کھڑے ہو گئے ...... دربار منتشر ہو گیا ...... تو بی بی آگے بڑھ کر ذرا اونچی جگہ کھڑی ہو گئی ...... اور اونچی

جگہ کھڑے ہو کے سر کو جھکا دیا ...... لو یہ میرے بیان کا آخری فقرہ ہے دوستو ...... اے دربار والو ...... اے ہمارے چاروں طرف کھڑے ہونے والو ...... یہ بتاؤ تم ہندو ہو؟ انہوں نے کہا نہیں ...... لو عیسائی ہو؟ مجوسی ہو؟ یہودی ہو؟ کیا ہو؟ انہوں نے کہا نہیں، ہم سب مسلمان ہیں ...... سات آٹھ سو آوازیں برابر آئیں ...... ہم سب مسلمان ہیں ...... "مسلمان ہو؟" ...... "کس کا کلمہ پڑھتے ہو؟ ...... کئی ہزار آوازیں بیک وقت آئیں کہ محمدؐ کا ...... ادھر انہوں نے محمدؐ کا نام لیا ...... ادھر بی بی نے کہا محمدؐ کا کلمہ پڑھنے والے بے غیر تو ...... سامنے آؤ اور محمدؐ کی بیٹی کا تماشا دیکھو ...... آؤ محمدؐ کی بہو بیٹیو کا تماشا دیکھو ...... او بے غیرتو آؤ ...... محمدؐ کی بیٹوں کے کھلے سر دیکھو" ...... لوگ دیواروں سے سر مار رہے تھے ...... زینبؑ ہمیں پتہ نہیں تھا ...... ہمیں علم نہیں تھا ...... اور اس کے بعد یزید کو دربار کرنا میسر نہ ہوا ...... اس کا آخری دربار تھا ...... اتنی بڑی فتح حاصل کی جو آج تک فتح ہے ...... اب یہ سارے مجمع سے میں کہہ رہا ہوں ...... بھائیو تم محمدؐ کے بچوں کی عزاداری کے لئے آئے ہو ...... تم محمدؐ کے بیٹوں کی عزاداری کے لئے آئے ہو ...... تم محمدؐ کے بچوں کو رونے کے لئے آئے ہو ...... جس نے مجلس کی ہے اس کا شکریہ ...... اس نے صف ماتم بچھادی محمدؐ کے بچوں کے لئے ...... آنے والو خدا تمہیں اجر عظیم دے ...... خدا تمہیں اس کا بڑا ثواب دے ...... تم رونے کے لئے آگئے ...... دیکھو بیٹا ہنسنے بولنے کے لئے، تماشا کے لئے، سارا سارا دن گزار دینا اور بات ہے اور رونے کے لئے گھر سے آکے بیٹھنا اور بات ہے ...... یہ تمہاری محبت کی دلیل ہے ...... تم سے محمدؐ خوش ہیں ...... محمدؐ کا اللہ خوش ہے ...... اگر کوئی عمل نیک ہے تمہارے نامہ اعمال میں تو بس یہی رونا ہے ...... یہی مجلس ہے ...... اللہ اسے قبول کرے ...... خدا اسے منظور کرے ...... خدا ان گھروں کو آباد کرے جہاں فاطمہؑ کے اجڑے ہوئے گھر کا ذکر ہوتا ہے ...... سیدو، خدا شاہد ہے، ہمارا گھر ایسا اجڑا کہ دنیا میں کسی کا گھر ایسے نہ اجڑا ...... ہم ایسے برباد ہوئے اس دنیا میں کہ اس طرح کوئی برباد نہ ہوا ...... ہم ایسے ویران ہوئے، کوئی ایسا ویران نہ ہوا ...... ہماری قبروں سے قبریں نہ ملیں ...... گھر سے گھر نہ ملے ...... کوئی کربلا، کوئی کاظمین میں ہے، کوئی نجف

میں ہے ...... جب وہاں سمائی نہ ہوئی تو کوئی بی بی لاہور میں ہے ...... ہم اجڑ گئے ...... برباد ہو گئے ...... ایسا کوئی گھر تباہ نہ ہو، جیسا ہمارا گھر تباہ ہوا ...... ایسا کوئی گھر برباد نہ ہو، جیسا ہمارا گھر برباد ہوا ...... فاطمہؑ کے گھر کی بربادی پر رونے والو اللہ تمہارے گھروں کو آباد رکھے ...... اللہ تمہارے بچوں کو بڑی ترقی دے ...... اللہ تمہارے بچوں کو سلامت رکھے ...... تمہیں سب کو خوش رکھے ...... بحق محمدؐ و آلہ محمدؐ ...... میں آپ حضرات کا ایک بار پھر شکریہ ادا کردوں آپ تشریف لائے ...... آپکے آنے کا میں بڑا شکر گزار ہوں ...... پولیس کے جوانو تمہارے انتظام کا بھی شکریہ، فوج کے جوانو تم لاریوں میں بیٹھ کے آئے ہو ...... تمہارا بھی بہت شکریہ ...... چو ...... بڑو ...... جس طرح بھی تم آئے ہو تمہارا شکریہ ...... دیکھو بیٹا ...... سفید داڑھی کے بوڑھے، کمر جھکی ہوئی ...... لکڑی ٹیکتے چلے آرہے ہیں ...... بابا کہاں جارہے ہو؟ کہ فاطمہؑ کے بیٹوں کو رونے جارہا ہوں ...... عورتیں برقعہ پہنے ہوئے، بچے اٹھائے ہوئے چلی آرہی ہیں ...... بی بی کہاں جارہی ہیں ...... بی بی کہاں جارہی ہیں؟ کہ بی بیؑ کے بچوں کو رونے جارہی ہوں ...... اس سے بڑھ کے کوئی عبادت نہیں دنیا میں ...... اللہ تمہاری اس عبادت کو قبول کرے۔ اللہ اس سعی کو مشکور کرے ...... اللہ تمہاری اس مجلس کو قبول کرے ...... بحق محمدؐ و آل محمدؐ ...... آمین ......

۱۹۵۵ء کے جلسہ یوم الحسین منعقدہ لاہور میں کی گئی تقریر

حسینؑ کا تعارف

(خطیب آل محمد مولانا اظہر حسن صاحب زیدی)

حضرات محترم!

اس عظیم الشان جلسہ کے دوران میں حضرات منتظمین کئی بار کہہ چکے ہیں کہ میں تقریر کرنے والوں کو آپ سے متعارف کرواتا رہوں۔ چنانچہ کل سے یہی کام سرانجام دے رہا ہوں۔ ہر خطیب و عالم کے بارے میں مجھ کو جتنا علم تھا۔ وہ جناب کو معلوم ہوتا رہا۔ اب منتظم صاحبان نے اس عہدے سے ترقی دے کر حکم فرمایا ہے کہ اب تک مقرروں کا تعارف کرواتے رہے ہیں اب چند لمحوں کے لئے حضرت امام حسین علیہ السلام کی تعریف کا شرف حاصل کروں۔

غور فرمایا۔ آپ نے حکم کی نوعیت پر؟ کیا عرض کروں۔ پھر ایسے علمائے کرام اور مقررین عظام کے سامنے۔ بھلا ان کی موجودگی میں کون کیا کہہ سکتا ہے اور کس سے کیا کہا جا سکتا ہے؟ لیکن جب حکم ہے تو حاضر ہوں۔ چند منٹ میں جو کہا جائے گا کہہ کر بیٹھ جاؤں گا۔

جو اٹھا معلوم ہوا۔ کہ کمال کو حدوں تک پہنچا دیا لیکن جب دوسرے کی باری آئی تو اس کے متعلق بھی یہی گمان ہونے لگا۔ کہ اقلیم کمال کا فاتح تو یہ ہے مگر جب میں حضرت امام حسین علیہ السلام کی شخصیت کا تصور کرتا ہوں کہ یہ وہ شخصیت ہے جو ان تقاریر سے بلند تر مقام کی مالک ہے تو محسوس ہوتا ہے کہ کسی نے بھی کوئی کمال نہیں کیا۔ آپ کی شان ہی آماجگاہ کمال ہے۔

ہمارے پاس جس قدر ذخیرہ ہے۔ وہ نرا یہ کہ فلاں نے کیا کہا؟ لیکن حضرت سید الشہداء علیہ السلام کے پاس کہا نہیں بلکہ "کیا" ہے۔ آپ کے متعلق یہ کہا جائے گا۔ کہ حضرت نے یہ "کیا" ہے۔

اب "کہا" کو "کیا" سے کیسے نبھایا جائے؟

اصل بات یہ ہے کہ ہمارے پاس نہ الفاظ ہیں نہ معانی۔ جو حضرت امام حسین علیہ السلام کے بارے میں حقائق کی تصویر پیش کر سکیں۔ بہرحال حکم کی تعمیل کروں گا۔ ان ہی مقررین کی کہی ہوئی بات کہہ دیتا ہوں۔

دیکھئے سامنے کی بات ہے کہ موسلا دھار بارش کے بعد بھی ہلکی ہلکی پھوار پڑتی رہتی ہے۔ یہ بادل برس چکے۔ لیکن منظر کا سلسلہ اثر پیش نظر ہے۔ آج جو بات سنی تھی۔ اسی کو دہراتا ہوں۔ شائد اتنی دیر میں وقت پورا ہو جائے۔

معلوم نہیں کون بزرگ تھے۔ جنہوں نے فرمایا تھا کہ حضرت امام حسینؑ کربلائے معلیٰ میں شہادت کے لئے تشریف فرما تھے بس میں اس کے متعلق کچھ عرض کر کے بیٹھ جاؤں گا۔

بات یہ ہے کہ دنیا کے وہ افراد جن کو اللہ نے انسان بنایا ہے۔ جیسے ہم'

تم اور وہ اور فرشتہ نہیں بنایا۔ نہ حیوان بنا ڈالا' اگر خدا چاہتا تو فرشتہ یا حیوان بنا سکتا تھا۔ لیکن اس کا منشاء یہ ہے ہوا کہ انہیں انسان ہی بنایا جائے۔ انسان بنانے کا مطلب کیا ہوا؟ یہ انسان اپنی زندگی میں انسان بن کر رہے۔ نہ حیوان۔ بعض کی تعریف میں مولوی صاحبان جو یہ فرما دیتے ہیں کہ فلاں صاحب تو فرشتہ ہیں تو حقیقتاً یہ تعریف نہیں ہوتی۔ صاف معنی تو یہ ہوتے ہیں کہ یہ صاحب فرشتہ ہو گئے۔ گویا ان سے انسانیت رخصت۔ حالانکہ فرشتہ ہونا کوئی کمال کی بات نہیں۔ فرشتے تو وہی تھے جو انسان کو سجدہ کر رہے تھے اور جس نے ہم کو سجدہ کرنے سے انکار کر دیا وہ فرشتہ ہی نہ رہا۔

کائنات کی ہر شے انسان کی فرماں بردار ہے۔ تمام حیوان' سب فرشتے' کل اشیاء' انسانیت کے حلقہ بگوش' صاحب۔ ہم قدرت کے عجب شاہکار ہیں۔ واہ رے انسان۔ لوہے کو اکاش پہ اڑایا' دانے کو دھرتی سے اٹھایا' کشتی کو موجوں پہ چلایا' سمندر کی تہوں کو پایا' موتی کی آبرو کو بچایا' ہوا' فضا سب پر حکومت' لیکن بے بسی ہے تو ایسی کہ نہ آنے پر بس نہ جانے پر بس کسی نے کہا آؤ' آ گئے' جب کہے گا واپس جاؤ' رک نہ سکیں گے۔

یہ انسان کہتا تو یہ ہے کہ دنیا میں بے بس ہے۔ مگر عالم یہ کہ کہیں بس کرنے کو تیار نہیں۔ دس روپیہ کی نوکری مل گئی تو بس نہیں۔ پچاس روپیہ تنخواہ ہو جائے تو بس نہیں۔ ہزار روپیہ کی ملازمت ہاتھ آ جائے تو بس نہیں۔ غرضیکہ حضرت انسان نہ کسی منزل پر بس کرتا دکھائی دیتا ہے اور نہ کہیں اس کی ہوس کا شاپ نظر آتا ہے۔ بے بس ہو کر بس کرنا جانتا ہی نہیں۔ انسان کا دماغ کیا ہے۔ الٹا پیالہ' الٹے پیالے میں سمندر بھی انڈیل دیجئے۔ تب بھی نامراد خالی ہی رہے گا۔ ہاں قبر میں جب کیڑوں سے پالا پڑے

گا تب جا کر کہیں بس کرے تو کرے۔ دنیا بھر کی ہوس بھری ہوئی ہے۔ ہر ایک شئے کو حاصل کرنے کے درپے ہے۔ علمائے کرام نہ ہوتے تو اس بات کو اور پھیلا کر عرض کرتا۔ مگر ڈر ہے کہ کہیں عرض میں طول نہ پیدا ہو جائے۔

ہاں ۔ جہاں انسان کو خواہشوں کا سلسلہ لامتناہی وہاں دنیا کی ہر چیز اس سے پناہ مانگتی ہے۔ اس کو اس کی "میں" نے تباہ کر رکھا ہے۔ تکبر اور غرور اس میں موجود ہے۔ ٹھوکر کھا کر بھی باز نہیں آتا۔ ہوا بھرنے کے بعد خود ہی تباہ نہیں ہوتا۔ بلکہ دوسروں کو بھی تباہ کر دیتا ہے۔ میں انارکلی بازار گیا۔ تو دیکھا کہ ایک دکان میں شیشے کی ایک الماری میں ایک بڑا گیند جسے فٹ بال کہتے ہیں بند پڑا ہے۔ میں نے دکاندار سے پوچھا یہ کیا چیز ہے۔ اس نے کہا جناب ہاتھ نہ لگایئے گا۔ لیکن شام کے وقت یونیورسٹی گراؤنڈ جا نکلا۔ تو دیکھتا کیا ہوں۔ کہ وہی فٹ بال ٹھوکروں میں ہے۔ بھئی یہ کیا اس کی یہ گت کیوں بن رہی ہے۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ جب دکان میں تھا تو اس میں ہوا نہیں بھری ہوئی تھی اب میدان میں آیا ہے۔ تو غرور کی ہوا لے کر بس۔ اسی لئے ٹھوکروں کی بوچھاڑ ہو رہی ہے۔

ہاں ۔ تو ایسے عالم میں جب کہ انسان کی "میں" اسے حیران کئے ہوئے ہے۔ ضرورت ہے ایسے حاکم اور ایسی طاقت کی۔ جو انسان کو ٹھیک کرے۔ اس کے بس اور بے بسی کو قابو میں رکھے۔ اس کے لئے ایسا قانون یا ضابطہ پیش کرے جو اسے تھامے رہے۔ اور ایسے دستور کی یقیناً ضرورت ہے۔ کیونکہ انسان کے ٹھیک رہنے سے ہی کل عالم کا نظام درست رہ سکتا ہے۔ اور بس۔

اچھا تو معلوم ہوا کہ تمام انسانوں کو مہذب اور منظم کرنے کے لئے ایک

صحیح قانون اور اچھی حکومت کی ضرورت ہے ان کے بگڑنے سے دنیا بگڑے گی اور ان کے سنورنے سے سارا جہان سنور جائے گا۔

انسانوں نے اپنے خیال کے مطابق قانون اور ضابطے بنائے لیکن چونکہ بنانے والے ہم انسان تھے۔ اس لئے جو بنایا۔ وہ اپنے ۔لئے مفید اور دوسروں کے واسطے مضر۔ بس اسی نفسا نفسی نے اسے بگاڑ دیا۔ بالآخر خالق ۔نے کہا۔ آؤ ایک قانون اور ضابطہ حیات میں پیش کرتا ہوں۔ جو تمام خرابیوں سے پاک ہے جو تمہارے موضوعات میں موجود ہیں۔ اس نے اس نظام کا نام اسلام رکھا اور لائحہ عمل کا نام قرآن۔ اس کے مطالب لاریب فیہ۔ اس کا بیان **لا یمسہ الا المطھرون**۔ اس کی حقیقت یہ ہے کہ حق نے بنایا' حق نے اتارا' حق ہی اس کے مظاہر' حق اس کے الفاظ' حق اس کے اشارات' یہ کتاب حق سے اتنی بھری ہوئی کہ اب حق نہ رہا۔ کسی کو کہ اس کو ناحق کہہ دے۔

تو جناب الٰہی کتاب پیش کر دی۔ اور فرمایا کہ اس کے احکام پر عمل کرو۔ اس نے سکھایا۔ "**قل اللھم مالک الملک**" تمہارا مالک کون ہے؟ اللہ ہے شہنشاہ یا بادشاہ کون ہے؟ اللہ ہے۔ آپ نے سنا؟ آپ مسلمان ہیں؟ آپ کا مالک کون ہے؟ اللہ ہر شئے کا مالک ہے۔ اللہ' دنیا کی ہر شئے کا شہنشاہ اللہ ہے۔ اس کے علاوہ نہ کسی کی حکومت نہ حکم' تو یہ بتلایا اسلام نے۔

یہی وہ اعلان تھا جو قرار داد مقاصد ۔ کے پہلے فقرہ میں کیا گیا تھا۔ کہ "تکوینی و تشریعی حیثیت سے اصل حاکم اللہ رب العالمین ہے۔" اللہ کے رسولؐ نے جو کچھ بتایا۔ وہ یہی تھا۔ کہ کوئی مالک نہیں۔ مگر ایک اللہ۔ رسولؐ کے بعد اس کے جانشینوں نے جو کچھ بتایا' وہ یہ تھا۔ کہ کوئی حاکم نہیں سوائے

اللہ کے کوئی بادشاہ نہیں سوائے اللہ کے۔ ایک مسلمان کا حاکم صرف اللہ اس کا مالک صرف اللہ ہے۔

ہاں اسلام نے یہی اور صرف یہی بتایا تھا۔ لیکن ۶۰ھ میں شام کے علاقہ میں جو راجہ تخت پر بیٹھا۔ یزید اس کا نام تھا۔ تخت پر بیٹھتے ہی اس نے اعلان کر دیا۔ کہ اب میں ہوں مالک۔ مسلمان اس کے خلاف سمجھے ہوئے تھے۔ مگر یزید حکم دیتا ہے۔ کہ میں مالک ہوں۔ اب میرا حکم چلے گا۔ اور یزید خدا کے قانون کا ہاشمیوں کا وضع کردہ سمجھتا تھا۔ پس دونوں مالکوں کے درمیان تصادم ہوا۔ ایک مالک تھا اصلی اللہ۔ ایک تھا نقلی مالک یزید۔ لہٰذا یہاں حضرت امام حسین علیہ السلام اور یزید کا مقابلہ نہ تھا۔ بلکہ یزید خدا سے متصادم ہو رہا تھا۔ البتہ مقابلہ اگر حسینؑ سے ہوتا تو اس صورت میں ہوتا۔ جب یزید یہ کہتا کہ میں امام ہوں۔ یا میں رسولؐ کا نواسہ ہوں۔ یا سید ہوں۔

معلوم ہوا کہ اس کا مقابلہ حضرت امام حسین علیہ السلام سے نہ تھا۔ بلکہ اللہ سے۔ کیونکہ اس نے اپنے آپ کو مالک الملک کہا تھا۔

اب دونوں اپنی ملکیت کا فیصلہ کراتے ہیں۔ یزید سے کہا گیا۔ کہ تم اپنی ملکیت کے گواہ لاؤ۔ اس نے رے کی حکومت، جاگیریں، فوجیں اپنے دعوے کے جواب میں پیش کر دیں۔ ادھر اللہ تعالیٰ نے کہا۔ کہ ہمارے مالک الملک ہونے کی گواہی کون دے گا؟ کون تیار ہے؟ سناٹا چھا گیا کل دنیا پر۔ کسی شخص کی ہمت نہ ہوئی۔ آخر نوجوانان جنت کا سردار اپنی کمر باندھ کر اٹھا اور پکارا۔ "خداوند! میں گواہی دیتا ہوں کہ تو مالک الملک لا شریک لہ ہے۔"

اسی لمحے جب امام سے کوئی پوچھتا ہے کہ میدان کربلا میں کیوں جا رہے ہیں۔ تو آپ فرماتے ہیں ہم گواہی دینے جا رہے ہیں کہ خدا مالک الملک ہے۔ اس کے سوا کسی کی حکومت نہیں۔ گواہی کو عربی میں شہادت کہتے ہیں پس

کسی کو طاقت ہے۔ کہ وہ اس مقدمہ میں آ کر گواہی دے۔ سوائے اس کے کہ جس کی ماں بتولؑ ہو۔

جس نے آغوش رسولؐ میں پرورش پائی ہو۔ اور جو سجدہ کی حالت میں نانا کے کندھوں پر جائے۔ اور محسوس کرے کہ نانا جان سجدہ کو لمبا کر رہے ہیں۔ تو یہ طے کر لے کہ اس سجدہ کا بدلہ سجدہ ہی سے دوں گا۔ حضورؐ نے سجدہ سے سر اٹھا لیا مگر میں ایسا سجدہ کروں گا کہ سر کو رکھ کر پھر کبھی نہ اٹھاؤں گا۔

پس میں جا کر گواہی دوں گا کہ بے شک اللہ تعالیٰ ہی مالک الملک ہے۔ اس لئے حضرت امام حسین علیہ السلام کو میدان کربلا میں جانا پڑا تاکہ اس ظالم و تعدی تشدد و تعصب کے لئے گواہی دیں۔ آپ کو منادی کرنا پڑی کہ میں اپنی گواہی کو تسلیم کرانے جا رہا ہوں اور دستاویزات سمیت جا رہا ہوں۔ آپ بیٹے سے کہتے ہیں تم چلو۔ بھائی سے کہتے ہیں تم چلو بچوں اور عورتوں کو ساتھ لے لیتے ہیں۔ اور دوسری محرم کو میدان کربلا میں پہنچ جاتے ہیں۔ ساتویں تک مقدمہ کی سماعت ہوتی رہی۔ دسویں محرم کو گواہیاں پیش کرنا شروع کیں۔ جب تمام گواہیاں ختم ہو گئیں تو خود بہ نفس نفیس آگے بڑھے اور شہادت عظمیٰ کا انعام لینے کے لئے سر مبارک جھکا دیا۔

اللہ نے کہا کیا چاہتے ہو۔ نبوت تو ختم کر چکا۔ امامت پہلے دے چکا۔ عصمت تمہاری والدہ کا حصہ تھی وہ مل چکی۔ رضا تمہارے باپ کو حاصل ہوئی۔ اب ایک شئے میرے پاس باقی ہے۔ اور وہ شہادت کبریٰ ہے۔ لو وہ تم لے لو۔ انعام دیا گیا۔ اور فرمایا گیا کہ آج سے جتنے میرے گھرانے حسینؑ اتنے ہی تیرے گھر۔ جہاں جہاں میرا تذکرہ ہو گا۔ وہاں وہاں تیرا تذکرہ بھی ہو گا۔ چنانچہ زید کے خلاف ڈگری ہوئی۔ حضرت امام حسین علیہ السلام کا نام

عالم میں مشہور ہوا۔ اور یزید کا تخت و تاج چھین لیا گیا۔ حسینؑ کا آج سب کچھ باقی ہے اور موجود ہے۔ لیکن یزید کا سب کچھ جاتا رہا وہ برباد و ذلیل و خوار ہوا۔

آپ حضرات کے سامنے صبح کی بات پھر دہرا دی۔ لہٰذا اب ختم کرتا ہوں۔ السلام علیکم

درود کربلا

عُنوان

فضائل .... زمزم کی کہانی

مصائب ...... درود کربلا

تاریخ میں حسینؑ ہے اس شخصیّت کا نام
مقتل کو جو مُصلّٰے بنا دے زمین پر

محسنؔ نقوی شہید

ورود کربلا

میرے محترم سامعین!

یہ ماہ عزا ہے ...... اور دس دن یہ ہمارے مخصوص ہیں مجلس کے لئے ...... یہ ہمارے رونے کے، عبادت کے دن ہیں ...... آج غالباً محرم کی دوسری تاریخ ہے ...... زمانہ بہت جلدی جلدی گزر رہا ہے...... وقت گزر رہا ہے ...... ہو سکتا ہے میں نہ دیکھتا ہوں ...... مجھے نہ اندازہ ہو بہت سے حضرات ایسے ہوں گے جو سال گذشتہ ۲ محرم کو مجلس میں شرکت کرتے رہے ہوں گے۔ آج وہ موجود نہ ہوں ...... ہمیں نہیں معلوم، ہم آئندہ محرم دیکھیں گے بھی کہ نہیں ...... ہر مجلس میں یہ سمجھ کر آئیں کہ یہ زندگی کی آخری مجلس ہے...... اس کے بعد شائد وقت ملے یہ نہ ملے...... حضور گرامی! میں خدمت اقدس میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ خدا کا وہ آخری دین اور اللہ کا وہ آخری آئین جو اسلام کے نام سے دنیا میں موجود ہے ...... اور کثرت تعبیر نے اس کے خواب کو پریشان کرر کھا ہے ...... یہ خدا کا آئین اسلام نامی جب دنیا میں آیا تو اس اسلام کے ...... اس کا ذکر میں بار بار اس لئے کرتا ہوں ...... کہ جب سے دنیا ہے اس وقت سے اسلام ہے ...... میرا مطلب اس اسلام سے ہے...... جو، اب ہے ...... جو آج کل دنیا میں رائج ہے ...... جسے دنیا میں اسلام کہا جاتا ہے ...... اس کا بانیؑ جب دنیا میں تشریف لایا تو اللہ نے اس سرزمین کو اس کے قدموں سے مشرف اور سرفراز فرمایا ...... اور اس سے زمین کی عزت بڑھائی...... یہاں تک کہ قیامت تک کے کروڑہا مسلمانوں کا قبلہ بنا دیا...... اور وہاں چلے جانا ایک عبادت بن گئی...... اور وہاں جا کر لوٹ آنا ایک خاص خطاب کا موجب بن گیا اور ایک نئے اعزاز کا باعث ہو گیا...... میں نے تو دیکھا نہیں (یہ اس وقت کی تقریر ہے جب خطیب آل محمدؐ نے فریضہ حج ادا نہیں فرمایا تھا...... مرتب) ممکن ہے کہ خدا وہ وقت

کرے کہ میں بھی دیکھ سکوں...... مجھے پتہ نہیں...... شہر مکہ جن حضرات نے دیکھا ہے ......وہ جانتے ہوں گے ......ان کی نظروں میں ہوگا۔ کیسا شہر ہے؟ کس قسم کی آبادی ہے؟...... کیسا علاقہ ہے؟ ...... یہ وہاں کے حالات جو حضرات دیکھ آئے ہیں، جانتے ہیں ...... ہم تو اتنا جانتے ہیں کہ حاجی صاحب جو آتے ہیں حج سے ...... تو ہمارے لئے تھوڑا سا پانی لے آتے ہیں جسے وہ "آب زمزم" کہتے ہیں...... وہ ہمیں بطور تحفہ دیتے ہیں لا کر...... اور ہم اسے سر پر رکھتے ہیں آنکھوں سے لگاتے ہیں۔ اس کا ذرا سا قطرہ گلاس میں ڈال کر بیماروں کو پلاتے ہیں ...... اسے اپنے بکسوں میں رکھتے ہیں۔ اسے گھروں میں رکھتے ہیں ...... جتنا ممکن ہے اس پانی کا احترام کرتے ہیں...... جو ہمیں چھوٹی سی شیشی حاجی صاحبان لا کر دیتے ہیں...... اور جب ہم پوچھتے ہیں علماء سے کہ حاجی صاحب نے یہ پانی دیا ہے مجھے لا کر...... زمزم کا بادہ ہے، اس پانی کا شرف کیا ہے؟ ...... اس کی کیا عزت ہے؟ ...... تو وہ علماء جواب میں کہتے ہیں، اسے معمولی پانی نہ سمجھنا ...... دنیا کے پانی کی حیثیت اور ہے اس پانی کی حیثیت اور ہے ...... اس کو وہی شرف ہے باقی پانیوں پر ...... جیسے باقی گھروں پر کعبے کو ہے ...... یہ بڑا باعزت ہے ...... بڑا با آبرو ہے ...... وہ فضائل اس کے ہیں کہ سبحان اللہ ...... صاحب ہے کیا شے؟ ...... اس کی اتنی عزت کیوں ہے؟ اس میں یہ شرف کیوں ہے؟ ...... حاجی صاحبان ہمیں سناتے ہیں کہ آج سے چھیالیس سو سال پہلے (تقریباً تاریخی حیثیت سے) حضرت ابراہیمؑ خلیل اپنی زوجہ محترمہ جناب حاجرہؑ کو اپنے فرزند عظیم جناب اسماعیلؑ کو اس جگہ آباد کر گئے تھے ...... جہاں آج آپ حج کرنے جاتے ہیں ...... یہ قصہ ہے جو ہمیں بتایا جاتا ہے ...... اسی طرح ہے نا قبلہ؟ ___ اور اس وقت اسماعیلؑ بالکل بچے تھے ...... حاجرہ؟ ان کی والدہ ساتھ تھیں اور حضرت ابراہیمؑ انہیں آباد کر گئے تھے ...... وہاں نہ کوئی بستی تھی ...... کوئی آبادی یا مکان بالکل نہیں ...... ایسا جنگل تھا جو اس وقت تک قابل زراعت نہ تھا...... وہاں کیا کیا؟ ...... ابراہیمؑ نے ...... اپنی بیوی کو بٹھایا...... اس کی گود میں اس کے بچے کو بٹھایا اور "خدا حافظ" کہہ کر چلے آئے ...... تصور یہ آتا ہے کہ کتنا ہولناک وقت ہوگا؟ ...... چاروں طرف خشک پہاڑ ہیں ...... جن میں نہ

گھاس نہ سبزہ ...... ایک لق و دق صحرا ...... جو والی وارث تھا وہ چھوڑ کے چلا گیا ...... ٹھا کر ...... ایک خاتون ...... ایک ننھی سی جان ...... اللہ نگہبان ...... اور وہاں بیٹھی ہوئی ہیں ...... اب دل پہ کیا گزری ہوگی؟ ...... خیال آیا ہوگا ...... مگر کوئی تفسیر ...... کوئی کتاب ...... کوئی عالم ...... کوئی تاریخ بتانے سے قاصر ہے ...... کہ کوئی گھبراہٹ ہوئی ہو ...... قطعاً نہیں ...... نہ کسی قسم کی وحشت ...... نہ کسی قسم کی پریشانی ...... بڑے آرام سے بیٹھی ہیں ...... اور یہاں سے بنیاد پڑ رہی ہے اس بات کی ...... کہ جب جنگل بالکل ویران ہو جائے تو چھوٹے بچے کی حفاظت کا کام "خاتون" کے سپرد ہوتا ہے ...... جب مرد نہ رہیں تو عورت کی ہمت بچوں کی حفاظت کرتی ہے ...... اس بچے کو گود میں لئے بیٹھی ہیں ...... پھر دو تین دن کے بعد پانی ختم ہو گیا ...... بچے کو پیاس لگنے لگی ...... اب بچے کی پیاس ماں سے برداشت نہیں ہوئی یہ "زمزم" کی کہانی سنائی جا رہی ہے ...... وہ چھوٹی پہاڑیوں کے بیچ میں ماں نے دوڑنا شروع کر دیا ...... کوہ صفا ...... کوہ مروا ...... سات مرتبہ دوڑ لیا ...... پانی نہ ملا ...... اب کون ہے جو جا کر کہے کہ اس چھوٹی سی جگہ جس میں آپ دوڑ رہی ہیں اگر یہاں پانی نہیں ملتا ہے تو آپ چھوڑیں اس جگہ کو ...... اور آگے جا کے دیکھ لیں ...... شائد کہیں مل جائے ...... مگر وہ کہتی ہیں ...... نہ بالکل نہیں ...... بچہ مرتا ہے تو بے شک مر جائے ...... پانی نہیں ملتا تو نہ سہی ...... تلاش کرنا حکم خدا ہے۔ کوشش کرنا ...... یہ میں ضرور کروں گی۔ مگر گھر سے باہر نہیں جاؤں گی ...... کیوں بی بی گھر سے کیوں باہر نہیں جاؤ گی؟ ...... کا ...... تمہیں پتہ نہیں کہ میرا شوہر نبیؑ ہے اور جس بیوی کا شوہر نبیؑ ہو اور چلتے وقت کہہ گیا ہو کہ یہاں سے باہر نہیں نکلنا ...... بچہ مرتا ہے تو مر جائے پانی نہیں ملتا تو نہ سہی ...... میں نے اپنے شوہر کی عزت کو رکھنا ہے ...... مجھے حکم کو ماننا ہے ...... میں نے حد سے قدم نہیں نکالنا ...... مجھے حد میں رہنا ہے چاہے کچھ گزر جائے ...... اب جو اللہ نے خاتون کی ادا دیکھی ...... کہ اپنے شوہر کی عزت کا اتنا خیال قدرت کو بھی رحم آ گیا ...... اور اس نے کہا ...... ہاجرہؑ ...... شاباش ...... تم نے اپنے نبیؑ شوہر کی آبرو رکھ لی ...... ہم اس کا انعام دیں گے۔ پانی تو شے کیا ہے؟ تیرے بچے کو وہ رنگ لگیں گے کہ اس کی نسل دنیا

میں آباد ہو گی ...... ساری روئے زمین اس کی نسل سے بھر جائے گی اور وہ ترقیاں دوں گا کہ دنیا میں کسی کو نہیں ملی ہوں گی ...... اس کے وطن کو قبلہ عالم بنا دوں گا ...... یہاں آبادیاں ہوں گی ...... کروڑہا انسان اس کا رخ کر کے نمازیں پڑھیں گے ...... یہ اولاد کا شرف نبی کی ایسی بیویوں کو ملتا ہے جن کو خیال ہوتی کی عزت کا ...... خدا انہیں اولاد دیتا ہے ...... معاوضہ ملتا ہے ...... حضور والا ...... اب جو واپس آ کے دیکھا تو جہاں بچے کو لٹا کر گئی تھیں ...... یہ زمزم کی کہانی سناتے ہیں تو وہاں سے پانی جاری ہو گیا۔ ریتلی زمین جتنا پانی نکلتا وہ چشمہ کا پانی اتنا ہی ریت میں جذب ہو جاتا ...... تو آپ نے حکم دیا پانی کو ...... زم ...... زم ...... ٹھہرو ...... ایسا ٹھہرو کا حکم دیا کہ پانی تو درکنار یہ لفظ بھی ٹھہر گیا ...... وہ پانی ہے جو ہم لے کے آتے ہیں۔ وہ چشمہ ہے جہاں سے یہ پانی آتا ہے ...... جس کا ہم آپ سب اتنا احترام کرتے ہیں ...... اچھا تو یہ بات ہے ...... تو پانی کی حقیقت کیا ہوئی؟ ...... علماء کہتے ہیں بھائی تم تنگ کرتے ہو ...... ہر بات پر ...... یہ پانی ہے یہ زم ۔ م ہے اس کی یہ عزت ہے ...... پانی تو ٹھیک ہے ...... مگر پانی ہے کیا؟ ...... پانی ...... یہ سنو ...... اربعہ عناصر جو ہیں نا! ہمارے جن سے اجسام بنے ہیں ...... ان میں سے ایک پانی بھی ہے ...... اچھا یہ کیا ہوا؟ ...... اربعہ عناصر کیا ہوا؟ ...... جناب علماء کی باتیں ہوتی ہیں ...... وہ جاننا بڑی مشکل ہوتی ہیں ...... باتوں سے بات نکلتی ہے ...... اب یہ بھی ہمیں پوچھنا پڑتا ہے کہ قبلہ یہ کیا بات ہوئی ...... یہ آج کل کی بات ہے محرم کی کہ ...... ایک مولانا صاحب وعظ فرما رہے تھے کہ یہ کون لوگ ہیں جو کالے کپڑے پہنے پھر رہے ہیں؟ ...... کیا یہ بھی مسلمان ہیں؟ ...... محرم کا چاند دیکھ کے انہوں نے کالے کپڑے پہن لئے ہیں ...... کہا ...... لاحول ولا ...... اب میں بھی سن رہا تھا میری سمجھ میں تو آئی نہیں بات، آپ کی سمجھ میں آئی ہو تو مجھے سمجھا دیں ...... اور اس عالم نے بہت برا منہ بنایا اور کہا کہ یہ جو کالے کپڑے پہنے گا ...... وہ سیدھا جہنم میں جائے گا ...... میں نے کہا ...... کیوں جناب؟ ...... کیوں جائے گا؟ کالے کپڑے والا جہنم میں ...... انہوں نے کہا ...... کہ فرمایا ہے کالی کملی والے نے ...... تو ہماری سمجھ سے باہر ہیں یہ باتیں۔ بہر نوع پانی ہے ...... ٹھیک ہے ...... یہ عناصر اربعہ میں

سے ایک جز ہے...... پانی...... عناصر اربعہ کیا بات ہے قبلہ ؟...... یہ چار حصہ نہیں ہوتے ...... ہوتے ہیں...... ٹھیک ہے...... تم چار کو بھی نہیں جانتے جبھی ہی تو ہم کہتے ہیں تم بات کرنے کے قابل نہیں...... تم نہیں جانتے...... چار حصوں کی بات کیا ہے ؟...... آپ بتائیں نا! چار عناصر...... کہنے لگے ایک پانی ہے...... ایک مٹی...... ایک آگ...... ایک ہوا...... ان چار عناصر سے تم بنے ہو...... اچھا میرے جسم میں بھی یہ چار عناصر ہیں...... کہاں...... ہیں...... بالکل۔ پانی۔ ہوا۔ آگ۔ مٹی...... اچھا تو اپنے جسم کو میں "آبی" کہہ سکتا ہوں اور آپ کو میں "ناری" کہہ سکتا ہوں...... تو یہ باتیں ہوا ہی کرتی ہیں...... تو پانی اربعہ عناصر میں سے ایک عنصر ہے پانی...... یہ ہمارے ہاں پانی ہے جسے ہم پیتے ہیں، استعمال کرتے ہیں۔ سمندروں کا دریاؤں کا...... اور ہمارے ہمسایہ ملک ہندوستان میں...... ہندوستان کے لوگ جو یہاں بیٹھے ہوں گے انہیں پتہ ہوگا...... کہ وہاں اتنا بہترین پانی تھا ...... کہ اس سے بہتر پانی شاید ہی دنیا میں ہو...... گنگا کا پانی...... "لوگ مرنے کے بعد بھی اس پانی کے عشق میں جلتے تھے" اور اس کا نام بھی "گنگا جل" مشہور ہو گیا تھا...... آپ نے سنا ہے نا...... گنگا کا نام...... بڑا شیریں پانی...... بڑا خوشگوار...... بڑا صحت کے لئے مفید پانی...... قبلہ اس پانی سے بہتر ہے یہ زمزم کا پانی...... بھئی تم کہاں مقابلہ کر رہے ہو ؟...... کجا زمزم ؟...... کجا گنگا...... بھئی تمہیں بتا دیا...... زمزم بڑی شے ہے...... اور یہ گنگا ...... بھائی یہ گنگا تو ہندوؤں کا دریا ہے۔ ہندوؤں کا دماغ خراب ہو گیا ہے اور خرابیِ دماغ کی وجہ سے یہ گنگا کو "اماں" کہنے لگے ہیں...... اور "اماں" کہنے کی وجہ سے گنگا کا دماغ خراب ہو گیا ہے...... کیوں دماغ خراب ہو گیا گنگا کا...... کہا کہ بغیر "اولاد" کے جو "اماں" بن جائے تو دماغ خراب ہو ہی جاتا ہے...... ہر چوتھے پانچویں سال اس میں سیلاب آجاتا ہے اور "اماں" کہہ کے خدمت کرنے والوں کو یہ بہا لے جاتی ہے...... لاکھ چیخ کہیں اماں ہم تیری اولاد ہیں...... کیوں ہم سے "لڑنے" آگئی...... مگر کیا کیا جائے ؟...... گنگا کا پانی اتنا معزز ہونے کے باوجود بھی کوئی شے نہیں زمزم بڑی شے ہے...... اور یہ میرا ایمان ہے کہ زمزم بڑی شے ہے اور جتنے ہم یہاں بیٹھے ہیں ہمارا ایمان ہے کہ زمزم بڑی شے ہے

...... اس میں کیا بات ہے ؟...... پھر ہمارے ایک مولانا صاحب نے سمجھایا کہ زیدی صاحب میں بتاتا ہوں کہ ایک "نبی زادےؑ کی ڈھائی گھنٹے کی پیاس کی یادگار ہے"...... یہ پانی...... یہ ایک یادگار ہے نبی زادےؑ کی پیاس کی اس لیے اس پانی کو عزت ہے۔ اس لیے اس پانی کی شان ہے بس اب سمجھ میں آگئی...... یہ بات...... کہ ایک نبی دو گھنٹے پیاسہ رہا تو اس کی یادگار...... پانی...... زمزم...... آبِ شفا کہلایا میں نے قیاس کر لیا کہ اگر کسی زمین کو یہ عزت مل جائے کہ وہاں "اٹھارہ نبی زادےؑ" آجائیں...... ایک نبی زادےؑ کی ڈھائی گھنٹے کی پیاس...... رنگ لاتی ہے...... زمزم ہے وہاں...... دنیا کی ہر شے ہے وہاں...... ہر عزت کی شے ہے وہاں...... اور اگر کسی زمین کو یہ شرف مل جائے کہ ایک چھوڑ پورے "اٹھارہ نبی زادےؑ" اس زمین کو گھر بنالیں...... وطن قرار دیں...... تو وہ زمین کس شرف کی ہو گی ؟...... اس کی شان کہاں سے کہاں پہنچے گی ؟...... قبلہ میں ایک بات کہنا چاہتا ہوں جب مر جاؤں گا تو میری یہ بات آپ یاد کریں گے...... میں ایک بات کہا کرتا ہوں کہ "اٹھارہ نبیؑ زادوں" نے ایک زمین پسند کر لی۔ جسکے متعلق...... وہ لوگ جو صدیوں سے وہاں بیٹھے ہوئے تھے...... وہ کہہ رہے تھے کہ قبلہ یہ بڑی مصیبت کی جگہ ہے قبلہ...... اس زمین سے خطرہ ہے...... جہاں سے ہر نبی نے تکلیف اٹھائی ہو...... جہاں ہر بڑے آدمی کو مصیبت آئی ہو...... وہاں بیٹھ جانا ہر ایک کا کام ہے ؟...... مصیبتوں کی زمین پر بیٹھ کر انہیں آباد کرنا میرا کام ہے...... میں یہاں قیام کروں گا...... اس زمین کو خرید لیا...... اور بیٹھ گئے...... اور حضور والا...... یہ جنگل بھی ایسا ہی ہے...... کہ بسنے کے قابل نہیں...... وادیاں غیر زرعی زمین ہیں...... اس زمانے کی ہاجرہؑ وہاں بیٹھی تھی...... اس زمانے کی ہاجرہؑ یہاں بیٹھی ہوئی ہے...... یہاں بھی گودوں میں بچے ہیں...... وہاں بھی گود میں بچہ تھا...... اور آپ حیران ہوں گے کہ ۲ محرم ہی تھی جب یہ قافلہ کربلا میں پہنچا...... شام کو خیمے لگے...... ابھی اہلبیتؑ خیموں میں گئے ہی ہیں کہ رات ہو گئی اور رات کا ہونا تھا...... کہ بہن نے بھائی کو بلایا...... ابھی وہ خریداری والی بات نہیں ہوئی اور کہا کہ رات تو ہو گئی آج رات بھی سفر جاری رکھو...... یہاں سے چلو...... کسی اور زمین پہ چل کے خیمے لگاؤ......

بھن بات کیا ہے ؟ کہ جب سے خیمے میں قدم رکھا ہے مجھے خیمے سے خوف محسوس ہو رہا ہے ...... یہ بڑی خطرناک جگہ ...... کہا بھن کہ اب میں یہاں سے نہیں جاؤں گا ...... میں تو اب یہاں رہوں گا ...... "میں تو یہیں رہوں گا" اس لفظ کی تفسیر آج تک میری سمجھ میں نہیں ...... حسینؑ کا یہ لفظ میری سمجھ میں نہیں آیا ...... اور میں ...... بھن بات یہ ہے کہ میرا سفر تو یہاں ختم ہو گیا ...... تیرا سفر یہاں سے شروع ہو گا ...... آخر زمین خرید لی ...... آباد ہونا شروع ہو گئی ...... میں اپنے طریقے سے ایک بات کہا کرتا ہوں قبلہ ____ جوانی میں اس بات کو گھنٹوں میں جا کے ختم کیا کرتا تھا ...... اور اب مختصر کر کے کہے دیتا ہوں ...... یہ مسلمانوں کی ایک رسم ہے ...... آپ نے بھی شریف نامی شہر سنے ہوں گے ...... سینکڑوں شہروں کے ساتھ یہ لفظ لگا ہوا ہے ...... شریف ...... اجمیر ...... شریف ...... اور یاد نہیں رہے ...... ہائیں ...... پاکپتن شریف ...... کلیر ...... شریف ...... آپ کو بہت یاد ہوں گے ...... پنجاب میں تونسہ شریف ...... اور کئی ہزار شریف ...... اور یا جہاں کوئی قبر بنی ہے اس شہر کے ساتھ شریف لگ گیا ...... اور ان شریفوں کی بستیوں کی زیارت کر کے انسان نے کہا کہ چلو بھائی شریفوں کو تو دیکھ لیا اب اس ملک سے ذرا باہر چلو ...... تاکہ ان شریفوں سے جان چھوٹے ...... کراچی آئے ...... یہاں سے جہاز میں بیٹھ کر بصرے جا کر اترے اور بصرے سے شام کو ایک ٹرین میں بیٹھے ...... صبح جو آنکھ کھلی تو ہم یہ سمجھے کہ شریفوں سے بڑی دور نکل آئے کھڑکی کھول کر باہر دیکھا تو صاف لفظوں سے لکھا تھا "بغداد شریف" لو ...... ہم اتنے دور آگئے ...... یہاں بھی شریف لکھا ہوا ہے ...... ٹھیک ایک دو دن بغداد میں گزارے ...... ایک ٹیکسی والے سے کار کرائے پر لی اور کہا کہ اس سے ہمیں نجف لے چلو ...... اس نے کہا ...... بسم اللہ چلو ...... اب نجف روانہ ہوئے ...... جب نجف رہ گیا پانچ چھ میل ...... تو اس نے کار روک لی ...... کہا ...... اترو ...... اتر کے پانی ہو تو ...... وضو کر لو ...... یا تیمم کر لو ...... تیاری کر لو ...... کہا ...... کس بات کی ...... تو وہ دیکھو ...... سامنے ...... اب جو نظر گئی سامنے ...... دور سے ایک طلائی مینار نظر آیا ...... ایک طلائی گنبد نظر آیا ...... یہ کیا ہے ...... یہ شہنشاہِ کائناتؑ کا حرم ہے ...... یہ مولائے کائناتؑ

کی قیام گاہ ہے ...... یہاں جبرائیلؑ اردلی ہے۔ میکائیلؑ پہریدار ہے ...... یہاں فرشتوں کا جھرمٹ ہے ...... یہاں انبیاءؑ کا جمگھٹ ہے ...... یہاں کوثر تقسیم ہوتا ہے ...... یہاں علم کی خیرات بٹتی ہے ...... یہاں کے گدا سلمان و سلیمان ہے ...... یہاں ادب سے جانا ...... احترام سے جانا ...... بس میں کار یہاں روکتا ہوں ...... پیدل چل کے جاؤ ...... سبحان اللہ ...... روانہ ہوئے ...... عادت پڑی ہوئی تھی ...... منہ سے نکل گیا ...... یہ ہے نجف شریف ...... خدام ادب نے منہ پر ہاتھ رکھ کے کہا خبردار شریف کی حد بغداد میں ختم ہو گئی ...... یہاں شریف نہ کہنا ...... اسے کہنا نجفِ اشرف ...... شریف نہیں ہے یہ ہے اشرف ...... یہ ہے شریف گر ...... اس کے صدقے میں شریف ...... شریف بنتے ہیں ...... یہ نجف اشرف ہے ...... چنانچہ نجف اشرف جا کے سلام کیا ...... مولاؑ کا حرم دیکھا ...... طبیعت خوش ہو گئی ...... خدا ہر ایک کو دکھائے اور ہر ایک مؤمن نجف اشرف جائے ____ بالکل یہ معلوم ہوتا ہے ...... ماں کی گود میں آگیا ...... دنیا کی ہر مصیبت بھول جاتا ہے آدمی ...... نجف اشرف ...... اچھا یہ شرف ہے ...... ہاں ...... وہاں کی زیارت کی ...... وہاں سے جناب ایک قافلہ جارہا تھا اس کے ساتھ چلے گئے ...... مکہ ...... مکے کو کیا کہتا ہے ؟ ...... بھئی کیا یہ بھی مکہ شریف ہے ...... یہ ہے شائر اللہ ...... جن کی تعظیم کا حکم ہے ...... اس لیے اسے کہو ...... مکہ معظمہ ...... اچھا یہ معظمہ ہے ...... وہاں سے مدینے گئے ...... جناب اسے کیا کہیں مدینہ شریف ؟ ...... کہا نہیں ...... تمہیں پتہ نہیں کہ یہ نورِ خدا کا مکان ہے اور اسے کہو ...... مدینہ منورہ ...... بہت اچھا ...... ایرانی قافلے کے ساتھ مشہد آگئے ...... اسے مشہد شریف کہیں ...... کہ نہیں ...... اس گل و بلبل کی زمین میں امامت کا آستانہ ہے ...... اس لیے یہاں کی مناسبت سے کہو ...... مشہد مقدس ...... یہ مقدس ہے ...... اب سب جگہ دیکھ آئے ...... کوئی معظمہ ہے ...... کوئی مقدس ہے ...... کوئی منورہ ہے ...... کوئی اشرف ہے ...... یہاں شریف تھے ...... سب سے نمٹ کے ہم نے کہا کہ چلو اسے بھی دیکھ آئیں ...... جسے سارا سال رویا کرتے تھے ...... کربلا پہنچے ...... یہاں سوچا کھڑے ہو کے ...... کہ اشرف کہیں ...... معظم کہیں ...... مقدس کہیں ...... کیا کہیں ؟ ...... تو غیبی آواز آئی کہ

سارے الفاظ وہاں ختم ہو چکے ہیں ...... یہاں کہنا کربلائے معلیٰ ...... یاد رکھو...... بس دو ہی جگہیں معلیٰ ہیں ...... عرشِ معلیٰ یا کربلائے معلیٰ ...... دو ہی معلیٰ ہیں یا عرشِ معلیٰ یا کربلائے معلیٰ ہے ...... نانا کی معراج نے عرش کو معلیٰ بنا دیا...... تو نواسے کی معراج کی یادگار ہے کربلائے معلیٰ ...... اس سر زمین پہ آکے آج اٹھارہ نبیؐ زادے بیٹھ گئے ...... خیمے لگ گئے ...... خیمے بسنے کے لیے نہیں ...... بلکہ خیمے لگ گئے جلنے کے لیے ...... اور اتر کے خیموں میں پہنچ گئے یتیم ہونے کے لئے ...... اور مستورات اُتر کے بیٹھ گئیں قید ہونے کے لئے ...... اور قافلہ آلِ محمدؐ کا اس زمین پہ آکے دو محرم کو اُتر گیا...... آج میں اپنی گفتگو کو یہیں ختم کئے دیتا ہوں صاحبان ! ...... اور آؤ آج دل بھر کے روئیں ...... اللہ جانیں کل کی مجلس ہمیں نصیب ہو کہ نہ ہو ...... آج کی مجلس میں ...... کربلا والو ...... تم آگئے کربلا میں آج ...... کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ ہمیں بھی بلا لو کربلا میں ...... آگئے کربلا میں ...... اور خیمے لگ گئے ...... نہر کے کنارے خیمے لگ گئے ...... اپنی خریدی ہوئی زمین پہ خیمے لگ گئے ...... خیمے لگنے کے بعد وہی زمیندار جن سے زمین خریدی تھی ...... وہ آگئے سب اکٹھے ہو کر ...... مولاؑ کو آکے سلام کیا...... آپ نے پیار سے محبت سے کہا کہ بھائی کچھ کہنا چاہتے ہو ...... مولاؑ ایک گزارش لے کے آئے ہیں۔ وفد بن کے ...... بتاؤ...... کہ ہم نے جب گھر جاکے کہا کہ "حسینؑ آئے ہیں" ...... تو ہماری عورتوں نے مکان کی چھتوں پر کھڑے ہو کر حضور کو سلام کیا...... زیارت پڑھی ...... اور جب ہم نے گھر جاکے کہا کہ "حسینؑ کے ساتھ زینبؑ بھی ہیں" ...... تو ہماری عورتیں بے چین ہو گئی ہیں ...... انہوں نے ہمیں بھیجا ہے آپ کے پاس ...... کہ مولاؑ اجازت دیں تو ہم آکے زینبؑ کو سلام کر لیں ...... قبلہ ہم درخواست دینے آئے ہیں عورتوں کی طرف سے ...... آپ کی خادمائیں چاہتی ہیں کہ اگر اجازت ہو ...... تو بی بی کی زیارت کر لیں ...... تو آپ نے فرمایا ٹھیک ہے ...... کہ اس سارے قافلے کا سالار۔ منتظمِ اعلیٰ میرا چھوٹا بھائی ہے آپ لوگ اس کے پاس جائیں ...... اور سب زمیندار قمرِ بنی ہاشمؑ کی خدمت میں گئے ...... اور جاکے کہا اپنے وقت کے "محمدؐ" نے ہمیں اپنے وقت کے "حیدرؑ" کے پاس بھیجا ہے آپؑ نے فرمایا......

میں تمہارا مقصد سمجھ گیا ہوں ...... مگر احتیاط رکھنا اپنی عورتوں سے کہنا کہ وہ گھر سے دو دو رکعت نماز زیارت پڑھ کے چلیں ...... گھر سے یہاں تک درود پڑھتی آئیں تمام اس انتظام کے ساتھ وہ خواتین آئیں ...... جب آئیں ...... تو آپؑ نے فرمایا کہ جن کے گود میں بچے ہیں، انہیں یہی بٹھا کے جاؤ ...... بچے بٹھائے اور عورتیں سانس روکے ہوئے کھڑی آرام سے امام کے پاس ہو کر بی بی کے قدموں میں گئیں ...... بی بی کو ملیں ...... بی بی کا اخلاق دیکھا ...... بچے باہر بیٹھ گئے ...... ان کے بچوں کے بیچ میں آکے بیٹھ گئے ...... بیس پچاس بچے جو تھے امامؑ اُن سے پوچھتے ہیں بچو تم مجھے جانتے ہو ...... نادان بچے کہتے ہیں قبلہ ...... خوب جانتے ہیں ...... آپؑ "ہمارے امامؑ ہیں" ...... اچھا مجھے سمجھتے ہو میں امامؑ ہوں ...... ہاں قبلہ ہم نے پہچان لیا...... آپ ہمارے امامؑ ہیں ...... اچھا بچو میرا ایک کام کرو گے ؟ کہا حکم کریں ...... کہا کہ ابھی چند دن بعد اس زمین پر حملہ ہو گا...... تمہارے بڑے حکومت کے ڈر سے ہماری لاشوں کے قریب نہیں آئیں گے ...... تم بچے ہو نادان ہو ...... تم کھیلتے ہوئے آجانا ...... اور یہ کھیل کھیلنا...... کہ ریت اٹھا اٹھا کے اُن لاشوں پہ ڈال دینا...... اس طرح ہمارا پردہ رہ جائے گا...... قبلہ ختم کرتا ہوں ...... ابھی آرام کیا بھی نہیں تھا...... آرام سے بیٹھے بھی نہیں تھے کہ وہ بے حیا قوم اُٹھ کے آگئی ...... نہر سے خیمے اُٹھاؤ ...... یہاں ہمارے خیمے لگیں گے اور وہ مشہور و معروف قصہ آپ نے سنا ہو گا ...... اب میں آپ کو کیا سناؤں ...... اُدھر انہوں نے کہا کہ نہر سے خیمے اٹھاؤ...... شہزادیاں بچوں کو گودوں میں لے کر خیموں میں سہم گئیں ...... یہ لڑائی کیسی ؟ ...... یہ جھگڑا کیسا؟ ...... یہ کیا قصہ ؟ مولاؑ کے ساتھی برہم ہو گئے کہ یہ نہیں ہو گا...... سپہ سالار افواج ...... حضور قمرِ بنی ہاشمؑ ...... جو خیمے نصب کر کے خیموں کے اندر بچوں کے پاس بیٹھے تھے ...... باہر سے شور کی آواز سنی ...... تو وہیں سے پوچھا کہ "کیا ہوا" ...... "کیا ہے "؟ "یہ کیا ہے" کا لفظ۔ اس انداز سے کہا...... کہ آئی ہوئی فوج ٹھہر گئی ...... ساتھیوں نے قمرِ بنی ہاشمؑ ...... کو بتایا کہ یہ خیمے اکھاڑنے کے لئے کہہ رہے ہیں فرمایا" ...... کہ یہ خیموں کا اُکھاڑنا کیسا؟ ...... کیا ہے ؟ ...... مجھے یہ نہیں جانتے ...... ؟ یہ خیمے نہیں اکھاڑوں گا...... ایسا نہیں ہو گا

...... میں کہتا ہوں ...... کہ نہیں ہوگا ...... ایسا نہیں ہو سکتا ...... امام اُٹھے اپنی کرسی سے چھوٹے بھائی کے قریب گئے ...... کمر پہ جاکے ہاتھ رکھا ...... مڑ کے دیکھا ...... بھائی میری خاطر ...... ایسا کر لو ...... غصہ نہ کرو ...... قبلہ ایک فقرہ کہتا ہوں ذرا یہ فقرہ یاد رکھیں ...... سر جھکالیا ...... مولا ...... پھر غصہ نہیں ...... کوئی بات نہیں ...... حضور کے حکم کا تابع ہوں بات اتنی سی ہے میں اس بے حیا قوم کو بتانا چاہتا ہوں ...... کہ میری ماں سے میرے باپ نے عقد کیوں کیا تھا؟ ...... بات ہو رہی تھی کہ ایک دم فضہؑ آگئیں! کہا شہزادہ عباسؑ میں فضہؑ ہوں! ہاں اماں تو کیوں آئی ...... کہا کہ بی بی دروازے میں کھڑی ہے کہتی ہے ...... عباسؑ واپس آؤ ورنہ میں آرہی ہوں ...... خیمے اُٹھالو ...... اب قیامت تک اس کے علم کو سلام ہوگا ...... اُدھر حاجی اسمٰعیلؑ کی پیاس کی یادگار زمزم لاتے ہیں اور ہم اٹھارہ نبیؐ زادوں کی یادگار خاکِ شفا لاتے ہیں ہمارے لیے یہی بیماروں کا علاج ہے ...... مغفرت ہے ...... یہی عزت ہے یہی آبرو ہے اور آج زمین کربلا آباد ہو گئی ...... اجڑا ہوا بن بس گیا ...... اس کا معلّٰی نام ہے ...... اور اب حسینؑ آباد ہے اور جن حضرات نے دیکھا ہو ...... وہ تصور میں لا کے دیکھیں کربلا کو ...... کس شان سے آباد ہوا ہے میرا حسینؑ ...... خداوند توفیق دے سب کو وہ زمین دیکھیں ...... مرنے کے بعد تو ہم یقیناً وہاں جائیں گے ...... وہ جگہ جا کے دیکھیں جہاں فاطمہؑ کا دودھ خون بن کے بہا ہے ...... جہاں اٹھارہ نبی زادے ہیں اللہ آپ کی مجلس کو قبول کرے۔

قلم

عُنوان

فضائل ...... قلم

مصائب ...... داخلہ کوفہ

قلم کی نوک زبان ضمیر آدم ہے

قلم

آج مؤمنین نے مجھے حکم فرمایا ہے کہ آج کی گفتگو میں ذکرِ امیر المؤمنینؑ کروں اور میں ان کی خدمت میں عرض کرتا ہوں کہ میں سوائے ذکرِ امیر المؤمنینؑ کے اور کوئی ذکر کرتا ہی نہیں۔ کیونکہ ہر ذکر ہے ہی ان کا...... میں نے عرض کیا تھا کہ ہماری ہر مجلس جو ہم منعقد کرتے ہیں وہ عام حیثیت کی حامل نہیں ہوتی۔ نہ کوئی جلسہ ہے نہ کوئی یہ اجتماعِ عام ہے۔ بلکہ یہ ہماری بہت بڑی عظیم عبادت ہے۔ ہم عبادت کے طور پر یہاں جمع ہوتے ہیں اور یہ ہم عبادت کرتے ہیں اور میں سمجھتا ہوں کہ اس عبادت میں جو خصوصیات ہیں وہ کسی اور عبادت میں پائی ہی نہیں جاتیں۔ سب سے بڑی خصوصیت جو مجلس والی عبادت میں ہے، یہ ہے کہ باقی عبادتیں جو آپ کریں۔ مثلاً نماز پڑھیں، عبادت ہے۔ روزہ رکھیں، عبادت ہے۔ اور زکوٰۃ دیں، خیرات کریں۔ یہ سب چیزیں عبادت ہیں۔ لیکن اگر نماز اس نیت سے پڑھی جائے کہ لوگ مجھے دیکھیں گے کہ میں نمازی ہوں تو کیا پھر بھی نماز عبادت ہے؟ اگر نمازی کی نیت دکھاوا ہو نماز پڑھتے میں کہ لوگ دیکھیں گے کہ میں نماز پڑھ رہا ہوں اور دیکھ کر پھر اس سے مرعوب ہوں، متاثر ہوں، مجھے دیکھ رہے ہوں، کیا پھر بھی نماز عبادت ہے؟ اگر اس میں دکھاوا آجائے بناوٹ آجائے، پھر بھی نماز عبادت ہے؟ اگر میں نماز پڑھ کر اس بات کو دل میں رکھوں نماز پڑھتے کہ کوئی دیکھ بھی رہا ہے کہ نہیں اور اس کا ثبوت اس طرح ملے کہ اُدھر میں نماز پڑھوں ادھر میں اِدھر اُدھر دیکھ لوں کہ کوئی دیکھ بھی رہا ہے یا نہیں؟ بتاؤ یہ کوئی نماز ہے؟ یہ کوئی عبادت ہے؟ یہ سب کچھ دکھاوے کی چیزیں ہیں۔ اسی طرح آپ اور سوچیں کہ جتنی بھی عبادتیں ہیں اس میں بناوٹ آجائے تو پھر وہ عبادت نہیں رہتی۔ ریا جس چیز کا نام ہے دکھاوا وہ ضائع کر دیتا ہے عبادات کو اور اللہ نے ایسا انتظام کیا ہوا ہے۔ کہ وہ عبادت میں ذرا سا نقص آیا نہیں ہماری کسی خرابی کی وجہ سے اور اللہ اس کو معاف ہی نہیں کرتا اسی وقت فوری طور پر ہمارے نقص کی سزا دیتا ہے اسی وقت کیا مجال جو

معاف کرتا ہو اور باتیں تو معاف کر دیتا ہو گا عبادت میں جہاں ہم نے مداخلت کی نہیں اللہ نے اسی وقت سزا دے دی اسے معاف ہی نہیں کرتا نماز عبادت ہے، ٹھیک ہے۔ مولانا صاحبان علماء کرام تشریف فرما ہیں مجلس میں۔ یہ جو حضرات ہیں...... ہماری درسی کتابیں لکھی ہیں نماز، روزے کے مسائل بھی ہیں اس میں یہ تمام مسلمانوں میں ہیں، ہمارے فرقے میں بھی ہیں، بڑی بڑی معتبر کتابیں ہیں۔ تو ہمارے یہاں حضور تحفۃ العوام سے شروع کریں آپ اور چلتے چلتے اس سلسلے کی آخری کتاب تک پہنچ جائیں اور اسی طرح بکی روٹی سے لے کر آپ پہنچ جائیں جہاں تک چاہیں سب نے یہی لکھا ہوا ہے کہ جو نماز قبول نہیں ہوتی اللہ اسے نمازی کے منہ پر دے مارتا ہے۔ یعنی وہ نماز نمازی کے منہ پر ماردی جاتی ہے جو نماز اللہ کو قبول نہیں ہوتی۔ منظور نہیں ہوتی جب میں پڑھا کرتا تھا ناں! یہ فقرہ...... "نماز منہ پر ماردی جاتی ہے" تو پوچھتا تو نہیں تھا کسی سے بلکہ دل میں سوچتا تھا کہ نماز کوئی اینٹ ہے پتھر ہے کیا شے ہے جو منہ پر ماردی جاتی ہے اس لیے اور کوئی لفظ کیوں نہیں کہا گیا بھئی نماز قبول نہیں ہوتی مسترد ہو جاتی ہے، اور کوئی بات ہو جاتی۔ یہ کیوں...... یہ جو منہ پر ماردی جاتی ہے۔ بچپن کی بات تھی یہ فقرہ یاد تھا، نماز منہ پر ماردی جاتی ہے تو میں ہر نمازی کا منہ دیکھتا رہتا تھا اگر نماز پڑھ کر اس کا منہ ٹھیک رہا تو سمجھتا کہ نماز قبول...... اور اگر دیکھا کہ منہ ادھر اُدھر ہو گیا...... تو سمجھتا کہ نماز منہ پر ماردی گئی ہے...... تو اللہ معاف نہیں کرتا ذرا سی بھی غلطی کو...... روزہ ہے...... آپ روزہ رکھیں اللہ کہتا ہے کہ بہترین عبادت ہے اور روزہ ایسی نیک نیت عبادت ہے کہ جس میں دکھاوا ہو ہی نہیں سکتا...... ہمارا کمرے کے اندر بھی روزہ ہے...... باہر بھی...... اس میں دکھاوا ہو ہی نہیں سکتا مگر اس میں ہم نے سارا دن محنت کی۔ روزے میں اور روزہ رکھا کہ سبحان اللہ قرآن بھی سارا دن پڑھا اور روزہ بھی رکھا...... شام کو افطار کا وقت آیا تو اس ڈر سے کہ کہیں ہمارا روزہ نامنظور نہ ہو جائے۔ اس خیال سے...... ویسے بھی نیک کام میں جلدی کرنے کا حکم ہے...... ہم نے نیک کام میں جلدی کی اور چند منٹ پہلے افطار فرمالیا...... ہم نے روزہ کو...... اللہ نے کہا اچھا یہ حرکت ہے تم نے چند منٹ

پہلے افطار کیا ہے...... اس کے بدلے میں تم کو حکم دیتا ہوں کہ رات کو دو گھنٹے کھڑے رہو۔ اگر حوصلہ چند منٹ کر لیا ہوتا تو آرام سے سوتے...... یہ عبادتیں ہیں ان میں اگر ذرا سی بھی خرابی آجائے تو وہ خراب ہو جاتی ہے۔ ان عبادتوں میں...... یہ لمبی تشریح طلب باتیں ہیں۔۔ چونکہ مجالس محرم ہیں حضور...... یہ مجالس آپ کے لیے ہیں...... اس لیے اس لیے بات کروں آپ ہی سے...... جن عبادتوں میں دکھاوا ہوتا ہے وہ عبادتوں کو ضائع کر دیتا ہے...... اور یہ جو مجلس ہے ہماری...... خداوند عالم! ہر مومن کو اس عبادت کی توفیق عطا فرمائے۔ اس عبادت میں یہ کمال ہے کہ دل سے ہو تب عبادت ...... بے دلی سے ہو تب عبادت...... اس میں دکھاوا بھی عبادت...... رو لو تب عبادت...... رلاؤ تب عبادت اور اگر دکھلاوا ہی ہو تو رونے کی شکل بنا دو...... تو بھی عبادت...... یہ ہر حالت میں...... ہر طرح سے عبادت ہے...... اور آپ حضرات کو یہ بھی تجربہ ہوگا...... کہ نماز میں بھی ذہن میں دو چار خیال آجاتے ہیں...... دو رکعت ہو تو بھی چند خیال آجاتے ہیں...... یہ ایسی عبادت ہے جس میں ہم بیٹھے ہیں...... جتنی دیر ہم بیٹھے ہیں۔ بس خیال ایک ہی رہتا ہے...... اب اگر پڑھنے والا یہ سمجھے کہ میرا کمال تو غلط ہے...... اس میں نہ پڑھنے والے کا کمال ہے...... نہ کسی بولنے والے کی خاصیت ہے...... یہ سب اسی کا اقبال ہے جس کا ذکر ہو رہا ہے...... بات یہاں ہو رہی ہوتی ہے مگر تصوّر یا خیال وہاں ہی پہنچا ہوا ہوتا ہے...... یہ سب اقبال ہے اُس کا...... اور جو ہم مجالس کرتے ہیں۔ خواہ وہ سال بھر میں ہوں یا محرم میں ہوں...... اُس کے دو جز ہیں پہلے ہم فضائل بیان کرتے ہیں بعد میں اپنی داستان سناتے ہیں...... اور بھئی پنجاب میں کئی مرتبہ میرے ساتھ ایسا ہوا ہے میں نے معافی مانگی ہے مومنین سے...... کہ سامعین مجھے معاف کرنا میرا دل نہیں چاہتا کہ آپ رو، کے جائیں۔ میرا دل آپ کو رلانے پر خوش نہیں...... مگر کیا کروں کہ ہماری کہانی ہی ایسی ہے...... پہلے ہم تھوڑے سے فضائل بیان کرتے ہیں فضائل ہم کیا بیان کریں گے اُن کے...... ہمیں تو ان فضائل کا علم ہی نہیں۔ اس کے بعد مصائب بیان کرتے ہیں...... یہ دو جز ہیں...... مجلس کے...... فضائل اور مصائب...... فضائل میں

اکثر مجالس میں فضائل امیرالمومنین بیان کرتے ہیں اس کے بعد مصائب ہوتے ہیں۔ یہ ذکر امیرالمومنینؑ ہم کیوں کرتے ہیں۔ اس کی ایک خاص وجہ ہے میرے ذہن میں...... ہر مجلس میں امیرالمومنینؑ کی زندگی کے کسی نہ کسی پہلو کا ذکر کرنا پڑتا ہے...... ہم اُن کی زندگی کے کسی گوشے کو بیان کرتے ہیں...... اب اگر وہ فضائل بن جائے تو یہ الگ بات ہے...... ہم کہتے ہیں بیٹھے تھے...... یہ کونسی بات ہے کہ...... اب اگر اُن کا بیٹھنا فضائل بن جائے...... ہم کہہ دیں کہ وہ جارہے تھے اب اگر اُن کا جانا فضائل بن جائے۔ تو اس میں میرا کیا قصور؟ ...... میں نے کہا کہ ایک رات بھائی اس نے دیکھا کہ وہ سو رہے تھے ......اب بتاؤ ان کا سونا اگر فضائل بن جائے تو اس میرا کیا قصور؟...... کوئی گوشہ ان کی زندگی کا ایسا نہیں جس پر ان مجلسوں میں ہم تبصرہ نہ کرتے ہوں۔ اور ساری زندگی اس انسان کی جسے آپ علیؑ ابنِ ابی طالبؑ کہتے ہیں...... ساری زندگی...... ایک کھلی کتاب کی طرح آپ کے سامنے ہے...... ایک سیکنڈ بھی ان کی زندگی کا لوگوں کی نظروں سے اُوجھل نہیں...... آپ کسی بھی اسلامی ممدوح کی زندگی لے آئیں...... دس سال ان سے غائب رہا ...... پھر آکے ملا...... کوئی بیس سال بعد ہم سے آکے ملا...... کوئی چالیس سال بعد ہم سے آکے ملا...... یہ وہ انسان ہے جسکی زندگی کا ایک سیکنڈ بھی ہماری نظروں سے غائب نہیں ...... ایک سیکنڈ بھی...... کوئی گوشہ چھپا ہوا ہے نہیں دنیا کی نظروں سے...... بالکل صاف کھلی زندگی...... آپ کے سامنے...... جس دن سے دنیا میں پہلا قدم رکھا...... ایک سیکنڈ بھی ایسا نہیں گیا کہ دنیا کی نظروں سے غائب زندگی گزاری ہو۔ مثلاً جنہیں آپ سے میں دس سال بعد ملا ہوں...... اب میں یہاں بیٹھا ہوں...... آپ کے سامنے...... کراچی...... جب سے پاکستان بنا ہے...... اس سے پہلے بھی میں آتا تھا اور آپ حضرات سے تعارف ہے ہی...... بہت سے حضرات تو ایسے ہیں جو سچ مچ مجھ سے بہت محبّت کرتے ہیں۔۔ بڑا پیار کرتے ہیں اور آپ سب حضرات...... سید الشہداؑ کے ذکر کرنے کے اعتبار سے میری بڑی عزّت کرتے ہیں۔ اب اگر میں اکڑ جاؤں کہ میرا یہ اعزاز ہے کہ میں سب سے بڑا ہوں اگر یہاں کراچی میں خدانخواستہ کیس بن جائے تو گورنمنٹ تصدیق کرے کہ اسکا

چال چلن ٹھیک ہے۔ اس نے کوئی جرم تو نہیں کیا میں سارے کراچی والوں کو لے جاؤں کہ ان سے پوچھ لیں...... گورنمنٹ کہے گی کہ کراچی کی بات نہیں بات لاہور کی ہے تو آپ کہیں گے کہ ہم تو اس وقت سے جانتے ہیں جب سے آئے ہیں یہ کراچی میں...... فیصلہ ہو گیا کہ "یہاں" کے ساتھ ہونے والوں کو "وہاں" کا کیا پتہ؟ میری زندگی کی گواہی وہی دے سکتا ہے جو وہاں سے آیا ہو جہاں سے میں آیا ہوں جو ساتھ ساتھ رہا ہو وہ کہہ دے گا کہ ساتھ رہے ہیں۔ میں جانتا ہوں اکٹھے رہتے تھے۔ مکان ساتھ تھا...... جی نہیں ایک ہی مکان میں...... میرا اصلی گواہ وہی بن سکتا ہے...... میرا مطلب یہ ہے کہ جس کی زندگی پوشیدہ رہی ہو...... لوگوں سے...... وہ ممدوح نہیں ہو سکتا...... اور ایک بات کروں میں آپ لوگوں سے، اللہ سے دوسرے نمبر مشہور ہے علیؑ ...... یہ میں نے اللہ...... ادب سے کہہ دیا ہے...... ورنہ اللہ سے زیادہ مشہور ہے۔ خدا گواہ ہے کہ جب مصیبت پڑتی ہے نا! تو اللہ کے سوا کسی کا نام لینے کو بدعت کہنے والے شور مچا مچا کے "یا علیؑ" کہتے ہیں...... میں مولاؑ سے کہتا ہوں کہ مولاؑ آپ بالکل مدد نہ کریں ان کی...... جب ان کا کام ہو جائیگا یہ پھر مکرنے پر تیار ہو جائیں گے...... اب آپ کو پکارنے بیٹھے ہیں...... تو مولاؑ مجھ سے کہتے ہیں کہ فکر مند کیوں ہو ضد نہ کرو مجھ سے ان کا تعلق ہی اتنا ہے کہ عیش میں جسے چاہیں پکار لیں...... آرام میں جسے چاہیں پکار لیں...... سید نے کب اعلان کیا ہے کہ میں 'راحت کشا' ہوں...... میرا تو اعلان ہی یہ ہے کہ میں مشکل کشا ہوں، مجھے کیوں کہ وہ بلاتے ہی مشکل میں ہیں اور یہ میرا فرض ہے...... امیر المومنینؑ کی ساری زندگی کھلی کتاب کی طرح ہمارے سامنے ہے...... خیر...... اب اللہ ایک ہے...... ہے ناں! اللہ بھی ایک علیؑ بھی ایک...... اور اگر میں یہ فقرہ کہہ دوں کیا کروں میرے پاس اس کے علاوہ الفاظ نہیں ہیں کہ کہ میں اسے ادا کر سکوں...... بوجہ میرے جاہل ہونے کے اگر میں یہ کہہ دوں کہ اللہ ایک نہیں تو سب کہہ دیں گے کہ دیکھو جی یہ پاگل مولوی منبر پر کہہ رہا ہے کہ اللہ ایک نہیں ہے حالانکہ میرا ایمان یہ ہے کہ اللہ ایک ہے...... بچپن میں معلم نے ہمیں سبق دیا ہم یاد کرنے بیٹھ گئے کہ ایک دو تین چار......

انہوں نے کہا کہ کیا پڑھ رہے ہو؟ کہا کہ گنتی یاد کر رہے ہیں ایک دو تین چار...... انہوں نے دریافت کیا کہ یہ ایک کیا ہے؟...... ایک کسے کہتے ہیں؟...... کہ جی ایک "ایک" کو کہتے ہیں تو جو انہوں نے ایک کے معنی بتائے تو وہ یہ تھے...... فرمانے لگے کہ ایک کے معنی یہ ہیں کہ دو آدھوں کا مجموعہ...... علم ہندسہ میں ایک کے معنی یہ لکھے ہوئے ہیں...... دو آدھوں کا مجموعہ...... کیا ہوا ایک؟...... اب میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ اللہ ایک ہے؟ یہ بتاؤ کہ اللہ ایک ہے؟ دو آدھوں کا مجموعہ کیا بنا؟ ایک...... اب بتاؤ کہ اللہ ایک ہے؟ بولو...... دو، کا آدھا کیا ہوا؟...... ایک...... اللہ ایک؟...... پہلے تو آدھے آدھے تھے اب ایک میں عرض کرتا ہوں اللہ ایک ہے...... ایک کے لیے آئے گا "واحد" اور اللہ کہتا ہے کہ میں ہوں "احد"...... تو خدا ہے احد...... "احد" کہتے ہیں ایک کے خالق...... کو ایک کا پیدا کرنے والا...... تو گویا معلوم ہوا کہ اللہ نے جو پہلی شے بنائی ہے وہ ہے ایک پہلی مخلوق خدا جو ہے...... وہ ہے "ایک" اب ایک کے معنی کرو دو آدھوں کا مجموعہ...... پہلی مخلوق نبی وہ ہے دو آدھوں کا مجموعہ جب یہ بات ہماری سمجھ میں آگئی کس طرح کہ دو آدھوں کا مجموعہ ایک ہے...... اب ہمیں سمجھانے والے ہمیں بنانے والے نے ہمیں بتایا کہ سب سے پہلے قلم بنایا۔ یہ حدیث بھی ہے کہ :-

اول ما خلق اللہ القلم۔

اللہ نے سب سے پہلے قلم بنایا...... "قلم" جو بچوں کے پاس عموماً ہوتا ہے لکھنے کے لیے یہ "قلم" ہمیں جو کان سے بہت آگے بڑھے ہوئے ہیں...... یہ نہیں ویسے شگون نیک ہے...... مولوی صاحبان کہتے ہیں نوجوانوں سے کہ داڑھی رکھو...... اب یہاں تک تو آگئی ہے......

سب سے اللہ نے بنایا...... قلم کا نام آتے ہی ذہن میں آتا ہے کہ اللہ نے سب سے پہلے ایک بنایا...... قلم بنایا یعنی ایک بنایا...... اب آپ قلم بنا کے دیکھ لیں میں پہلے بھی کہتا تھا آج بھی کہتا ہوں پہلے کسی اور لہجے میں کہا تھا آج کسی اور لہجے میں کہتا ہوں بات کرنی پڑتی ہے میری عمر کے...... یا جو مجھ سے بڑے ہیں وہ قلم بنانا جانتے ہیں۔ اب تو بازار سے

بنا بنایا قلم مل جاتا ہے...... یہ پتہ ہی نہیں قلم کسے کہتے ہیں؟...... اور قلم بھی ایسا جس میں دوات بھی ساتھ ہو ایسے ڈرے ہوئے ہیں قلم دوات سے کہ اب ایسا قلم لیتے ہیں جس میں دوات بھی موجود ہو...... انہوں نے قلم بنایا ہی نہیں...... قلم بنانے والے جانتے ہیں قلم بنانا کیا ہے؟ کہ چھیل دیا چاقو سے "کانا" کو تو کیا قلم بن گیا...... نہیں بنا...... کیوں بھئی کیسے نہیں بنا کہ جب تک "ایک" کے دو نہ ہوں قلم نہیں بنا۔ قلم کہتے ہی اسے ہیں کہ جو ہو ایک...... مگر ہو جائے دو، قلم کے معنی ہی یہ ہیں کہ ایک ہو...... دو ہو جائے...... اور دو کس طرح؟...... ایسا دو نہیں کہ دو ہو کر بالکل علیحدہ علیحدہ ہو جائے...... دو ہونے کے باوجود حرف ایک۔ اور اگر معمولی سا "ریزہ" بھی آجائے ان دو کے درمیان تو قلم کو کچھ نہیں ہو گا۔ "قلم" ہی رہے گا۔ اگر اس کے بیچ میں کچھ بھی آجائے۔ ہمارا لکھا بگڑ جائیگا۔

اب ایک بات تو آپ حضرات سے کہنی باقی رہ گئی...... لو جی یہ دو بھی ہو گیا تو کیا کام بن گیا؟...... دو ہو گیا اب اس کو لگایا "قط" اب جو قط لگایا تو کیا بالکل سیدھا لگایا قط سیدھا لگایا۔ ٹیڑھا کیا کہا سیدھا بھی غلط بالکل ٹیڑھا بھی غلط معمولی سا ترچھا...... کیا بن گیا؟ قط ذرا سا ٹیڑھا...... اس طرح کہ ایک حصہ ذرا بڑا بن گیا اور ایک حصہ چھوٹا ہو گیا...... ایک ذرا بڑا ہے ایک ذرا چھوٹا ہے۔ اسطرح اللہ نے ایک بنایا تھا...... اور میں بیان کو اس طرح ختم کرتا ہوں خداوند عالم آپ کو مع اولاد عزیز و اقارب کے خوش رکھے سلامت رکھے...... کہ کسی کے دو بیٹے ہوں ناں! ایک بڑا ایک چھوٹا۔ دونوں ایک ہی ماں باپ کے بچے مگر بڑا ذرا خاموش ہے اور چھوٹا بات بات پر ضد کرتا ہے اور والدین کو ناز برداریاں کرنی پڑتی ہیں دونوں بیٹوں کی...... میں نے محرم کی مجالس میں دیکھا کہ گھر میں مجلس پر چلتے ہوئے گھر میں بزرگ بات کرتے ہیں کہ بچے ذرا سا سو جائیں تو مجلس پر چلتے ہیں یہ رات کی مجلسوں میں عموماً ہوتا ہے۔ مجلس میں جا کے یہ سو جائیں گے اور ہمیں اٹھا کے لانا پڑیں گے۔ یہ سو جائیں تو چلیں گے...... بڑے سے کہا کہ تم ساتھ چلے چلو چھوٹے کو سو لینے دو اسے سلا دو اب بڑا ساتھ جا رہا ہے جب چلنے لگے تو بڑے کو دیکھ کر چھوٹے کی آنکھ کھل گئی۔ ابا میں بھی...... ابا مجھے بھی ساتھ لے چلو...... اب سوچا کہ یہ وہاں جا کر سو جائیگا وہاں جا کے اور گود میں اٹھا کے لانا پڑیگا...... یہ یہیں رہ جائے تو اچھا ہے اسے کہا کہ

تم یہیں رہو...... اور ضد کر بیٹھا کہ بڑا جو جا رہا ہے میں بھی جاؤں گا۔ بھئی کیوں اسلئے کہ مجلس میں جانا تو مؤمن کی معراج ہے...... جب بڑا بھائی معراج میں جائے تو میں کیوں پیچھے رہ جاؤں...... جب بڑا جائے تو چھوٹا کیوں نہ جائے اب باپ کو یہ کہہ کر سمجھانا پڑا کہ بیٹا تم یہیں سو رہو جو بڑے کو وہاں جا کے تبرک ملے گا تمہیں یہیں ملے گا۔ یہ کہہ کر چل دیے...... اب وہاں جا کے بڑا کیا دیکھتا ہے کہ چھوٹے برخوردار پہلے ہی سے وہاں موجود ہیں تو یہ سادہ سی بات تھی جو میرا طریقہ ہے گفتگو کرنے کا تو میں عرض کر رہا تھا کہ...... سب سے پہلے اللہ نے قلم بنایا...... قلم...... اور معاف کرنا حضور بات ختم کر رہا ہوں کہ آدمؑ سے لے کر خاتم الانبیاءؐ سبحان اللہ! کیا مجال جو کسی نبیؑ کی نبوت میں بھی ذرا سا بھی شک ہو...... معاذ اللہ...... شک آیا نہیں اور اسلام سے گیا نہیں اور اگر کسی سے کسی کی زبان سے ذرا سا بھی شک کا لفظ نکلا نہیں نبیؑ کے معاملے میں تو "محفل" میں رہنے کے قابل نہیں رہتا...... اب دیکھئے نبوتوں پہ ہمارا ایمان ہے ان کے فضائل بیان کرنے پڑیں تو انسان کے بس کی بات ہی نہیں تو ایک بات بتاتا ہوں...... کہ کمالاتِ انبیاء اگر سمٹ جائیں تو علیؑ اور کمالاتِ علیؑ...... اگر بکھر جائیں تو انبیاء اب اس کے فضائل سنانا اس کا ذکر سنانا میرے بس کی بات نہیں...... ویسے بھی آج میں آپ کو فضائل سنانے نہیں آیا آج میں اس لیے آیا ہوں یہاں کہ یہاں مجلس تک تو گھر سے آہی گئے ہو اب تصور کی دنیا میں چلیں فضائل تو سارا سال آپ سنتے ہیں۔ تو آج ہم مولاؑ کے حضور صرف اس لیے حاضر ہوئے ہیں...... اس لیے آئے ہیں کہ مولاؑ ہم سے پرسہ لو ہمارا پرسہ قبول کرو۔ مولاؑ ہم ساری رات صرف اس لیے نہیں سوئے کہ آپ کے بچے رات نہ سو سکے تھے...... ویرانے جنگل...... بیابان علاقے پریشانی کا عالم...... اور آلِ محمدؐ کا خاندان...... تصور کی دنیا میں حضرت امیر المؤمنینؑ کو دیکھا مولاؑ آج ہم سب غلام چل کے آئے ہیں ہم حاضر ہوئے ہیں...... آپ کو پرسہ دینے کے لیے کہیے حضورؑ مزاج تو بخیر ہیں آپؑ کے...... مولاؑ آنکھوں کو کیا ہو گیا، کیا جاگتے رہے ہیں...... کہا ہاں...... میرے بچے رات بھر سوئے نہ تھے مولاؑ خیریت تو ہے؟ کہا ہاں کہ اور تو سبھی ابھی زندہ ہیں ایک بیٹی بیوہ ہو گئی ہے۔ قبلہ کس کا انتقال ہو گیا؟ کون چل بسا؟...... کہا کہ میرے بھائی عقیلؑ کے بیٹے کا...... مسلمؑ کا

...... میرا داماد تھا...... میری بچی بیوہ ہو گئی ہے...... کہا مولا کہ ہم کراچی کے تمام غلام حاضر ہیں...... چلیں آپ کے داماد کے جنازے میں شرکت کرنے کے لیے...... حضور والا کہتے ہیں کہ جنازہ اٹھتا تو شرکت کرتے...... جنازہ کیسے اٹھتا کہ دنیا بھر کے مسلمان عید منا رہے تھے۔ لوگ کپڑے بدل بدل کے عید گاہ کو جا رہے تھے۔ بیٹوں کو عید دی جا رہی تھی...... اور ہمارے مسلم کے پاؤں میں رسی بندھی ہوئی تھی...... یہ حالت تھی ...... لاش بازاروں میں گھمائی جا رہی تھی۔ اور منادی ندا دے رہا تھا نماز پڑھنے کے لیے جانے والو...... محمدؐ کی سکھائی ہوئی نماز پڑھنے والو...... یہ محمدؐ کے خاندان کی فرد ہے کسی مسلمان نے نماز تک نہ پڑھی...... اور سر کو بھیج دیا گیا...... دمشق اور لاش کوفے کے بازاروں میں ...... بس صاحبانِ ذوق آج دو جملے کہنے ہیں آپ کی مجلس میں...... مولاؑ سے کہنا کہ مولاؑ ہمارا پرسہ قبول کرو...... یہ لاش زخمی بھی ہوئی...... اس لاش کے پاؤں میں رسی باندھ کر شہر کوفہ کے بڑے دروازے پہ لٹکا دیا گیا۔ بڑا دروازہ کوفے کا...... جو بھی گزرتا پوچھتا کہ یہ کون تھا؟...... کہا جاتا......... سنا ہے محمدؐ کا رشتہ دار ہے...... لاش رہی دروازہ پہ...... محرم کی چودہ آگئی ایک مہینہ اور پانچ دن ہو گئے لاش کو وہاں رکھے ہوئے بڑے غور سے سننا بھئی یہ بات...... اور چودہ محرم کو کاروانِ آلِ محمدؐ پہنچا کوفہ میں...... میں کھل کے بات نہیں کرتا میں خود بھی سید ہوں اور بھی سید ہوں گے برا مان جائیں گے ...... یہ جملہ سن لیں...... بس امت نے اپنے نبی کی بیٹیوں کے ہاتھوں میں زیور پہنائے ہوئے تھے...... سر نیزوں پر ہیں...... کہ دروازہ سے قافلے کا گزر ہوا دروازے سے آواز بلند ہوئی کہ "اے اہل بیت رسولؐ میرا سلام قبول ہو"۔ اے فرزند رسول اکبرؑ کا پرسہ قبول کر...... اسیروں میں کہرام مچ گیا قافلے سے جو دو بچیوں نے جو لاش دیکھی تو بے ساختہ منہ پیٹ لیا بابا...... ہمارے بھائی کہاں ہیں؟...... ہمیں بھائی سے ملا دو......

مؤمنین......... اللہ آپ کی مجلسوں کو قبول و منظور فرمائے۔ بحق محمدؐ و آل محمدؐ

ربنا تقبل منا انك انت السميع العليم

امام بارگاہ شاہِ خراسان کراچی

ذکرِ علی علیہ السلام

عنوان

فضائل - ذکرِ علیؑ عبادت ہے

مصائب - دربارِ کوفہ

یہ محوِ خطابت سرِ دربار ہے زینبؑ
یا کوفے کے منبر پہ علیؑ بول رہے ہیں

افسر عباس زیدی

ذکر علیؑ عبادت ہے

خداوند عالم آپکی یہ مجلس قبول فرمائے...... اللہ آپکا مجلس میں آنا قبول کرے ...... اور میرے انتہائی پیارے عزیزوں نے جو مجلس کی ہے...... اللہ ان کی سعی کو قبول فرمائے۔ مجھ سے پہلے میرے محترم شبیہ الحسنین صاحب محمدی کہہ رہے تھے کہ...... "علیؑ کے چہرے کو دیکھنا عبادت ہے" یہ انہوں نے کہا تھا...... کہ علیؑ کے چہرے کا دیکھنا عبادت ہے...... یہ ان کی خاندانی بات ہے...... انہوں نے اپنے خاندان کی بات کہی ہے...... آپکو پتہ ہے یہ محمدی ہیں ...... حضرت محمد بن ابی بکر کی اولاد ہیں...... حضرت ابوبکر کے صاحبزادے محمد کی یہ اولاد ہیں...... ان کے دادا حضرت ابوبکر راوی ہیں اس روایت کے...... کہ "علیؑ کا چہرہ دیکھنا عبادت ہے"...... یہی ایک بات کہہ کے وہ صدیق کہلاتے ہیں...... یہ انہوں نے فرمایا ہے...... اور ان کی تائید و تصدیق ہم مؤمنوں کی "اماں" نے بھی کی ہے کہ میرے ابا نے بالکل ٹھیک کہا واقعی علیؑ کے چہرے کا دیکھنا عبادت ہے...... چاہے کسی عالم میں بھی دیکھا جائے...... اس کے چہرے کا دیکھنا عبادت ہے...... انہوں نے یہ اپنی خاندانی حدیث پڑھی ہے کہ علیؑ کے چہرے کا دیکھنا عبادت ہے...... حضرت ابوبکر کا فرمان ہے یہ ...... علیؑ کا چہرہ دیکھنا عبادت ہے...... علیؑ کا منہ دیکھنا عبادت ہے...... مگر معاف کرنا یہ "منہ دیکھی" بات ہے...... حقیقت یہ ہے کہ اسکا چہرہ دیکھنا ہی عبادت نہیں بلکہ اس کا تصور بھی عبادت ہے...... اسکا خیال بھی عبادت ہے...... اگر علیؑ کا ذکر کروں تو وہ بھی عبادت ہے...... کیا ذکر کرو گے علیؑ کا...... کیا تذکرہ کرو گے

علیؑ کا...... جہاں سے شروع کرو...... علیؑ کا ذکر عبادت بن جائیگا...... کہیں سے شروع کردو علیؑ کا ذکر عبادت بن جائیگا...... میرے کندھے پر دو فرشتے اللہ نے بٹھائے ہوئے ہیں ...... اب یہ پندرہ بیس فرشتے (ٹیپ ریکارڈر) سامنے آکے بیٹھ جایا کرتے ہیں...... جو کہو یہ نوٹ کر لیتے ہیں میں تو ایمان سے مجلس میں آکے گھر جاتا ہوں...... ایک طرف یہ حضرات ...... ایک طرف ذات شریف...... ان سے ذرا اِدھر اُدھر منہ کروں پھر معاملہ خراب ہو جاتا ہے...... کندھے والے...... یہ میرے ساتھ ہی رہتے ہیں...... یہ میرے صحابی ہیں...... جہاں جاؤں ساتھ جاتے ہیں...... یہ میری بات کے راوی ہیں...... صحابی بھی ہیں ...... میری بات کو دور دور تک پہنچانا بھی انہی کا کام ہے...... یہ اگر بگڑ جائیں تو کام بگڑ جائیں...... لہٰذا ٹھیک رہیں تو کام ٹھیک رہے...... ہر وقت میرے ساتھ رہتے ہیں...... ہر لحہ میرے ساتھ ہیں...... کئی دفعہ میں نے کہا ہے کہ میری طبیعت ذرا خراب ہے تم میری جگہ جاکہ پڑھ آؤ...... اتنی دیر سے میرے ساتھ رہے ہو...... میری جگہ نہیں آسکتے...... یہ کہتے ہیں کہ آپ کی جگہ کیسے جائیں میں تو کرائے پر ...... یہ کرائے کا ساتھی کام نہیں دیتا...... ایک یہ بزرگ (ٹیپ ریکارڈر) میری جان نہیں چھوڑتے...... اب کیا کہیے میں گھر گیا ناں ...... اِیچ میں ...... تو علیؑ کا ذکر جہاں سے تم شروع کر دو...... کہیں سے بھی تم شروع کر دو...... عبادت بن جائیگا۔ اگر کوئی کہے علیؑ کی پیدائش کا ذکر کر دو...... تو عبادت بن جائیگا...... علیؑ کی پیدائش کے ذکر کا کسی نے کہا...... یہاں سے ذکر شروع کرو...... ہاں بھئی کر دو...... اچھا بھئی کہاں پیدا ہوئے...... کعبہ میں...... بیت اللہ میں...... کہاں پیدا ہوئے...... اللہ کے گھر...... اللہ کا نام آیا نہیں عبادت بنا نہیں...... اللہ کے گھر پیدا ہوئے؟...... ہاں بھئی اللہ کے گھر پیدا ہوئے اللہ کے گھر خوشامد کر کے پیدا نہیں ہوئے...... اللہ کی خوشامد نہیں کی تھی...... بلکہ زور سے پیدا ہوئے...... دیواریں توڑ کے پیدا ہوئے...... یہ عبادت ہو گئی اور ماں کے ساتھ تین دن اللہ کے گھر رہے...... فاطمہ بنت اسدؑ کے ساتھ تین دن اللہ کے گھر میں رہے...... تین دن کے بعد آپ کے رسولؐ کو حکم ہوا جاؤ جا کے لے آؤ...... تیسرے دن ...... رسولؐ نے کہا قبلہ قرآن تو

میرے گھر خود آیا ہے...... کہا وہ اور بات ہے یہ اور بات ہے...... دیکھو نا! میں آپکو خط لکھوں تو خط کوڑا کیا آپکے گھر تک پہنچا جائے گا یا نہیں...... ؟ اور جو میں خود آ جاؤں تو مجھے لینے جاؤ گے...... یہ قرآن اسکا خط تھا...... اسے پوسٹ مین لے جاتا تھا...... اسے خود لینے جاؤ...... اب جو رسولؐ پہنچے...... لینے دروازے پر...... دروازہ پھر کھلا...... اور بنت اسدؓ یا ام اسدؓ...... اسدؓ کی ماں بھی...... اسدؓ کی بیٹی بھی...... بچے کو گود میں لے کر آئی...... رسولؐ نے گود میں لے لیا...... قصہ مختصر عبادت بنتی جا رہی ہے...... لال مبارک...... ماشاء اللہ بڑا سوہنا بچہ ہے...... ماں نے کہا...... محمدؐ...... بچہ جئے گا نہیں...... اس میں جینے والی کوئی بات نہیں...... تین دن ہو گئے نہ اس نے دودھ پیا...... نہ اس نے آنکھ کھولی...... نہ یہ رویا...... تو یہ جئے گا کیسے...... کیوں کہ اس نے آنکھ نہیں کھولی تھی...... کیا نہیں...... کہا...... اے...... اے...... لو...... یہ کھول دی...... آنکھ کھل گئی اور یہ بتاؤ کہ تم نے دودھ کیوں نہیں پیا...... روئے کیوں نہیں...... کہا اس میں ضد کی کیا بات ہے؟...... قبلہ خدا کا گھر تھا کعبہ...... اس میں ماں تھی اکیلی...... ساتھی ہو کے رونا کوئی شرافت ہے؟...... دودھ نہیں پیا...... کہا بڑی بھوک لگ رہی ہے مگر ماں کا دودھ کیوں نہیں پیتا...... آپ نے اللہ سے درخواست دے کر مجھے بطور گواہ بلایا ہے...... میں گواہ ہو کے آیا ہوں...... آپ نے "طلبانہ" داخل کروایا ہے تو آیا ہوں آپ ہیں مدعی اور میں ہوں گواہ...... پھر میں اپنی ماں کا دودھ کیوں پیوں؟...... گواہ کا خرچہ خود مدعی کے ذمے ہے...... رسولؐ نے زبان دی تو اس میں سے دودھ جاری ہوا...... بقول پنجابیوں کے "رج کے پیا" خوب پیا...... پیٹ بھر گیا...... چھوٹے چھوٹے ننھے ہونٹوں میں زبان مضبوطی سے پکڑ لی...... بھئی چھوڑو بھی...... اسی طرح گھر تک پہنچے...... رسولؐ کی گود میں علیؑ ہیں...... گھر والے سب اکٹھے...... ابی طالبؑ بھی ہیں...... بچے نے آنکھوں آنکھوں میں سب بزرگوں کو گواہ بنایا...... کہ محمدؐ پیدا ہوتے ہی مجھے زبان دے چکے ہیں...... اب اس ذکر سے بھی ہماری عبادت ہو گئی...... اب تمام لوگ پوچھنے لگے محمدؐ بچہ کس شکل کا ہے...... محمدؐ خاموش آخر گھر کے مالک نے وحی کے ذریعے بتایا۔ محمدؐ...... کہہ دو...... ہاتھ...... ید اللہ ہے...... آنکھ

عین اللہ ہے...... زبان لسان اللہ ہے...... جسم جسد اللہ ہے...... یہ عجیب بات ہے...... علیؑ کا ہاتھ...... اللہ کا ہاتھ...... علیؑ کا چہرہ...... اللہ کا چہرہ...... علیؑ کا چہرہ...... اللہ کا چہرہ...... علیؑ کا جسم...... اللہ کا جسم...... علیؑ کی زبان...... اللہ کی زبان...... تو اربابِ ذوق کے لیے ایک فقرہ کہتا ہوں...... کہ الگ الگ اجزاء کرو تو اللہ...... اور اتنے اللہ اکٹھے ہو جائیں تو علیؑ...... عجیب بندہ آگیا...... جسے آج تک علیؑ والے اللہ کہتے ہیں...... اور اللہ والے علیؑ کہتے ہیں...... سمجھ میں آیا کہ کیوں سمجھ رہے ہیں کہ ایسے کا ذکر عبادت ہے کہ نہیں...... تو میں عرض کر رہا تھا...... علیؑ نے محمدؐ کی زبان سے دودھ پیا...... جو علیؑ سے بچ رہا تھا، وہ بچوں نے باپ کا مال سمجھ کے پیا...... بچوں کی بات اور تھی علیؑ کی بات اور تھی...... علیؑ ایک دفعہ دوشِ رسولؐ پر سوار ہوئے اور تم نے کہا سبحان اللہ...... اور بچوں نے اس کو کھیل کا میدان بنا دیا...... جب دیکھو کاندھے پر سوار...... رسولؐ مسجد میں جا رہے ہیں...... یہ کاندھے پر سوار...... مگر وہ بچے تھے ہی اس قابل...... کہ بچے راکب بنیں اور رسولؐ مرکب بنیں...... اور وہ کہیں...... مہار چاہئیے...... رسولؐ نے زلفیں پکڑا دیں...... دینا یہ باگ ہے...... اب بچوں کے ہاتھ میں رسولؐ کی زلفیں نہیں تھیں ... بلکہ باگ تھی اور باگ کے معنی یہ ہیں جدھر موڑ دیں مڑ جائے...... جد... ... ر پھیر دیں پھر جائے...... رسالت کی باگ ان بچوں کے ہاتھ میں تھی ... ... ر میں یہ کہنا چاہتا ہوں...... کہ اتنی بڑی رسالتوں کی باگیں سنبھالنا تو ان ... ے لیے بچوں کا کھیل تھا...... یہ بچوں کی شان تھی۔ اس انداز سے پرورش پائی تھی...... بچوں نے...... جس طرح پلے تھے یہ بچے...... تین چار سال کے ہوئے تو رسولؐ گود میں لے کر بیٹھ گئے...... بچو...... عزیزو...... میں نے تمہیں بڑے پیار سے پالا ہے...... بڑی محبت سے پالا ہے...... جی ہاں قبلہ...... آپ نے بڑا پیار کیا ہے...... اگر میرے دین پر کبھی وقت آگیا تو کیا کرو گے...... ؟ اب بچوں کے تیور دیکھنے کے قابل تھے...... رسولؐ بھی رو پڑے دیکھ کر...... بچوں نے کھڑے ہو کر انگڑائی لی...... تو قبا کے بند ٹوٹ گئے...... نانا پرواہ نہ کر...... گھر لٹا دیں گے...... بچے کٹا دیں گے...... تیرے دین پر حرف نہیں آنے دیں گے...... اور ہمارا یقین نہ آئے...... تو تم خود جنت سے آکر دیکھ

لیتا...... مؤمنین! آج محرم کی آٹھ تاریخ ہے اور رسولؐ جنت سے کربلا آئے ہوئے ہیں...... اور وہ دیکھ رہے ہیں کہ بچوں نے کیا کرنا ہے؟ ...... آج انہوں نے دیکھنا ہے بچوں نے کیا کیا ہے؟ ...... وہ فرض ادا کر رہے ہیں...... رسولؐ دیکھ رہے ہیں...... مگر حسینؑ چاہے کچھ بھی کریں آخر رسولؐ کے نواسے ہیں...... آخر علیؑ کے بیٹے ہیں...... آخر فاطمہؑ کے بیٹے ہیں...... حسینؑ کی بات تو حسینؑ کے ساتھ رہی...... اگر زینبؑ کا کوئی کمال ہے تو زینبؑ کی بات قبلہ زینبؑ کے ساتھ ہے...... کہاں فاطمہؑ کی بیٹی...... کہاں علیؑ کی بیٹی...... اس کی شان بھی یہی تھی...... جو اس نے کیا...... میں تو کہتا ہوں حسینؑ ایسا عظیم پارس ہے جو اس سے چھو گیا...... اسے حسینؑ بنا دیا...... حسینؑ نے بہتر حسینؑ بنا دیے...... خاندان کی نہ پوچھو...... حسینؑ کی اور زینبؑ کی نہ پوچھو...... غیروں کو دیکھو ان کے جذبے کیا تھے؟ ...... انہیں دیکھ دیکھ کے رسولؐ قربان ہو رہے تھے...... انہیں دیکھ کے رسولؐ فدا ہو رہے تھے...... میرے بھائیو! میرے عزیزو! حسینؑ کے ساتھ غیر بھی تھے نا! ایک صحابی شہید ہو گیا...... "جنادہ" ...... اسکا نام تھا...... حسینؑ لاشے پہ گئے اٹھا کے گنج شہیداں میں رکھا خیمے کی طرف جو دیکھا تو خیمے کا پردہ اٹھا ایک نو دس سال کا بچہ دوڑتا ہوا نکلا...... حسینؑ نے آواز دی...... آلِ محمدؐ...... اس بچے کو روکو...... یہ میدان میں کہاں آرہا ہے؟ ...... اتنے میں وہ بچہ میدان کے قریب آگیا...... کمر سے تلوار بندھی ہوئی...... بچہ چھوٹا تھا...... تلوار تھی بڑی...... وہ گھسٹتی ہوئی آرہی تھی...... حسینؑ نے بڑھ کر بچے کو گود میں اٹھا لیا...... کہاں جا رہے ہو؟ ...... قبلہ مرنے جا رہا ہوں...... میں دشمنوں سے لڑوں گا...... میرے بیٹے تم کس کے بیٹے ہو...... ؟ مولا اسی "جنادہ" کا جو ابھی مرا ہے...... تمہارا باپ مرا ہے...... تو یتیم ہوا ہے...... اپنی ماں کے پاس جا کے بیٹھ...... تو بچہ کہتا ہے...... یہ کمر اماں نے باندھی ہے...... یہ تلوار میری اماں نے خود باندھی ہے...... میری اماں نے کہا ہے...... بیٹا جا کر مر جاؤ...... یہ سن کر قربان ہو گئے حسینؑ پر...... یہ غیروں کے عزائم تھے...... قبلہ میں نے تمہیں ہر مجلس میں حسینؑ کے دوستوں کی ادائیں سنائی ہیں...... یہ غیروں کی ادائیں تھیں...... اگر مناسب سمجھو تو بات کہہ دوں...... اپنوں کی...... آلِ محمدؐ

اجڑ گئے...... سب کچھ لٹ گیا...... خیر...... میرے نوجوانو......! ...... آج آلِ محمدؐ بے سہارا ہیں...... جو لوگ حسینؑ کے خاندان کے نہ تھے...... مگر حسینؑ کے پاس آکر حسینؑ بن گئے...... خدا گواہ ہے کمال کر دکھایا ہے...... کہو اکبرؑ کی ماں...... سیدانی تو نہیں تھی...... مگر ایمان سے کمال کر دیا...... حد کر دی...... اکبرؑ کی لاش آئی ہوئی ہے...... اور حسینؑ کہتے ہیں...... اسکی ماں کو بلاؤ...... اپنے بچے کی لاش پر آئے تو پہلے جواب یہ ملا...... کہ قبلہ نماز پڑھ رہی ہے...... امامؑ نے پوچھا...... لیلیٰ کیا نماز پڑھ رہی ہے...... ؟ کہا مولا! شکرانے کی نماز پڑھ رہی ہے...... میری کمائی نیک راہ میں لٹ گئی...... آ لیلیٰ اپنے بیٹے کی لاش کو آکر دیکھ...... پانچ منٹ گزر گئے...... خیمے سے لیلیٰ نہیں آئی...... اب جو گئے نا! دیکھنے...... دیکھا کہ لیلیٰ خیمے میں گھوم رہی ہے...... زینبؑ نے آواز دی...... اکبرؑ کی ماں...... باہر آؤ...... کہا حسینؑ کی بہن مجھے خیمے کا دروازہ نظر نہیں آرہا...... مجھے در نظر نہیں آتا...... ہاتھ پکڑ کے لائے...... قاسمؑ کی ماں تو سیدانی نہیں تھی...... یہ غیروں کا کمال تھا...... دو چار فقرے سن لو...... میرے جوان بیٹو! میں تمہیں روتا نہیں دیکھ سکتا...... میں چاہتا ہوں کہ تم ہر وقت خوش رہو...... مگر معاف کرنا...... میری کہانی ہی ایسی ہے...... اس لیے میں تمہیں جان کے نہیں رلاتا...... ربابؑ بھی اسی گھر میں ہے...... غیر خاندان کی ہے نا! یمن کے رئیس کی بیٹی ہے...... سیدانی نہیں ہے...... غیر خاندان کی ہے...... ساری شہادتوں کے بعد حسینؑ خیمے میں آئے...... بہن زینبؑ میری ساری قربانیاں قبول ہو گئیں...... کسی کے بدلے دنبہ نہیں آیا...... اب میں چاہتا ہوں کہ کوئی نذرانہ پیش کروں...... اللہ کے سامنے...... کوئی نذرانہ پیش کرنے کے لیے کوئی شے ہے؟ ...... زینبؑ نے کہا میرے پاس تو دو ہیرے تھے ختم ہو گئے...... لیلیٰ نے کہا...... میرا تو اٹھارہ سال کا شب چراغ تھا...... گل ہو گیا...... فروہ نے کہا...... میرا اور سہارا تو قاسمؑ تھا...... وہ بھی "تقسیم" ہو گیا...... ہم سب خالی ہاتھ ہیں...... ایک کونے میں سے ربابؑ کی آواز آئی...... ذرا سی نیلم کی کنی میرے پاس ہے...... ایک نیلم کا نگینہ ہے میرے پاس اگر تیرے کام آئے تو اسے لے لے...... کہا ربابؑ اسے لے جاؤں...... کہا لے جاؤ...... جہاں جہاں صاحبان ہو میری

بات سنو! حسینؑ چلے گئے...... آگے آگے حسینؑ پیچھے پیچھے ربابؑ...... جب خیمے کے دروازے پہ پہنچے...... تو ربابؑ نے کہا...... مولاؑ ذرا ٹھہرنا...... ذرا یہ بچہ مجھے گود میں دینا...... ربابؑ نے دو منٹ گود میں لیا...... اور اصغرؑ کی بہن سکینہؑ کو ساتھ لیا...... دونوں کو لے کے خیمہ میں آگئی...... وہاں جہاں زینبؑ تھیں...... حسینؑ و زینبؑ کو دیکھ کر کہا...... سن حسینؑ...... سن زینبؑ...... تم فاطمہؑ کے بیٹا بیٹی ہو...... میں غیر خاندان کی ہوں...... تمہارے گھرانے میں آئی تو فاطمہؑ کی بہو کہلائی...... تم نے مجھے بڑی عزت بخشی...... تمہارے گھرانے سے مجھے یہ دو لعل ملے...... ایک سکینہؑ اور دوسرا اصغرؑ...... میں تھوڑی دیر میں لاوارث ہو جاؤں گی...... نہ میکے ہو سکے، نہ سسرال...... میں تمہاری امانت سنبھال نہیں سکتی...... لہٰذا یہ تمہارے سپرد...... یہ کہہ کر سکینہؑ کو بٹھا دیا زینبؑ کی گود میں...... اصغرؑ کو دے دیا حسینؑ کی گود میں...... زینبؑ تو جانے اور سکینہؑ جانے...... حسینؑ تو جانے اور اصغرؑ جانے...... دونوں کو سپرد کر دیا...... حسینؑ اصغرؑ کو لے گئے...... سکینہؑ کو زینبؑ لے گئی...... سکینہؑ پہ وہاں کیا گذری؟...... اس پر کیا گذر گئی...... اگر ہمت ہے تو سن لو...... دو چار لفظ...... کیوں بھئی...... نوجوانو!...... تم میں ہے ہمت اس قصے کو سننے کی...... میں تو بوڑھا ہو چکا ہوں میں تو پڑھ لیتا ہوں...... جوانوں کے خون میں گرمی ہوتی ہے...... حیدر آباد (سندھ) میں میں نے سکینہؑ کی شہادت پڑھی تھی...... کئی نوجوانوں نے چاقو مار لیے تھے...... چلو!، بھائیو!...... سکینہؑ۔ زینبؑ کے ساتھ اور تیرہ محرم ہے...... اور ابن زیاد کے دربار میں کھڑی ہے...... ابن زیاد نے پوچھا!...... کہ یہ بچی کون ہے......؟ بتایا گیا کہ حسینؑ کی بچی ہے...... حسینؑ سے اسے بڑا پیار ہے...... کہنے لگا بچی آگے آؤ...... میں تم سے بات کرنا چاہتا ہوں...... بچی نے بھائی کو دیکھا، پھوپھی کو دیکھا...... نا محرم سے بات کی اجازت ہے؟...... پھوپھی نے بھائی نے اجازت دی...... بچی نے بات کی...... سنو گے بھائی...... بات اس طرح کی کہ لب ہل رہے تھے آواز نہیں آرہی تھی...... بڑی دیر تک ہلتے رہے...... آواز نہیں آئی...... ابن زیاد کہتا ہے کہ مجھے آواز نہیں آرہی...... تو امام زین العابدینؑ نے فرمایا! کہ بچی تو بول رہی لیکن اسکا گلا اتنی مضبوطی سے بندھا ہوا ہے کہ آواز

نہیں نکل رہی...... اسکا گلا کھلوایا گیا...... پانچ منٹ تک بچی گلے کو سہلاتی رہی...... جب حواس ٹھیک ہوئے تو ابن زیاد نے پوچھا...... کہ تیرا نام کیا ہے؟...... کہا فاطمہؑ نام ہے...... مگر باپ مجھے پیار سے سکینہؑ کہتے تھے...... بچی اگر حسینؑ زندہ ہوتے تو تجھے اس وقت کیا کھلاتے؟...... بچی نے کہا بابا مجھے تازہ خرمے کھلایا کرتے تھے...... سنو گے نا! میرے بھائیو!...... اجازت ہے کہ دوں لفظ...... اجازت ہے...... اجازت ہو تو بتا دوں...... وہ بے حیا خبیث کہتا ہے...... بچی...... میں نے تازہ خرمے منگوائے ہیں کھائے گی؟...... اس پر بچی نے بھائی کو دیکھا، پھوپھی کو دیکھا...... اشارہ کیا کہ دو...... ہاں...... کہا لے آؤ...... بچی کے آگے طشت لایا گیا...... رومال اٹھایا گیا...... کوفہ میں زلزلہ آگیا...... بچی ہائے بابا کہہ کر گر پڑی...... ابھی بات ختم نہیں...... سکینہؑ تمہارا یہ دعویٰ ہے کہ تمہارا خاندان معجزنما ہے...... میں تو تب مانوں کہ حسینؑ کا سر خود تیری گود میں آئے...... یہ سننا تھا کہ جوش آگیا...... جلال آگیا...... حیدرؑ کی پوتی کو...... سر کو چھوڑ کر چند قدم پیچھے ہٹ گئی...... اور پھٹا ہوا کرتا پھیلا دیا...... بابا جان! میری محبت کا واسطہ...... پھوپھی زینبؑ کی قید کا واسطہ...... بابا میری عزت کا سوال ہے...... مجھے دربار میں شرمندہ نہ کرنا...... حسینؑ کا سر اڑ کر سکینہؑ کی گود میں آگیا...... کوفہ کے بام و در لرز گئے...... زلزلہ آگیا...... آج کی مجلس کو میں اپنی طرف سے آپ کی طرف سے بانیانِ مجلس کی طرف سے حضرت سکینہؑ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں...... شہزادیؑ ہماری حاضری کو قبول فرما...... شہزادیؑ اگر ہم کربلا میں ہوتے تو تجھے قید نہ ہونے دیتے...... دربدر نہ ہونے دیتے...... اپنے باپؑ اور داداؑ سے ہماری سفارش کرنا کہ خدا ان گھروں کو آباد رکھے...... جن میں سادات کے اجڑے گھر کا ماتم ہوتا ہے...... خدا تم سب کو سلامت رکھے...... بحق محمدؐ و آلِ محمدؐ

موت و حیات

فضائل . . . . . . موت و حیات

مصائب . . . . . رونے کا ثواب

موت کے سیلاب میں ہر خشک و تر بہہ جائے گا
ہاں مگر نامِ حسینؑ ابنِ علیؑ رہ جائے گا

جوش ملیح آبادی

موت و حیات

حضرات محترم!

عزیزانِ گرامی نے مجھے بتایا ہے کہ مرحوم سید کی فاتحہ کی مجلس ہے...... ٹھیک ہے نا؟...... میری اپنی حالت یہ ہے کہ میرے کان بہرے ہو چکے ہیں۔ ویسے میرے کان ٹھیک ہیں ان کے اندر زخم ہو گیا ہے...... اور زخم کی وجہ سے کچھ نہیں سن سکتا...... علاج کروا رہا ہوں شاید ٹھیک ہو جائیں گے...... اس وقت میں کچھ نہیں سنتا...... تو جب میں کچھ نہیں سنتا کسی کی بات...... تو یہ انصاف کے خلاف ہے کہ میں تو سنوں نہ آپ کی بات اور آپ میری بات سنیں...... کیوں سنیں...... انصاف کی بات ہے نا!...... انسان کی جو زندگی ہے میری آپ کی سب کی زندگی...... اس کے لیے آپ کو گھر جا کر نہ کسی کتاب کو دیکھنے کی ضرورت ہے...... نہ کسی مولوی صاحب سے پوچھنے کی ضرورت ہے...... آپ خود اپنی زندگی پر غور کریں تو آپ کو خود پتہ چل جائیگا کہ واقعہ ہے کہ نہیں......... جو میں کہہ رہا ہوں...... انسان کی جو زندگی ہے وہ ہر روز بدلتی رہتی ہے...... آپ کو بدلنے کا اندازہ نہیں ہے جو آپ کل تھے وہ آپ آج نہیں ہیں۔ جو آج ہیں وہ کل نہیں ہوں گے...... انسان کی زندگی روز بدلتی رہتی ہے۔ ہر روز اس میں انقلاب ہوتا ہے...... یہ انقلاب تو ہمیں محسوس نہیں ہوتا...... جو ہمیں محسوس ہوتا ہے...... وہ انقلاب یہ ہے کہ ایک وقت وہ تھا ہمارا...... جب ہم دنیا میں تشریف لائے...... آپ کو یاد ہے جب آپ تشریف لائے تھے؟...... یاد ہے؟ اگر وہ وقت آپ کو یاد ہوتا تو آپ بہت اچھے رہتے...... آپ یقین فرمائیں اس دنیا میں آنے سے ہم خوش نہیں تھے...... ورنہ ہم خوش ہوتے...... تو ہم آتے ہی ہنستے...... ہم تو روئے تھے آکر...... روئے تھے نا؟...... آپ کو وہ رونا یاد ہے اپنا...... اگر وہ آتے ہی رونا یاد ہوتا تو کبھی زندگی میں رونے کو برا بھلا نہ کہتے...... جب آکر روئے نہیں تھے کسی گھر والے کو آپ کے زندہ رہنے کا یقین نہیں تھا...... اب روئے...... مبارک بادیں ہونے لگیں چہ چے گا...... معلوم ہوا کہ رونا زندگی کی علامت ہے۔ روتا

وہی ہے جو زندہ ہے۔ مردے نے کیا رونا ہے...... زندہ روتا ہے ہمیشہ...... سمجھے نا صاحبان......! آپ میری بات پر غور کر رہے ہیں ناں......؟ ہم آ کے روئے وہ ہمارا ایک زمانہ تھا اور لطف یہ تھا...... آپ کو تو یاد نہیں...... بھوک لگی...... رونے لگے...... پیاس لگی رونے لگے...... کوئی آرام ہوا رونے لگے غرض ہر کام رونے سے لیتے تھے...... جب سوائے رونے کے اور کوئی کام نہیں تھا۔ اس وقت ساری دنیا کا فیصلہ تھا...... کہ یہ معصوم ہے...... اگر رونا گناہ ہوتا تو اس وقت معصوم نہ ہوتا...... اس وقت ہم معصوم تھے...... جوں جوں رونا کم ہوتا چلا گیا...... وہ معصوم والی بات ختم ہوتی گئی...... ٹھیک ہے یا نہیں......

آہستہ آہستہ رونے کا زمانہ ختم ہوا پھر بچپن آگیا۔ بچپن کا وقت گزر گیا...... خوب کھیلے کودے...... جو بچپن میں کھیلا نہ ہو وہ بچپن کی توہین کرتا ہے۔ بچپن کے معنی ہیں کہ خوب شرارتیں کیا کرو...... خباثت عیب ہے...... شرارت عیب نہیں ہے...... چوری کرنا...... گالیاں بکنا یہ چیز عیب ہے۔ میرے پیارے بچو! تمہارے اندر پانچ خوبیاں ایسی ہیں جو اس کے بعد باقی نہیں رہتیں...... پہلی تو یہ ہے کہ تم لڑتے ہو مگر دل میں کینہ نہیں حسد نہیں...... ہے یا نہیں...... تمہیں کوئی شے دے دے...... کل کے لیے اٹھا کے نہیں رکھتے...... تمہاری بے نیازی کی علامت ہے...... ہے یا نہیں......؟ تم کھلونے بناتے ہو توڑ دیتے ہو...... خود بنایا خود توڑ دیا...... دنیا کی بے ثباتی کا ثبوت ہے...... ہے یا نہیں......؟ بے تکلف زمین پر لیٹ جاتے ہو...... تمہارے مزاج کی انکساری کا تعلق ہے...... اسی لیے تو تم معصوم کہلاتے ہو...... آہستہ آہستہ یہ باتیں ختم ہو جاتی ہیں زندگی کے ساتھ ساتھ...... یہ بہت اچھی زندگی ہے...... ماشاء اللہ...... تفصیلی گفتگو تھی...... میں نے اس بچپن کی زندگی کے موضوع پر پورے عشرے پڑھے ہیں کسی زمانے میں...... اب تو طاقت نہیں رہی۔ بہر نوع...... یہ بچپن کی زندگی ختم ہو جاتی ہے تو پھر کونسی زندگی شروع ہو جاتی ہے...... شباب...... سبحان اللہ...... جوانی شروع ہوتی ہے سمجھے بچوں والی باتیں ختم ہو گئی اب جوانوں سے بات ہو رہی ہے اب وہ بچپن گیا۔ اب آگیا شباب...... شباب آگیا یہ زندگی جو شباب کی ہے اس کو لوگ "حاصل زندگی" سمجھتے ہیں یہی زندگی کا

ماحصل ہے...... یہی زندگی کی اصل عمر ہے...... یہ انسانی زندگی کا دوسرا دور ہے جسے جوانی کہتے ہیں...... پہلا دور بچپن تھا گزر گیا...... یہ دوسرا دور ہے۔ مزاج میں غصہ، طبیعت میں تیزی، توڑ پھوڑ کی عادت، لڑنے جھگڑنے کی فطرت...... یہ جوانی کی فطرت ہے۔ یہ دوسرے دور کی خصوصیات ہیں...... لڑنا جھگڑنا...... فساد کرنا...... یہ دوسرے دور کی باتیں ہیں جوانی کی...... مختصر بات...... یہ دور بھی گزر گیا...... اب تیسرا دور آگیا...... جسے کہتے ہیں بڑھاپا...... حواس گم ہیں...... عقل کام نہیں کرتی...... کان سنتے نہیں...... آنکھیں دیکھتی نہیں...... آنکھیں عینک کی محتاج...... کان آلے کے محتاج...... چلنے میں لاٹھی کے محتاج...... ہے کے نہیں......؟ ہر طرح سے محتاج ہو گیا...... یہ تیسرا زمانہ بڑا محتاج زمانہ ہے...... کسی کام کا نہیں...... بڑھاپا جو ہے...... اس میں ہوس بڑھ جاتی ہے...... جی چاہتا ہے ہر شے اکٹھی کر لو...... یہ بات ہے تیسرے زمانے کی مگر عقل کام نہیں کرتی...... کبھی کسی کو بھیج دیا آپ نے کہ الماری کھول کر دیکھیں...... نوٹوں کی جگہ کاغذ رکھے...... کاغذ کی جگہ نوٹ رکھے...... تمباکو کی جگہ چینی رکھی چینی کی جگہ تمباکو رکھا...... بابا یہ کیا کیا؟...... کہ بھئی تیسرا دور جو ہے...... جمع تو کر لیا ترتیب خراب ہو گئی۔ جب تیسرا دور آئیگا تو تمہیں پتہ چلے گا کہ یہ کیا شے ہے؟...... تمہیں اس کا اندازہ نہیں...... ہر دور میں آدمی کو آئندہ آنے والے دور کا پتہ نہیں ہوتا کہ کیا ہوگا۔ یہ تیسرا دور بھی ختم ہو گیا۔ چوتھا دور آیا...... چوتھے دور کو کہتے ہیں موت...... سمجھے موت زندگی کا چوتھا دور ہے...... اور کوئی شے نہیں ہے موت...... بچپن تھا۔ ایک جوانی تھی...... دو...... بڑھاپا تھا...... تین...... اور موت...... چار...... یہ چوتھا دور ہے زندگی کا موت...... بچپن بے وفا...... ساتھ چھوڑ گیا...... جوانی بے وفا...... بڑھاپا بے وفا مگر چوتھا...... موت...... یہاں سے جو ساتھ ہوا تو قبر میں ساتھ حشر، میں ساتھ، حساب کتاب میں ساتھ، شفاعت میں ساتھ، پل صراط میں ساتھ...... یہ ہے چوتھے کی شان...... وہ ساتھ نہیں چھوڑتا...... یہ موت جسے آپ کہتے ہیں...... یہ ہمارا چوتھا دور ہے...... اسی واسطے کسی نے نہیں کہا بچپن برحق ہے...... جوانی برحق ہے...... بڑھاپا برحق ہے...... جس نے کہا...... موت برحق ہے...... اور کسی چیز کو برحق کہا ہی نہیں...... موت برحق ہے نا......؟ پکی بات...... موت آئیگی......

آئے گی...... کیوں بھئی...... آئیگی۔ ضرور آئیگی...... سوچ لو...... ڈاکٹر...... حکیم...... دولت...... سلطنت...... کوئی علاج...... کوئی چیز بچا سکتی ہے...... ضرور آئیگی ؟ تم کہتے ہو نا! کہ آئیگی...... کیوں بھئی آئیگی...... ضرور آئیگی...... اچھا یہ بتاؤ کب آئیگی...... کب آئیگی...... پتہ ہے...... آئیگی...... یقیناً...... کب آئیگی...... یہ پتہ نہیں...... یہ موت انسان کو یہ سبق دیتی ہے...... جسکا آنا یقینی ہو اس کے آنے کا وقت مقرر نہیں ہوتا...... سمجھ آئی ناصاحبان...... اس کے لیے ہر وقت تیار رہنا چاہیئے...... اللہ جانے کب آجائے ؟...... سمجھے نا حضور...... موت نے آنا ہے...... ہر وقت یاد رہنا چاہیئے...... کوئی موت مصیبت نہیں...... کوئی موت مصیبت نہیں...... کوئی موت تباہی نہیں...... زندگی کا ایک دور ہے۔ جس طرح بچپن گیا۔ جوانی آئی...... جوانی گئی...... بڑھاپا آیا...... بڑھاپا گیا...... موت آئی...... یہ بھی زندگی کا ایک دور ہے...... سمجھے...... مرتے وہ ہیں...... موت ے کا کوئی وارث نہ ہو...... جن کا سہارا نہ ہو...... جن کا کوئی "سائیں" نہ ہو...... جن کا کوئی پوچھنے والا نہ ہو۔ ...... جن کے وارث موجود ہیں...... جن کا سہارا موجود ہے...... بھلا مجال ہے فرشتے کی اسے مار دے ...... فرشتے کو سزا ہو جائے گی ...... اگر مار دیا گیا...... طاقت ہی نہیں کسی ملک کی کہ ہمیں مار دے ...... ہمارا سائیں موجود ہے ...... ہمارا وارث موجود ہے ...... ہم بے سہارا نہیں ہیں ...... خدا کی حکومت میں ہمارے بہتر ممبر ہیں اور چودہ وزارتیں ہیں ...... ہمیں کس نے مارنا ہے ؟...... کس کی طاقت ہے جو ہمیں مار دے ...... کسی کی طاقت نہیں ...... ملک الموت آتا ہے ہمیں غور سے دیکھتا ہے۔ دیکھ کے پہچان لیتا ہے ...... لو ...... ہو ...... یہ تو میرا "پیر بھائی" ہے ...... آؤ بسم اللہ ...... گلے ملا...... مصافحہ کیا...... ہاتھ میں ہاتھ ملایا اور چلا گیا...... بس اتنی سی بات ہوتی ہے اور کچھ بھی نہیں ...... تمہیں کیوں مر جانا ہے ؟ ...... خدانخواستہ ...... مریں ہمارے دشمن ...... ہمیں کیوں مرنا ہے ؟ .... ہمیں نہیں مرنا...... جو مر گئے ...... ان کے لوگ خود کہتے ہیں ...... فاتحہ کی ضرورت نہیں ...... کیوں ...... مر جو گیا...... اس کے لئے کوئی قرآن نہ پڑھو ...... کیوں ...... ؟ مر جو گیا ...... ہمارا زندہ ہے ...... اس کے لئے سب کچھ موجود ہے ...... تو یہ .... مرنے والے مر گئے ...... تم قبرستان میں جاکے دیکھ لو ...... دو میتیں لے جائیں

قبرستان میں ...... ایک کے وارثوں نے اتارا اور بند کی ...... اور گھر کو چلے گئے ...... مر جو گیا اور جب ہمارا قبر میں اترتا ہے ...... مولوی صاحب بیٹھ گئے سرہانے ...... سن اور سمجھ ...... جن کے مر گئے وہ کہتے ہی نہیں ...... کون مردے سے کہتا ہے کہ سن اور سمجھ ؟...... زندہ ہے تو اس سے کہا جاتا ہے ...... سن اور سمجھ ...... پھر لطف یہ کہ زندگی بھر تو پنجابی جٹ رہا...... مرتے ہی علامہ بن گیا...... اب عربی میں بات ہو رہی ہے ...... "معلوم ایسا ہوتا ہے کہ چلتے وقت اس کے سرہانے علم رسولؐ کا در کھل گیا تھا...... علم رسولؐ کے "در" نے اسے علامہ بنا دیا...... کہاں چلا گیا...... مومن کوثر پہ چلا گیا...... آپ چاہیں تو اسے خط لکھ دیں ...... چاہیں تو پارسل بھیج دیں ...... چاہیں تو اسے کوئی تحفہ بھیج دیں ...... کوثر پہ رہتا ہے وہ ...... بمقام کوثر ڈاکخانہ خلد آباد ضلع جنت ...... یہ پتہ لکھیں اور بھیج دیں ...... آپ کا خط ...... آپ کا پارسل یقیناً پہنچے گا اسے ...... لازماً پہنچے گا اسے ...... سمجھے مگر شرط یہ ہے کہ "بیرنگ" نہ ہو ورنہ واپس آجائے گا۔ ٹکٹ لگا کے بھیجنا...... کوثر پر پہنچ جائے گا...... کیا کیا.......... ؟

کتاب اللہ و عترتی

ایک اللہ کی کتاب، ایک میری عترت...... سمجھے ...... فاتحہ پڑھی کتاب اللہ کا ٹکٹ لگ گیا...... عترت کا ٹکٹ لگ گیا۔ اے۔ اے۔ وہ پہنچ گیا...... فرشتے لے کے جاتے ہیں ...... لو بھائی ذوالفقار علی (آغا سید ذوالفقار علی کرمانی۔ مرحوم) تیرے لئے تحفہ آیا ہے اور وہ اتنا خوش ہوتا ہے تحفہ دیکھ کر اتنی دعائیں دیتا ہے ...... آپ لوگوں کو ...... اب چونکہ وہ صرف "روح" ہے اس کی دعا ضرور قبول ہوتی ہے ...... یہ جو آپ فاتحہ کی مجلس کے لئے آتے ہیں، یہ آپ اپنے لئے آتے ہیں ...... اس کی دعائیں لینے کے لئے ...... اس کی طرف سے نیک تمنائیں لینے آتے ہیں ...... وہ آپ کے لئے بڑی دعا کرتا ہے ...... میری بات سنو گے کہ اگر مجلس میں آنسو فرشتے لے کر نہیں جاتے ...... تمہاری فاتحہ تمہاری اور باتیں تو فرشتے لے کر جاتے ہیں ...... آنسو فرشتے نہیں لے جاتے ...... تمہارے آنسو رومال میں لے کر خود جناب سیدہ جاتی ہیں ...... یہ میں لائی ہوں تحفہ تیرے واسطے...... وہ لے جاکر وہ تحفہ پیش کرتی ہیں اور محترم عزیزو! ...... امام زین

العابدینؑ بھی آتے ہیں اس کے پاس ...... اور اسے کہتے ہیں...... کہ دیکھ بھائی کتنے آدمی بیٹھے ہیں؟ تیری فاتحہ پڑھ رہے ہیں ...... تیرے لئے دعا کر رہے ہیں...... تیرے بچوں کو تسلی دے رہے ہیں ...... تیرے وارثوں کو پرسہ دے رہے ہیں ...... یہ کہہ کے امام زین العابدینؑ رونے لگے...... پوچھا قبلہ آپ کیوں رو رہے ہیں؟...... کہا تو بھائی ایک تھا چلا آیا ...... کتنے آدمی آئے ہیں فاتحہ پڑھنے ...... تیرے بچوں کو تسلی دینے ...... میرے گھر سے بہتر (۷۲) جنازہ اٹھا...... مجھے کسی نے پرسہ نہ دیا...... مجھے کسی نے آکے تسلی نہیں دی ...... مجھے کسی نے آکے دلاسہ نہیں دیا...... کسی نے فاتحہ نہیں پڑھی...... میرا دل چاہتا تھا کہ "ذوالفقار" کے متعلق بھی کچھ پڑھوں ...... مگر اب تھک گیا ہوں ...... میرے کان خراب ہوگئے ہیں...... یہ مجھے بولنے نہیں دیتے...... یہ میری زندگی میں "کان" آگئی ہے ...... اب سب مل کے ذوالفقار مرحوم کے لئے فاتحہ پڑھو ...... پڑھ لی فاتحہ ...... فاتحہ پڑھنے کے بعد...... وہ بھی بتادوں مگر وعدہ کرو کہ میری بات یاد رکھو گے...... یاد رکھو گے تو بتاؤں...... فاتحہ پڑھو ...... سارا قرآن پڑھو ...... یہ بڑے ثواب کی چیزیں ہیں ...... مگر ایک چیز تمہیں بتادوں...... ایک دفعہ...... درود پڑھو...... پڑھو......

اس درود کا ثواب کس کو پہنچاؤ گے؟...... یہ کئی سو قرآنوں کے برابر ہے۔ یہ لازماً درود کا ثواب پہنچایا کرو...... یہ بڑی آسان بات ہے۔ جب یاد آیا کرے درود پڑھا اور اسے ثواب پہنچادیا...... یہ سینکڑوں قرآنوں کے برابر ہے ...... سمجھے تم کہتے ہو...... اللھم ...... اس میں اللہ کی توحید آگئی ...... پھر تم کہتے ہو ...... صل علیٰ...... اس میں خدا کا عدل آگیا ...... محمدؐ یہ رسالت آگئی...... وآل محمدؐ...... اس میں امامت آگئی اور یہ ثواب کہاں پہنچا ...... قیامت میں...... پانچوں اصول دین درود پڑھنے میں آجاتے ہیں...... اس کا ثواب پڑھا سات مرتبہ درود پڑھا کرو...... ایک مرتبہ الحمد پڑھا کرو...... تین مرتبہ قل پڑھا کرو...... اور مرحوم کو اپنی طرف سے تحفہ بھیجا کرو......

خدا تمہیں سلامت رکھے اور تمہاری مجلس کو قبول کرے۔

موت وحیات

عنوان

فضائل :- موت وحیات

مصائب :- امام موسیٰ کاظمؑ

کبھی گزرا ہوں جو بغداد کے بازاروں سے
لاشیں رہ رہ کے ابھرنے لگیں دیواروں سے

سید جعفر طاہر

موت و حیات

حضرات! کافی دیر سے آپ مجلس عزا میں تشریف فرما ہیں...... میں سمجھتا ہوں اتنی دیر تک بیٹھنے سے اب آپ حضرات کافی تھک چکے ہوں گے...... اور میں کوئی مجلس پڑھنے اس وقت حاضر نہیں ہوا آپ کی خدمت میں...... بلکہ اختتام مجلس پر شکریہ کے الفاظ ادا کرنے حاضر ہوا ہوں...... میری آواز پہنچ رہی ہے ناں جناب؟ (بھئی یہ آواز نہیں جا رہی بیٹا، اچھا اب جا رہی ہے آواز......) دیکھو میرے معزز سامعین میں جو بھی بات کہہ رہا ہوں میرے اور آپ کے درمیان یہ ذاتِ شریف وسیلہ ہے...... یہ چاہیں تو میری آواز پہنچائیں چاہیں تو نہ پہنچائیں...... اگر وسیلہ ٹھیک ہے تو کام ٹھیک ہوتا ہے...... وسیلہ غلط ہو تو کام غلط ہو جاتا ہے...... اس دسیلے (لاؤڈ سپیکر) کا اس لیے اعتبار نہیں کہ یہ کرائے کا وسیلہ ہے...... بہر نوع...... خدا کرے یہ کام دیتا رہے...... خدا کرے یہ آپ تک میری آواز پہنچاتا رہے ہاں تو میں اس عرض سے آغاز کرتا ہوں کہ ہر انسان تین چیزوں سے مل کر بنتا ہے...... ایک جزو کا نام ہے...... روح، ایک جزو کا نام ہے...... نفس...... نفس ناطقہ...... روح و نفس و جسم ان تینوں چیزوں کے مجموعے کا نام انسان، انسان بنتا ہے...... میری بات پہ غور فرمایا آپ نے...... آپ اور ہم سب ان تین چیزوں سے مل کر بنتے ہیں...... ایک جسم سے...... ایک روح سے...... ایک نفس ناطقہ ہے...... پوری توجہ ہے نا صاحبان؟...... جسم جو ہے...... یہ جو آپ دیکھ رہے ہیں اسکے سنا ہے چار جزو ہیں...... سنا ہے...... میں نے اس لیے کہا کہ اصلی بات ڈاکٹر صاحبان جانتے ہیں...... ہم ملاں لوگ تو سنی سنائی بات کرتے ہیں...... سنا ہے کہ جسم کے چار جزو ہیں...... چار عناصر ہیں...... کیا

کیا ہیں وہ چار عناصر بھئی؟ جن سے جسم بنتا ہے وہ اربعہ عناصر کیا ہیں؟ آگ، مٹی، پانی، ہوا...... لو جی میں بوڑھا ہو گیا چار کے نام ہی یاد نہیں، اللہ جانے کیا کیا ہیں...... ان چار سے انسان کا جسم بنا ہے...... ایک آگ...... ایک کیا؟...... پانی...... ایک کیا؟...... مٹی...... ایک کیا؟...... ہوا...... یہ چار...... جب آپ کے باوا آدمؑ بنے تھے وہ بھی ان چار عناصر سے بنے تھے...... تو فرشتوں نے دیکھ کے کہا تھا کہ یا اللہ! یہ پتلا جو ان چار سے بنا ہے ضرور فساد کریگا...... کیوں فساد کرے گا؟ کہ یہ ایسے چار اکٹھے ہوئے ہیں جن کا خاندان مختلف، قبیلہ مختلف، نسل الگ، قوم الگ...... ایک دوسرے سے کوئی تعلق ہی نہیں...... بے جوڑا، چار کب تک اکٹھے رہیں گے...... بہر نوع...... ہم ان چار سے ملکر بنے ہیں...... اب آپ نے کہا ہے کہ آپ کے جزو چار ہیں...... مجھے تو یاد نہیں...... ایک آگ، ایک پانی، ایک مٹی اور ایک ہوا...... مگر جس سے میں پوچھتا ہوں...... بھئی تم کون ہو کہ جی میں تو خاکی بندہ ہوں...... کوئی یہ نہیں کہتا میں تو جناب میں ہوائی بندہ ہوں...... حالانکہ آپ کہتے ہیں ہوا بھی ہے ہمارے اندر...... کوئی نہیں کہتا میں تو جناب آبی بندہ ہوں...... کسی نے اپنے آپ کو ناری بندہ نہیں کہا آج تک...... لڑنے کو تو چار اور نام لینے کو ایک...... بہر نوع ان سے ہمارا جسم بن گیا...... دوسرا جزو ہے ہمارا نفس...... اسکے بھی اجزاء ہیں...... وہ بڑی لمبی تشریح ہے...... اگر سناؤں تو بڑا وقت لگے گا...... اسکے بھی اجزاء ہیں...... وہ بڑی لمبی تشریح ہے۔ اسی طرح روح ہے...... میرے محترم بھائیو جسم کو بھی غذا کی ضرورت ہے، نفس کو بھی غذا کی ضرورت ہے...... روح کو بھی غذا کی ضرورت ہے یہ تینوں چیزیں زندہ رہیں تو جسم زندہ رہتا ہے...... اگر کوئی انسان روح کو تو بہت غذا دے دے اور جسم کو تباہ کر دے...... اس نے "ون تھرڈ" انسانیت تباہ کر دی...... اگر اگر کوئی جسم کو پالتا ہے تو یہ بھی غلط۔ ہر چیز کو پالنا چاہیئے...... اب یہ بتایئے کہ یہ جو موت آتی ہے...... جو انسان مر جاتا ہے...... وہ کیا شے ہے؟ کیوں بھئی کیا چیز ہے وہ؟ موت کیا ہے موت کیا ہے؟ بولو نا بھئی! موت کیا ہے؟ آپ اس لئے نہیں بتا رہے کہ جو بتا رہے ہیں انہوں نے بھی موت کو دیکھا نہیں...... جنہوں نے دیکھ لیا وہ آکے بتاتے نہیں...... اس لیے پتہ ہی نہیں

چلتا کہ موت کیا ہے؟...... ہے ایسی ضروری چیز موت...... ایسی ضروری چیز...... کہ جو اللہ کو نہیں مانتے وہ موت کو مانتے ہیں...... اتنی ضروری ہے...... اور انسان کے ساتھ تو ایسی چمٹی ہوئی ہے موت...... انسان ہی نہیں، ہر شے کے ساتھ معاف کرنا بھائیو...... ابھی ہمارے جناب جسٹس صاحب تقریر کر رہے تھے...... اللہ جانے وہ مجلس میں ہیں یا چلے گئے...... اگر وہ ہوتے تو میں ان سے پوچھتا کہ ہم نے کیا گناہ کر لیا...... ہم نے کیا جرم کر لیا...... اس دنیا میں آنا کوئی ایسا گناہ ہو گیا ہم سے کہ چاہے یہاں ایک سانس لو چاہے لاکھ سال کی عمر پاؤ...... سزائے موت ضروری ہے...... حرام ہے کہ اور کوئی سزا ہوتی ہو...... جیل وغیرہ کی...... سیدھی سزائے موت ہوتی ہے...... آئے ہو تو مرنا پڑیگا...... سمجھے...... جانا پڑیگا...... چاہے مر جاؤ...... مرنا پڑیگا...... لازمی مرنا پڑیگا...... خوشی سے نہیں جاؤ گے...... چار بندے اٹھا کر لے جائیں گے...... بہر حال مرنا پڑیگا...... یہ مرتی کیا چیز ہے؟ جسم جو ہے انسان کا...... یہ تو ہے ہی مرا ہوا...... یہ کبھی زندہ ہوتا ہی نہیں...... یہ جسم جسے کہتے ہیں...... اور روح جس چیز کا نام ہے...... وہ ہمیشہ جب پیدا ہو چکی، وہ زندہ ہے اور زندہ ہی رہے گی...... روح نے مرنا نہیں، جسم نے جینا نہیں...... پھر مرتی کیا شے ہے......؟ اسکی تشریح ہمارے خالق نے کی...... روح ہمیشہ زندہ رہے گی...... جسم میں زندگی ہے ہی نہیں...... لہذا موت کا سوال ہی نہیں...... مرتی کیا شے ہے؟...... اس نے بتایا کہ سنو، مرتی کیا شے ہے؟ کل نفس ذائقة الموت۔ وہ تیسرا جزو جو نفس ہے...... وہ موت کو چکھتا ہے مرتا وہ بھی نہیں...... نفس موت کو چکھتا ہے...... مرتا وہ بھی نہیں...... کیا دلیل ہوگی...... نہیں مرتا؟ مرنے والے چکھا نہیں کرتے...... موت کو چکھتا ہے وہ نفس موت کو چکھتا ہے...... زندہ رہتا ہے...... پھر زندہ کس طرح یہ چیزیں رہتی ہیں...... ان کے زندہ رہنے کے بڑے طریقے ہیں قبلہ...... جسم الگ ہو گیا...... نفس الگ ہو گیا...... روح جو تھی وہ کہاں گئی...... وہ "یاد" بنی...... فقرہ میرا یاد رکھنا...... مرنے والے کا جسم مٹی میں گیا...... نفس عالم برزخ میں گیا...... جسم مٹی میں چلا جاتا ہے...... اور روح "یاد" بن کے چاہنے والوں کے دل میں سما جاتی ہے...... اسے یاد رکھتے

ہیں اور وہ یاد رہتا ہے...... توجہ ہے نا صاحبان......؟ یہ روح کی شان ہے...... اور میں اس گفتگو کو مختصر کروں...... موت کی گفتگو تو بڑی لمبی چوڑی اور طویل ہے...... کہ حضرات محمدؐ و آل محمدؐ جن کے ہم غلام ہیں اور جن کے اوپر ہمارا ایمان ہے...... جن کی تعلیم کو ہم اپنا ایمان سمجھتے ہیں...... انہوں نے موت و حیات کے اقتدار و فلسفے ہی بدل دیے سارے...... بہر نوع...... حضرات محمدؐ و آل محمدؐ نے اس کی شان ہی عجیب بیان کی ہے...... وہ دو جملے ہیں حضرات محمدؐ و آل محمدؐ کی شان میں کہہ دوں...... تو حضرات محمدؐ و آل محمدؐ اپنا تعارف کیا کراتے ہیں؟ کہ محمدؐ فرماتے ہیں......... کہ میں محمدؐ اور آل محمدؐ ہم سب ایک نور سے ہیں...... کیوں بھئی یہ سنا ہے کہ نہیں...... ٹھیک ہے نا؟ کہا نا انہوں نے؟ تو برابر ہو گئے نا؟ جب ایک نور سے ہیں تو ہو گئے نا سب برابر؟ انہوں نے کہا نا؟ ہیں تو ایک ہی نور سے...... مگر اتنا اچھا فقرہ کہا...... یہ خطاب کیا ہے آل محمدؐ کے فرد اعلیٰ، علیؑ...... یا علیؑ کو تو اور میں ایک نور سے ہیں...... تو علیؑ کا سینہ تن گیا ہوگا نا یہ سن کر کہ میں جب ایک نور سے ہوں تو برابر ہو گیا...... سمجھے نا صاحبان...... اگلا فقرہ فرمایا...... انا شمس و انت القمر۔ میں شمس ہوں اور تو قمر۔ میری بدولت تو روشن ہے۔ فرق ہو گیا یا نہیں ہو گیا؟ اب شمس و قمر میں فرق یہ ہے...... کیوں بھئی کبھی آپ نے یہ جھگڑا سنا ہے کہ کل شمس نکلا تھا یا نہیں؟ کبھی جھگڑا سنا ہے...... کیوں بھئی۔ کل سورج ہوا تھا یا نہیں...... سنا ہے؟ نہیں نا؟ سورج میں سب متفق رہتے ہیں...... چاند کی باری آئی تو اختلاف ہو گیا...... ہوتا ہے یا نہیں...... اختلاف...... بتاؤ آج چاند ہوا یا نہیں؟ اختلاف ہوتا ہے یا نہیں...... اللہ جانے چاند ہوا یا نہیں؟...... پھر اختلاف ہوا اب تک ہے؟ پہلی کو جھگڑا ہوا پتہ نہیں...... تیسری تک سب جھگڑ کر سب خاموش ہو گئے...... کہ بھئی خاموش رہو...... کہ چاند کا فیصلہ چودھویں پہ ہو گا جب چودھواں آیگا تب پتہ چلے گا کہ تاریخ کیا ہے؟ چودھویں تک چاند میں جھگڑا ہوتا ہے...... ہے یا نہیں ایسا ہی...... جہاں کہیں چاند ہے وہیں کہیں سورج بھی ہے...... مگر کبھی آج تک آپ نے سنا کہ بھئی آج سفر نہ کرنا...... میاں آج شمس در عقرب ہے...... سنا ہے کبھی؟ آج سورج عقرب میں ہے...... سنا ہے کبھی آپ

سنے؟ اور قمر در عقرب؟ سنتے ہو یا نہیں؟ عقرب کیا ہے؟...... کچھ ستارے ہیں منحوس...... سنا ہے...... جب تک سورج رہتا ہے...... یہ منحوس نامراد اللہ جانے کہاں چھپے رہتے ہیں؟...... جہاں قمر کا زمانہ آیا عقرب بھی آگیا...... کیا ہوا جی قمر در عقرب آگیا...... یہ ہوتا ہے...... قمر در عقرب ہوتا ہے...... یہ کتنے دن رہتا ہے، قمر در عقرب؟...... کتنے دن؟...... صرف تین دن...... قمر در عقرب صرف تین دن رہتا ہے؟...... جہاں تین دن گذرے...... اے لو...... قمر در عقرب ختم ہوگیا...... یہی قمر در عقرب ہے...... چاند پہ...... سمجھ میں آرہا ہے نا صاحبان...... اب تمہیں پتے کی ایک اور بات بتا دوں...... اسے بڑے غور سے سننا...... اور اسکے بعد میں اپنا بیان ختم کر دوں گا۔ سورج میں ایک صفت اور ہے۔ وہ طلوع بھی ہوتا ہے اور غروب بھی...... یہ صفت ہے یا نہیں شمس کی...... غروب بھی ہوتا ہے، طلوع بھی ہوتا ہے...... کیوں بھئی سورج نکلتا بھی ہے صبح کو اور شام کو غروب بھی ہوتا ہے...... ہے نا یہ صفت شمس کی...... فرق یہ ہے کہ جب شمس طلوع کرتا ہے تو بند دروازے کھل جاتے ہیں...... یہی ہوتا ہے نا......؟ بند دکانیں کھل جاتی ہیں...... کاروبار جاری ہو جاتا ہے...... لوگ اپنا کام شروع کر دیتے ہیں...... تمام دنیا میں روشنی ہو جاتی ہے...... یہ شمس کے چمکنے کا زمانہ ہے...... اور جب شمس غروب ہو جاتا ہے...... کھلے دروازے بند ہو جاتے ہیں...... کاروبار بند ہو جاتے ہیں...... جب تک شمس کا وجود ہے اس وقت تک بچوں کا دور ہوتا ہے...... جہاں شمس غروب ہو گیا اب چور کی باری آجاتی ہے...... یہ میں شمس کی بات کر رہا ہوں...... کوئی اور خیال اپنے دل میں نہ لانا...... یہ ہے شمس کی حالت...... تو میرے محترم سامعین......! شمس کے طلوع سے دنیا کو فائدہ ...... شمس کے طلوع سے دنیا کو فائدہ...... شمس کے طلوع سے دنیا آباد...... شمس کے طلوع ہونے سے دنیا میں آبادی...... جہاں شمس غروب ہوا ایسا اندھیرا آجاتا ہے کہ میں کیا بتاؤں...... پورا اندھیرا ہوتا ہے...... آپ کہیں گے ستارے جو ہیں...... ہزاروں ستارے اسی شمس کی روشنی کی بدولت چمکتے ہیں...... مگر اس کی پہچان کون کرے کہ ان میں منحوس کتنے اور نیک کتنے...... اصلی حیات کا مرکز شمس ہے...... اصلی زندگی کا مرکز

شمس ہے...... اصلی توانائی کا مرکز شمس ہے...... یہ طلوع رہے تو اسکی شان اور ہوتی ہے اور غروب ہو جائے تو دنیا میں اندھیرا آجاتا ہے بڑا فرق ہوتا ہے قبلہ...... کبھی کبھی اس کو گرہن بھی لگ جاتا ہے...... آپ نے بھی دیکھا ہوگا سورج کو گرہن لگتے ہوئے...... ہوتا ہے، مگر گرہن لگ جاتا ہے...... یہ بھی ہوتا ہے...... چنانچہ جب بھی ہمارے کسی امامؑ کی شہادت ہوئی ہے اس دن سورج کو ضرور گہن لگا تھا...... ضرور لگا تھا...... جب بھی شہادت ہوئی ہے...... آج حضور امام موسیٰ کاظمؑ کی شہادت کی تاریخ ہے...... امام موسیٰ کاظمؑ کی شہادت کی تاریخ ہے صاحبان......! آج آپ کے امامؑ کی شہادت کی تاریخ ہے...... ہے نا؟ اور آج آپ شمسی کا چہلم بھی کر رہے ہیں...... گویا امامؑ کی شہادت بھی ہے اور شمس کا گرہن بھی...... ضرور گرہن ہوتا ہے...... شمس کو امامؑ کی شہادت کے دن۔

میرے محترم بزرگو، بھائیو، عزیزو!...... میں اپنی گفتگو ختم کرتا ہوں یہ کہہ کہ آپ حضرات میں سے سینکڑوں ایسے ہونگے...... ان سامعین میں...... جنہوں نے چند دن پہلے شمسی صاحب کا جنازہ دیکھا ہوگا...... دیکھا تھا نا بھائی؟ کیوں جو دیکھا تھا؟ کتنے آدمی تھے؟ کوئی گنا تھوڑا ہی تھا۔ آپ نے ہزاروں آدمی تھے۔ اتنا بڑا جنازہ تھا یا نہیں؟ جنازہ دیکھا تھا نا؟ اور اس جنازے کے مقابلے میں آپ یہ جنازہ بھی دیکھ لیں ذرا...... کہ آپ کا امامؑ قید خانے میں زہر سے شہید ہو گیا...... گھر میں نہیں...... بال بچوں میں نہیں...... قید خانے میں...... جب امامؑ کی شہادت ہو گئی...... چار مزدور جنازہ اٹھا کر دجلے کے پل پر رکھ آئے...... صرف چار مزدور ...... آج کے دن ایسا جنازہ بھی اٹھا تھا...... سمجھے حضور والا...... مگر اس کا نتیجہ کیا ہوا؟ کہ آج ہم چار مزدوروں والے جنازے کا واسطہ دے کر اپنی اموات کے لیے دعا کرتے ہیں...... کہ خداوندا! اس غریب جنازے کے صدقے میں ہمارے مرنے والوں پر رحم فرما...... ان کے درجات کو عالی کر...... ان کو امام موسیٰ کاظمؑ کی خدمت میں پہنچا...... ان کو بارہ امامؑ کی خدمت میں پہنچا...... یہ امامؑ کی خدمت کرتے رہے ساری عمر...... اور یہ ان کی خدمت میں پہنچیں گے جن کی خدمت کرتے رہے...... اور مظفر علی شمسی ...... میں چالیس سال سے تیرا واقف تھا...... میں نے تجھے خدمتِ آل

محمدؐ کرتے دیکھا...... آل محمدؐ اپنے خادموں کو کبھی مایوس نہیں کرتے...... ایک سیکنڈ کا خدمت کرنے والا حر اگر حضرت حر بن سکتا ہے تو چالیس سال کے خدمت کے خادم ...... تو خدا جانے اسے کیا بنادیں...... یہ تو بہتر جانتے ہیں...... خدا ان کے جوار میں جگہ دے...... ان کی خدمت میں پہنچائے...... آؤ سب ملکے دعا کریں...... دعا کا وقت ہے...... یہ شہادت امامؑ کا دن ہے...... سب مل کے پکارو...... یا اللہ، ہم تیرے دربار میں، تیرے اولیا کے دربار میں ہاتھ اٹھائے بیٹھے ہیں...... ہم بھکاری حاضر ہیں...... ہمیں یہ بھیک عطا فرما کہ ہمارے سب کے گناہوں کو معاف فرمادے...... ہماری اموات پہ رحم فرما...... ہمارے جانے والوں کے درجات کو عالی کر...... ہم جو باقی ہیں...... ہمیں توفیقات خیر عطا فرما...... ہم میں آپس میں اتحاد و اتفاق عطا فرما...... ہم سب ایک دوسرے کے جانثار ہو کر رہیں...... اللہ دین آل محمدؐ کی حمایت فرمائے اور کلمہ دین آل محمدؐ کی حفاظت فرمائے حق محمد و آل محمدؐ......

ان دعائیہ فقروں اور آپ کے شکریہ کے بعد میں آپ حضرات سے رخصت ہوتا ہوں...... اب ایک نعرہ لگاؤ پھر فاتحہ پڑھنا...... نعرہ تکبیر...... نعرہ رسالت...... نعرہ حیدری...... کلمہ ولایت...... کلمہ ولایت...... شاباش...... نعرہ تکبیر...... نعرہ رسالت ...... نعرحیدری...... کلمہ ولایت...... کلمہ ولایت...... اسے پکا یاد رکھنا...... ولایت کا کلمہ ہے...... جو دیسی کے عادی ہیں...... وہ ولایت سے مانوس نہیں ہوتے...... دیسی وہ ہوتی ہے جو خود بنالیں...... خود بنانے والوں کو کیا پتہ؟ کہ ولایت میں کیا لطف ہے؟ آپ کلمہ ولایت کو بالکل یاد رکھیں...... سمجھیں...... خدا تمہیں خوش رکھے...... یہ کلمہ اسی طرح قائم و دائم رہیں......

بحق محمدؐ و آل محمدؐ

(۲۱ جولائی ۱۹۷۶ء اختیار لیبر ہال نسبت روڈ۔ لاہور
بر موقع چہلم جناب مظفر علی صاحب شمسی مرحوم)

انتساب

یہ شہادت ہے اُس انسان کی کہ اب حشر تک
آسمانوں سے صدا آئے گی انسان انسان'

انسانیت

(۲۳ رمضان المبارک ۱۳۹۴ھ، ایس ٹی سی نیو کیمپس "پنجاب یونیورسٹی" لاہور کے طلبہ سے خطاب)

یہ میری خوش قسمتی سمجھیں...... یا یہ کہ میری زندگی کا رخ اس طرح مڑ گیا ...... خدا جانے کیا قصہ ہوا کہ تقریباً ساری ہی زندگی اس طرح سٹیج پر کچھ نہ کچھ بولتے گزر گئی اور چھوٹے بڑے ہر قسم کے مجمعوں میں کچھ نہ کچھ بات ضرور کی ...... زیادہ تر میری گفتگو کا موضوع یہی تذکرہ محمدؐ و آلِ محمدؐ رہا...... اور اسی مناسبت سے شاید ان طلبا نے بھی مجھے حکم دیا کہ یہاں آکر کچھ عرض کروں ...... بہت ہی ڈرا ...... یہاں میں اتنا ڈر رہا تھا آتا ہوا کہ مجھے دو تین طالبِ علم پکڑ کر لائے ہیں ...... ایک بے پڑھا لکھا آدمی مدرسے میں آتے ہوئے ڈرتا ہے ...... مجھے ڈر لگا کہ یہاں آکے میں کیا کہوں؟ ...... طلبہ کا مجمع ہے ...... اہل علم کا جھرمٹ ہے ...... بال کی کھال نکالنے والوں کا مجمع ہے۔ ہر بات کو سوچنے سمجھنے والوں کا اجتماع ہے ...... ستاروں کو قید کرنے والوں کا مجمع ہے۔ حکمت کی نہریں جاری کرنے والوں کا مجمع ہے ...... سائنس کے دریا بہانے والوں کا مجمع ہے ...... چاند پہ کمندیں پھینکنے والوں کا مجمع ہے ...... ذروں کا جگر پھاڑ کے قیامت ڈھانے والوں کا مجمع ہے ...... دنیا بھر کے سائنس اور عقل و فلسفے اور منطق کو دل میں سمونے والوں کا مجمع ہے ...... جواں دل، جواں سماعت، ...... اور کہنے والا از کار رفتہ بوڑھا آدمی ...... بھلا میرا آپ کا کیا ربط؟ کیا جوڑ؟ میں جس زمانے کی آپ سے بات کروں گا، وہ زمانہ آپ سے کبھی کا پرانا ہو گیا ...... نئی بات مجھے آتی نہیں ...... اگر پرانے یونیورسٹی کیمپس میں کوئی بلاتا تو چلا جاتا ...... نیو کیمپس میں پرانا آدمی ...... تو بھائی میرے ذہن میں تو کوئی بات تم سے کہنے کے لئے نہیں ...... نہ کوئی موضوع ہے ایسا جو تمہارے سامنے بیان کیا جائے نہ کوئی گفتگو ...... بڑے ہی شوق سے بے خودی کے عالم میں وہ سن رہا تھا جو باتیں یہاں ہو رہی تھیں ...... بڑی اچھی شاعری، بہترین نثر کی گفتگو ...... میرا دل لگا ہوا تھا کہ سنتا رہوں ...... اچانک حکم ہوا کہ تو بھی کھڑا ہو کے کچھ بول ...... اب یہ طلبہ خود بہتر جانتے ہیں کہ اپنی محفل

میں کتنا ہی جھکنے والا ہو طالب علم، جب سبق سنانے کا موقع آتا ہے تو بات اور ہو جاتی ہے اب میں اتنے استادوں کے سامنے سبق سنانے کھڑا ہوا ہوں ...... کہیں بھول جاؤں، کہیں غلطی ہو جائے ...... کہیں اور کوئی بات ہو جائے تو میں کیا کہوں؟ کیا بات کروں؟ بہر کیف ایک مذہبی ماحول میں گفتگو کرنے والا آدمی اپنی بات مذہبی طور سے ہی شروع کرتا ہے ...... پتہ نہیں آپ کو میرا مذہبی طرز پسند بھی آئے گا یا نہیں؟ ...... ہیں وہی مذہبی باتیں جو میں کیا کرتا ہوں۔

مسلمان بچو! ...... مسلمان بچو میں نے اس لئے کہا ہے کہ اس مجمع کے سامنے مجھے یہ ثابت کرنے کی تو ضرورت ہی نہیں کہ اسلام کوئی بڑا اچھا مذہب ہے ...... اس لئے کہ یہاں سبھی مسلمان ہیں ...... تمہیں اسلام کی خوبی بتانے کی کیا ضرورت ہے؟ ...... ہو نا! مسلمان؟ آپ تو سب ہیں ہی مسلمان، خدا کے فضل سے ...... اور یہ اللہ کا احسان ہے ...... اور اگر اللہ کسی مسلمان کے بجائے کسی عیسائی یا یہودی کے گھر میں پیدا کر دیتا ...... ہو سکتا ہے ہم وہی ہوتے ...... اس لئے مسلمان ہیں کہ مسلمان کے گھر میں پیدا ہوئے۔ کیوں بھئی یہی ہے نا؟ ایسا تو ایک آدھ آدمی کہیں کوئی ہوتا ہے ...... جو پیدا کہیں ہو ...... عیسائی وغیرہ کے گھر اور اپنی تحقیق سے مسلمان ہو ...... یہ بہت کم مثالیں ہوتی ہیں ...... عام طور پر مسلمان کے گھر میں پیدا ہو گئے لہٰذا مسلمان ہیں ...... اور ایک اور مشکل بنتی ہے ...... تمہیں تو اندازہ نہیں اس بات کا کہ میں پیدا ہوا مسلمان کے گھر ...... لہٰذا ہوں میں مسلمان ...... اگر خدانخواستہ ...... خدانخواستہ، توبہ، توبہ ...... ایسا ہو نہ کبھی ...... اگر میں ہو جاؤں عیسائی ...... اور پکا کٹر عیسائی ہوں ...... بڑا ہی مرتد عیسائی ہوں ...... مگر پھر بھی ساری زندگی عیسائیوں کو مجھ پر شبہ رہے گا کہ ممکن ہے جاسوس ہو ...... ہو سکتا ہے مسلمانوں کا جاسوس ہو ...... ہو سکتا ہے مسلمانوں نے جاسوس کر کے بھیجا ہو۔ ...... انہیں مجھ پہ یقین ہی نہیں آئے گا ...... جب بیٹھا کریں گے، آپس میں چار عیسائی کہیں گے ...... ہو نہ ہو، "وچوں' وہی ہے" ......یہی کہا کریں گے ...... قسمیں کھاؤں گا ...... لاکھ اقرار کروں ...... کچھ بھی کہوں ...... مگر وہ کہیں گے۔" اُونہوں ہے وہی" ...... تو کیوں شبہ رہے گا مجھ پر مسلمان

ہونے کا ساری زندگی، باوجود میرے تردید کرنے کے ...... چونکہ میں پیدا ہو گیا ہوں مسلمان کے گھر میں ...... سمجھے ...... اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ جو شخص جس کے گھر میں پیدا ہوا ...... یہ کچھ قدرتی سی بات ہے ...... وہ لاکھ کہے کہ میں وہ نہیں ہوں مگر جس گھر میں پیدا ہو جائے ...... اس پر شبہ رہتا ہے ساری زندگی بھائی۔ ہو نہ ہو وہی ہے ...... جس گھر میں جو پیدا ہو گیا ...... تو یہ بات بھائی ...... ہمیں خدا نے مسلمان کے گھر میں پیدا کر دیا ...... ہم اللہ کے فضل سے مسلمان ہیں اور ہم مسلمانوں کا یہ ایمان ہے کہ اللہ نے جب اس کائنات کو پیدا کرنے کا ارادہ کیا اور یہ میں پڑھے لکھے حضرات کے سامنے پھر کہہ دوں کہ یہ جو الفاظ ہم استعمال کریں گے گفتگو میں ...... خدا سے متعلق، رسولؐ کے متعلق تو یہ الفاظ ہیں جو ہماری عقل کی رسائی میں بڑے اچھے الفاظ ہیں ...... اس کے یہ معنی نہیں کہ یہ صحیح معنوں میں ان کی شان کے مطابق بھی ہیں جن کا ہم ذکر کر رہے ہیں ...... اللہ کے لئے الفاظ ہمارے پاس نہیں ...... جن سے ہم اللہ کا ذکر کر سکیں ...... بس اللہ کے لئے ایک ہی لفظ ہمارے پاس ہے ...... کیا؟ کہ بس اللہ ...... اللہ کیا ہے؟ اللہ ...... بھئی اللہ کیا ہے؟؟ ...... اللہ ...... آگے؟ کہ اللہ ہی اللہ خیر صلا ...... بس اللہ ...... اللہ کیا ہے؟ اللہ ...... اور کوئی لفظ ابھی تک ہے ہی نہیں ہمارے پاس اللہ کے لئے سوائے اللہ کے ...... اور بڑے سے بڑے علمائے اعلام ...... بڑے بڑے علمائے کرام بھی جب اللہ کی بات کرتے ہیں نا تو ...... تو وہ یہی کہتے ہیں کہ مسلمانو! اللہ سے ڈرو ...... سنا ہے یا نہیں تم نے؟ اللہ سے ڈرو ...... سنا ہے نا؟ مسلمانو! ڈرو اللہ سے ...... عالم کا واعظ، قبلہ و کعبہ کا فرمان، مولانا کا ارشاد ...... طلبہ بیٹھے ہیں سامنے ...... چو اللہ سے ڈرو ...... اور ڈرو اللہ سے ...... اللہ سے ڈرو ...... ایک دفعہ سنا، دو دفعہ، چار دفعہ، دس دفعہ ...... آخر بار بار مولوی صاحب نے اللہ سے ڈرایا ...... تو خدا شاہد ہے ...... کالج کے لڑکوں کا تو مجھے پتہ ہے ...... یہ تو اتنے ڈر گئے ہیں اللہ سے کہ جہاں اللہ کا ذکر ہو، ڈر کے مارے نہیں جاتے ...... مولوی صاحب جو کہتے ہیں، اللہ سے ڈرو ...... رستہ چلے جا رہے ہیں، سامنے مسجد آجائے ...... چکرا کے گزرتے ہیں ...... کیوں بھئی چکرا کے کیوں گزرے ...... کہ بھئی مسجد سامنے ہے ...... پھر؟ کہ اللہ سے

ڈرو ...... مولوی صاحب نے کہا تھا ...... اللہ سے ڈرتے ہیں ...... تو اللہ سے ڈرا ڈرا کے ...... ایمان سے ہم لوگوں کا برا حال ہوا ہے ...... اور کوئی ہم میں سے جرأت کر کے مولوی صاحب سے نہیں کہتا ...... مولوی صاحب، اللہ سے ڈرو ...... کیوں اللہ کے بندوں کو اللہ سے ڈرا رہے ہو، خواہ مخواہ کے لئے ...... بھلا اللہ سے ڈرنا بھی کوئی انسانیت ہے؟ ...... اللہ کے بندوں کو اللہ سے ڈرانا بھی کوئی بات ہے ...... بس ڈرا رہے ہیں ...... کیوں بھائیو! ڈر تو اردو زبان کا لفظ ہے۔ ڈر کے معنی ہیں بچنا ...... کس سے بچنا؟ اس سے بچنا، جس سے اندیشہ ہو ستانے کا ...... جس سے اندیشہ ہو دکھ پہنچانے کا ...... جس سے اندیشہ ہو اذیت پہنچانے کا ...... اب بتاؤ اللہ کوئی سانپ ہے؟ (نعوذ باللہ) بچھو ہے؟ کیا ہے؟ جو اس سے ڈریں ...... ہمیں ستاتا ہے؟ ہمیں نقصان پہنچاتا ہے؟ ہم پہ ظلم کرتا ہے؟ ہمیں اذیت دیتا ہے؟ پھر ڈروں کیوں اللہ سے؟ ...... بولو بھئی ...... کہتے ہیں ڈرو ...... کیوں ڈرو؟ ...... کیا وجہ ہے ڈرنے کی؟ کیا اللہ ہم پہ مہربان نہیں؟ ...... اللہ ہمیں پیار نہیں کرتا؟ ...... اللہ ہم سے محبت نہیں کرتا؟ ...... اللہ کو ہم سے پیار نہیں؟ ...... ہم سے زیادہ ہم سے پیار نہیں اللہ کو؟ ...... اللہ جیسا پیار، اللہ جیسا محبوب، اللہ جیسا اچھا ...... اللہ جیسا حسین ...... اللہ جیسا معشوق ...... اس سے ڈرا ڈرا کے مار دیا لوگوں کو ...... کہ اس سے ڈرو ...... اللہ سے ...... یاد رکھو میرے محترم بھائیو، بچو، عزیزو ...... اگر کوئی مولوی صاحب کہیں تو بے شک میرا نام لے دینا ...... گناہ میرے ذمے ...... اللہ سے مت ڈرو ...... سمجھے ...... اللہ ڈرنے کی چیز نہیں ہے ...... اللہ ڈراؤنی شے نہیں ہے ...... اللہ ظالم نہیں ہے ...... اللہ ستاتا نہیں ہے ...... دیکھو بچو، اللہ محبوب ہے، اللہ معشوق ہے، اللہ پیارا ہے ...... اللہ حسین ہے۔ سمجھے جب وہ حسین ہے، وہ محبوب ہے ...... وہ پیارا ہے ...... اس لئے اس میں ادائیں بھی بڑی ہیں اور اس کی اداؤں میں ایک بڑی ادا یہ بھی ہے کہ وہ ذرا روٹھ جاتا ہے ...... تو ڈرو اس بات سے کہ اللہ کہیں تم سے روٹھ نہ جائے ...... کہیں ناراض نہ ہو جائے ...... یہ تو مسلمہ بات ہے کہ جتنا بڑا حسین ہو گا، اتنا ہی بڑا نازک مزاج ہو گا ...... جتنا بڑا حسین ہے اللہ، اتنا ہی بڑا نازک مزاج ہے ...... ذرا سی بات پہ روٹھ جاتا ہے ...... ہر وقت ڈرتے رہو کہ روٹھ

نہ جائے ...... اگر روٹھ گیا تو پھر "یار مناون او کھا" ...... پھر اسے منانا بڑا مشکل ہوگا...... تو اللہ سے اس بات سے ڈرو کہ کہیں وہ تم سے روٹھ نہ جائے ...... اور دیکھو میری بات سنو عزیزو! ...... اللہ کو یاد رکھو ...... سمجھے ...... اللہ کو یاد رکھو ...... مولوی صاحبان ہمارے سامنے ترجمہ کرتے ہیں۔ اذکر اللہo ...... اللہ کو یاد کرو ...... تو میں کہتا ہوں۔ مولوی صاحبان جانے بھی دو ...... یہ ترجمہ عربی کا نہیں ہے ...... اللہ کو یاد کرو ...... یاد کرو میں کوئی سواد ہی نہیں ...... یاد کرو میں کوئی لطافت ہی نہیں ...... سن رہے ہو نا بھئی میری بات؟ پکی بات؟ جب سننے سے تمہارا دل بھر جائے کہہ دینا میں اسی وقت بیٹھ جاؤں گا...... جب تک سنتے رہو گے میں تمہیں سناتا رہوں گا...... تم بھی کیا یاد کرو گے۔ کسی نے سنائی تھی ...... جب تک سنتے رہو گے، میں تمہیں سناتا رہوں گا ...... تم بھی کیا یاد کروں گے، کسی نے سنائی تھی ...... جب تک سنتے رہو گے، میں سناتا رہوں گا تو دیکھو بھائی یہ ترجمہ غلط ہے ...... اللہ کو یاد کرو ...... یاد کرو کو اگر زندگی میں ایک دفعہ یاد کرلو تو یاد کرو پورا ہوگیا ...... عید کے دن کہدیا ...... یااللہ ...... یاد کرو پورا ہوگیا ...... باقی سال یاد نہ کرو بے شک ...... یہ کون سی بات ہے؟ ...... چاہے کسی وقت بھی یاد نہ کرو۔ کوئی بات ہی نہیں ...... اللہ کو ایک دفعہ بھی کہدیا۔ 'یا اللہ' ...... یاد کرو پورا ہوگیا...... باقی سال یاد نہ کرو ...... بے شک یہ کون سی بات ہے؟ ...... چاہے کسی وقت بھی یاد نہ کرو کوئی بات ہی نہیں ...... اللہ کو ایک دفعہ بھی کہہ دیا یا اللہ ...... یاد کرو پورا ہوگیا ...... اللہ ہم سے یاد کرو کا مطالبہ نہیں کرتا ...... اللہ کہتا ہے ...... فاذکرونیo ...... کیا معنی؟ اللہ کو یاد رکھو۔ اب تم خود بتاؤ پڑھے لکھے ہو ...... یاد کرو اور یاد رکھو میں کوئی فرق ہے کہ نہیں؟ ...... بولو بھئی اللہ کو یاد کرو اور بات ہے ...... اللہ کو یاد رکھو ...... اب سوچو کوئی فرق ہے یا نہیں۔ اس میں ہے نا فرق؟ اور پھر آیت کا اگر تیور دیکھو ...... آیت کا اگر لہجہ دیکھو ...... پھر ترجمہ کرو تو یہ ترجمہ بنے گا اس کا...... اللہ کو یاد رکھو، ورنہ یاد رکھو پھر یہ ترجمہ بنتا ہے اور ترجمہ ہی نہیں بنتا کوئی ...... تو اللہ ہمیں یاد ہے ...... ہم اسے یاد رکھتے ہیں اور اللہ کا ہی ذکر کرتے ہیں محفل میں، مجلس میں مسلمانوں کی ...... تو میرے بھائیو! ...... اللہ نے ارادہ کیا کہ کائنات کو پیدا کرے تو

اس نے کائنات کو پیدا کرنے میں ہم مسلمانوں کے اعتقاد کے مطابق ...... اس کے دلائل کے لئے اس وقت...... وقت نہیں ...... چونکہ سب مسلمان مانتے ہیں اول مخلوق جو پیدا کی ...... وہ تھا نورِ حضور سرور کائناتؐ کیوں مسلمانو! ہمارا یہ ایمان ہے یا نہیں؟ ہم مانتے ہیں یا نہیں ...... اول مخلوق ...... پہلی شے جو اللہ نے بنائی ...... سب سے پہلے جو بنایا وہ تھا حضور رسالت مآبؐ کا نور ...... سمجھے نا حضور؟ اور جب نورِ حضور کائناتؐ بنا دیا نا! ...... تو اس اکیلے نے گوارا نہ کیا کہ میں بھی اکیلا اور بنا ہوا بھی رہے اکیلا ...... لہذا اس کے چاروں طرف "چار چاند" لگا دیئے ...... تاکہ یہ چار، پانچ ہو جائیں ...... میں اکیلا رہوں ...... اب جب یہ چار "پانچ" ہوگئے تو اور ترقی کی ...... انہیں بارہ چودہ بنا دیا ...... جب بارہ چودہ بن گئے تو اللہ نے ایک یونیورسٹی کھول دی کہ بیکار بیٹھ کے کیا کرو گے؟ ...... یونیورسٹی کھل جائے ...... تم تعلیم دیا کرو ...... تم پڑھایا کرو اور ایک لاکھ چوبیس ہزار طالب علم اس یونیورسٹی میں داخل کردیئے ...... اور محمدؐ ہوگئے اس کے وائس چانسلر ...... اور بارہ چودہ ہوگئے پروفیسر اور ایک لاکھ چوبیس ہزار پڑھنے بیٹھ گئے ...... جو طالب علم پاس ہوتا رہا، ڈگری ملتی رہی عہدہ لے کے آتا رہا...... کسی کو زمین پہ پانی بہانا سکھا دیا اور آگیا...... اور کسی کو آگ کو گلزار بنانا سکھا دیا اور آگیا...... کسی کو وائرلیس پہ بات کرنے کا طریقہ سکھا کر کلیم بنا سکھا دیا اور آگیا...... کسی کو موت سے ٹکر لے کے ہمیشہ جینا سکھا دیا اور آگیا...... غرض اپنا اپنا پڑھ کے سارے شاگرد آتے رہے ...... توجہ ہے نا صاحبان ...... جب ایک لاکھ چوبیس ہزار ہو کے آگئے اور سب اپنا اپنا کام کر گئے تو اللہ نے اساتذہ کرام کی طرف دیکھا...... جو چودہ پڑھانے والے تھے اور جو ان کے راس و رئیس تھے ...... حضور محمدؐ مصطفیٰ ...... ان کی طرف دیکھا ...... اور دیکھ کے یہ کہا ہوگا ...... "ہوگا" لفظ یاد رکھنا ...... یہ ہوگا لفظ میں آپ کے ڈر کے مارے کہہ رہا ہوں ...... کہیں پوچھنے لگو کہ کس کتاب میں لکھا ہے ...... کتاب میں نہیں، یہ میرے دل کی کتاب میں لکھا ہے ...... یہ کہا ہوگا ...... کہ محمدؐ سنتے بھی ہو ...... شاگرد تو اپنا اپنا کام کر کے چلے گئے ...... اب اگر مناسب سمجھیں تو آپ خود چلے جائیں ذرا ...... کیوں کیا خیال ہے؟ جاؤ گے؟ جانا ہے؟ کیوں محمدؐ جاؤ گے؟ جانا

ہے؟ ہیں؟ کیا بات ہے؟ جاؤ گے؟ دیکھو محمدؐ! سنو، اگر باقی نبیوں کی طرح تم بھی نبی ہوتے تو حکماً بھیجتا...... جاؤ...... محبوب جو ہوئے...... اس لئے پوچھتا ہوں...... جانا ہے؟ ...... جاؤ گے؟ کیا خیال ہے؟ جانا ہے؟ اچھا جارہے ہو...... بسم اللہ تشریف لے آؤ...... بہت اچھا تمہاری مرضی ہم تو تمہاری مرضی دیکھتے ہیں...... چلے جاؤ...... ہیں؟ مگر یہ کیا؟ تم تو اداس ہوگئے...... محمدؐ اداس نہ ہو...... اگر وہاں کبھی دل گھبرا جایا کرے تو مل جایا کرو...... جاؤ؟ پوچھا جاکے اب کریں کیا؟...... کہ اب جا کے...... اب تک جو سوا لاکھ پڑھے تھے، وہ پرانی یونیورسٹی میں پڑھے تھے...... تم مکے میں جا کے...... ایک جنگل میں بالکل ریگستان میں نیو کیمپس قائم کردینا...... بالکل نئی یونیورسٹی قائم کردینا...... اب کے ایک بالکل نئی یونیورسٹی قائم ہوجائے، نیا کیمپس بن جائے...... دنیا بھی کیا یاد کرے گی کہ پڑھنے کا طرز بدل گیا...... انداز بدل گیا...... بالکل نیو کیمپس قائم کردو وہاں جا کے...... سمجھے...... بہت اچھا...... تم اس یونیورسٹی کے ہوگے انچارج اور آگے طلبہ تمہارے آئیں گے...... انہیں پڑھایا کرنا...... بالکل نیو کیمپس قائم کردینا وہاں جا کے...... بہت اچھا ...... اب چلے وہاں سے...... جارہے ہو؟ کہ ہاں...... او یہ بغل میں کیا ہے؟ کہ یہ میری کتاب ہے...... اسے پڑھ پڑھ کے دنیا کو پڑھاؤں گا یونیورسٹی میں...... اچھا تم ایک کام کرو ...... کتاب یہیں چھوڑ جاؤ...... تم خود جاؤ...... کہ اگر کتاب یہاں رہ گئی تو وہاں پڑھاؤں گا کیا؟...... کہ واہ محمدؐ...... لو اتنی بات بھی تم مجھ سے پوچھتے ہو...... دیکھو جب بڑے آدمیوں کے بچے گھر سے کالج آتے ہیں تو ان کی بغل میں بستے نہیں ہوتے...... ان کے نوکر پیچھے بستہ لے کر آتے ہیں...... آپؐ تشریف لے چلیں...... آپ کی یہ کتاب آپؐ کا نوکر جبرئیلؑ لے کے حاضر ہوگا...... آپؐ تشریف لے چلیں کتاب وہ لے کر آئے گا...... جائیں آپؐ اور دیکھو ایک بات سنو...... جہاں میں تمہیں بھیج رہا ہوں نا! وائس چانسلر بنا کے ...... وہاں جا کے بالکل نہ پڑھنا...... وہاں پڑھو گے تو میری بنی بنائی بات بگڑ جائے گی...... کیوں بچو...... تم مجھے ایک بات بتاؤ...... تم جو مجھے گھر سے لائے ہو کار میں بٹھا کے بڑی عزت سے اور مجھ سے کہا...... زیدی صاحب ایک تقریر کردو...... اب زیدی صاحب

کھڑے ہوئے یہاں تقریر کرنے...... جیب میں سے نکال کے کتاب اسے پڑھنا شروع کردیا...... آپ نے کہا بسم اللہ...... (کتاب کھول کر دیکھتے ہوئے...... ہاتھ سے ٹھہرنے کا اشارہ) اے قبلہ پڑھو نا کچھ...... (تیسری مرتبہ پھر اسی طرح نظریں کتاب پر اور ہاتھ سے ٹھہرنے کا اشارہ)...... او ٹھہرو ذرا...... پہلے میں تو پڑھ لوں...... سارے لڑکے اٹھ کے چلے گئے...... بھئی کیوں چلے گئے؟...... کہ اس پاگل مولوی کو کون مانے؟ جو یہاں آکے پڑھے...... اب وقت بڑی جلدی جلدی گزر رہا ہے اور افطار کا وقت قریب آتا جارہا ہے...... اس لئے میں بات مختصر کرتا ہوں...... بہر نوع یہاں آکے مکتب کھول لیا...... دیکھو یوں کرو...... پہلے زیادہ طالب علم بھرتی نہ کرنا...... تھوڑی سی کلاس رکھنا...... اپنے گھر والوں کو پہلے جمع کرو...... پہلے ان سے تعلیم شروع کرو...... جب وہ سمجھ جائیں گے پھر اور عوام سے بات کرنا...... پہلے بالکل اپنے اقرب اکٹھے کرو قرابت دار...... پھر اوروں سے بات کرنا...... بہت اچھا یوں نیو کیمپس میں پہلی کلاس چالیس طالبِ علموں کی کھلی...... جو رسولؐ کے اپنے گھر والے تھے...... وہ آکے بیٹھ گئے جناب پڑھنے کے لئے...... اس میں سن و سال کا خیال نہیں...... طالبِ علمی میں سن و سال نہیں دیکھا جاتا...... پڑھنے کے شوق میں بچہ بھی پڑھ سکتا ہے...... بوڑھا بھی پڑھ سکتا ہے...... یہ اور بات ہے کہ بچے کا ذہن تیز ہوتا ہے...... اب مجھے اتنا اچھا یاد نہیں ہوسکتا جتنا تمہیں یاد ہوسکتا ہے...... تو جناب اس میں رسولؐ کا سارا خاندان اکٹھا ہوکے بیٹھ گیا...... چالیس آدمی بیٹھ گئے...... بھئی ہمیں کیوں بلایا ہے؟...... کہ میں نے ایک نئی تعلیم گاہ قائم کی ہے۔ اس میں درس دینا چاہتا ہوں...... اگر میرا علم تم نے پڑھ لیا اور سمجھ گئے تو ساری دنیا کی حکومت تمہارے قدموں میں ہوگی اور عاقبت کی نجات تمہارے پاس ہوگی...... میں ایسی چیز تمہیں بتانے کے لئے آیا ہوں...... کہ اچھا بتادو...... تو میرے محترم سامعین...... اللہ تمہیں سلامت رکھے...... محمد مصطفیٰؐ جیسا معلم اعظم اور اس کی پہلی کلاس...... پہلی کلاس میں اتنے بڑے معلم کی تقریر...... پہلی گفتگو...... تمام طلبہ گوشِ ہوش کھولے بیٹھے تھے۔ سننے کے لئے کہ کیا کہتا ہے؟...... مگر معلم اتنا عالمگیر معلم تھا کہ وہ صرف اس جماعت کا

معلم نہیں تھابلکہ عالمین کا معلم تھا...... عالم کی ہر شے کا معلم تھا...... ادھر اس نے تقریر کرنے کے لئے گلا صاف کیا...... "...... ہم کچھ کہنا چاہتے ہیں" ...... ادھر اس نے کہا ہم کچھ کہنا چاہتے ہیں ...... ادھر کائنات کی ہر شے سراپا گوش بن گئی سننے کے لئے ...... سمجھے نا حضور؟ درختوں کا ہر پتہ کان ہو گیا سننے کے لئے ...... سوا لاکھ انبیاء آسمانِ اول پہ اتر آئے سننے کے لئے۔ اللہ نے کہا ...... ماشاء اللہ ...... قدرت نے کہا ...... سبحان اللہ ...... فطرت نے کہا ...... بسم اللہ ...... اور محمدؐ نے تقریر شروع کی زلفِ الہام کو شانہ ہونے لگا ...... شہپر جبرئیلؑ کو جنبش ہونے لگی ...... اور تقریر میں فرمایا کہ میں تمہارے لئے خیر دنیا اور آخرت لے کے آیا ہوں ...... بولو ایسا کون شاگرد ہے؟ جو علم کو اچھی طرح سمجھ کر اس معاملے میں میرا ساتھ دے اور میرے بعد میری درسگاہ کا پرنسپل بنے ...... بولو کون ہے؟ بس ادھر اعلان ہوا ...... خیر دنیا اور آخرت کا پیغام لایا ہوں ...... چالیس کے چالیس سامعین خاموش بیٹھے رہے ...... مگر ...... دنیا کے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی ...... عالم کی چلتی ہوئی نبضیں رک گئیں ...... جب رسولؐ کی آواز پر لبیک کہنے کے لئے، کونے سے ایک دس سال کا بچہ اٹھا ...... سمجھے نا حضور؟ پوری بچپن کی ادا ...... پیروں پہ مٹی پڑی ہوئی ...... کرتے کے بٹن کھلے ہوئے ...... جیبوں میں خرمے بھرے ہوئے پوری بچپن کی ادا سے کونے سے ایک بچہ اٹھا ...... قبلہ ذرا اب کے فرماؤ کیا کہا ہے؟ ...... یہ اب کے فرماؤ اس لئے کہا تھا کہ کام تو بچے ہی کریں گے آپ کا ...... قربانی دیں گے ...... مر مٹیں گے ...... مگر پہلے ہمیں سمجھا دیں کہ چاہتے کیا ہیں؟ بے سمجھے بوجھے ساتھ ہو لینا عقلمندوں کا کام نہیں ...... پہلے ہم سمجھ لیں کہ کیا کہہ رہے ہو؟ ...... ہماری سمجھ میں بھی آجائے آپ چاہتے کیا ہیں؟ ...... ہاں حضور ذرا اب کے فرمائیں آپ چاہتے کیا ہیں؟ کہ بیٹا، بچے، برخوردار ...... میں یہ کہہ رہا ہوں کہ کون ہے جو معاملے میں میرا ساتھ دے گا؟ ...... بس یہ کہنا تھا کہ کون ہے جو اس معاملے میں میرا ساتھ دے گا؟ ...... بس یہ کہنا تھا کہ کون ساتھ دے گا؟ ...... بچے نے ایڑیاں اٹھا کہ کہا ...... انا ناصرك يا رسول اللهؐ ...... اے اللہ کے رسولؐ میں تیرا ناصر ہوں ...... میں تیری مدد کروں گا ...... "بیٹا ...... یہ بچوں کا

کھیل نہیں" "قبلہ میں جان پہ کھیل کے کہہ رہا ہوں" ...... "بیٹا یہ بڑا مشکل کام ہے" ...... کہ ...... "عالیجاہ ...... میں مشکل کشا جو ہوا" ...... مشکل کام سمجھ کے کہہ رہا ہوں کہ میں تیرا ساتھ دوں گا ...... "یا محمدؐ" نہیں ...... اگر یا محمدؐ کہہ کے وعدہ کرتا تو زندگی بھر وعدہ تھا ...... یارسول اللہؐ، میں تیری نصرت کروں گا، ...... گویا جب تک تیری رسالت ہے، میری نصرت ہے ...... جہاں جہاں تیری رسالت ہے، وہاں وہاں میری نصرت ہوگی، میں تیرے ساتھ کیا ہوا وعدہ پورا کروں گا ...... گویا آج سے دنیا متعارف ہوئی علیؑ سے ...... وہ چالیس آدمیوں کا مجمع جو رسولؐ کی تقریر سن رہا تھا، اس بچے کی طرف دیکھنے لگا ...... رسولؐ نے مسکرا کے کہا "میں بھی یہی چاہتا تھا ...... کہ مجھ سے نظر ہٹے تو اس پہ آکے رکے" ...... دیکھو یہ بچہ کیا کہتا ہے ...... آج طلبہ بچے ...... طالبِ علم بچے ...... اس بچے کی تقلید میں جس نے معلمِ اعظم کے فرمان پہ وعدہ کیا تھا ...... میں تیرا ساتھ دوں گا ...... آج اس کا ذکر کرنے کے لئے نئے کیمپس میں بچے اکٹھے ہیں ...... یہ دیکھنے کے لئے کہ اس دس سالہ بچے نے جو وعدہ کیا تھا کہ تیری تعلیم پر میں عمل کروں گا ...... آیا اس نے کس کس طرح عمل کیا؟ ...... کہیں عمل میں پریشان تو نہیں ہوا ...... افسوس کہ وسعت نہیں اتنی کہ ساری چیزیں بیان کی جائیں ...... اور وقت اس قابل ہی نہیں کہ اس کو سمو سکے اپنے اندر ...... سمجھے ...... ہاں یہ اور بات ہے کہ کبھی وجد میں آکر اس کا ذکر سننے کے لئے گیا ہوا سورج پلٹ کے آجائے ...... یہ بات اور ہے ...... ورنہ یہ وقت ختم ہو جائے گا، ذکر ختم نہیں ہوگا ...... وعدہ کر لیا اس نے کہ میں آپؐ کی تعلیم پر عمل کروں گا ...... اور قیامت تک مسلمان بچوں کو سبق دے گیا کہ مسلمان بچو! ...... اپنے معلم کی بات کو اچھی طرح سمجھ لو ...... اپنے بزرگ کی بات کو اچھی طرح سمجھ لو ...... جو وہ تم سے کام لینا چاہتا ہے، اسے اچھی طرح سے سمجھ لو ...... اس کے ہر پہلو پہ غور کر لو ...... اس کو اچھے طریقے سے اپنے ذہن میں بٹھا لو ...... اور جب تمہاری سمجھ میں آجائے تو آنکھیں بند کر کے نہیں ...... سوچ کے ...... سمجھ کے، غور کر کے ...... پھر اس سے وعدہ کرو تو عمل میں رکاوٹ نہ ہونے پائے ...... عمل میں ہچکچاہٹ نہ ہونے پائے ...... عمل میں پھر رکنا

نہیں ...... پھر عمل اس طرح کرو آنکھیں بند کر کے دنیا حیران رہ جائے ...... کہ اس طرح عمل کیا جاتا ہے ...... لو بیٹو ایک بات اور پھر بات ختم ...... وقت گزر جائے گا اور میں بیٹھ جاؤں گا ...... وعدہ کیا تھا نا عمل کا؟ تو اس طرح آنکھیں بند کر کے کہ عمل کیا ...... جب سمجھ گیا تھا تعلیم کیا ہے؟ ...... جب سمجھ گیا تھا کہ اس کا مقصد کیا ہے؟ جب سمجھ گیا تھا کہ وہ اس سے منوانا کیا چاہتا ہے؟ ...... یہ سوچ سمجھ کر وعدہ کیا تھا تو عمل اس طرح کیا بھائیو ...... لوچو سن رہے ہو بات کو؟ سن رہے ہو؟ پکی بات ہے؟ شاباش ...... سن رہے ہیں بڑے غور سے بچے ...... یہ بھی اتفاق کی بات ہے کہ ایک سفید داڑھی والے کی بات کو نوجوان سن رہے ہیں ...... نہیں تو دو تین مرتبہ میرے ساتھ ایسا اتفاق ہوا ہے، جب میں تم جیسے لڑکوں میں چلا گیا تقریر کرنے ...... تو ان بچوں نے کہا "بابا یہ وی جا ...... کسے بندے نوں گل کرن وے" ...... یہ تو اتفاق ایسا ہے کہ تم میری بات سن رہے ہو ...... آج تم نے مجھے بندہ سمجھ لیا ہے ...... سوچ سمجھ کے جب وعدہ کیا کہ میں تیری نصرت کروں گا ...... یونہی اندھی تقلید نہیں ...... آنکھیں بند کر کے نہیں۔ یونہی ساتھ دوڑ پڑنے والی بات نہیں ...... سوچ سمجھ کے وعدہ کیا تھا میں تیری نصرت کروں گا ...... اس سمجھ کے وعدے کا اثر یہ تھا کہ اس وعدے کے تیرہ سال بعد جبکہ رسولؐ کا سن ہے ترپن (۵۳) سال کا سن پختہ عمر ہے یا نہیں؟ ہیں؟ تجربے کی عمر ہے یا نہیں؟ دنیا کا سب کچھ، جہاندیدگی پوری ہے یا نہیں؟ ترپن (۵۳) سال کا رسولؐ شام کے وقت، اپنے گھر کے اندر کھڑے ہو کر یہ کہہ رہا ہے، ایک انیس سال کے نوخیز نوجوان سے ...... جتنے اس محفل میں اٹھارہ انیس سال کے نوجوان ہیں، وہ میری بات غور سے سنیں ...... ایک اٹھارہ انیس سال کے نوجوان سے، ترپن (۵۳) سال کا رسولؐ کہہ رہا ہے یہ، کھڑا ہو کے ...... بیٹا، برخوردار آج میرے گھر میں خطرہ ہے ...... بڑا سخت خطرہ ہے ...... تو بتاؤ بچو جب گھر کا بزرگ خطرہ بتائے تو بچے کے دل پر کیا گزرے گی؟ ...... ہیں؟ ...... وہ بھی ڈرا ہو گا یا نہیں؟ وہ بھی گھبرایا ہو گا یا نہیں ...... خطرہ ہے قبلہ ...... اور جب اتنا تجربہ کار بزرگ کہہ رہا ہے، خطرہ ہے تو بچہ بھی گھبرایا ہو گا ...... اس انیس سالہ بچے نے گھبرا کے پوچھا ......

قبلہ خطرہ ہے؟ ...... کہ ہاں بیٹا خطرہ ہے ...... "واقعی خطرہ ہے؟" ...... کہ بہت ہی خطرہ ہے؟؟ ...... کہ یقیناً خطرہ ہے ...... پھر قبلہ کیا پروگرام ہو گا؟ ...... میں گھر چھوڑ کے جا رہا ہوں ...... کیوں؟ ...... خطرہ ہے ...... اچھا قبلہ، میں کیا کروں؟ کہ تم یہیں رہو ...... کیوں؟ ...... خطرہ ہے ...... سمجھے آپ۔ اب بتاؤ بچو ...... اگر وہ لڑکا یہ کہہ دے کہ میں تو نہیں رہتا ...... تو کسی اخلاقی ضابطے میں، اس کا یہ انکار کرنا بری بات ہے؟ وہ کہہ سکتا ہے یا نہیں کہ جب خطرہ ہے تو میں بھی نہیں رہتا ...... مگر دنیا حیران ہو گئی یہ سن کے جب اس بچے نے کہا کہ خطرہ ہے؟ کہ ہاں بہت خطرہ ہے ...... پھر ...... کہ میں جا رہا ہوں ...... اور میں ...... ! کہ تم یہیں رہو ...... کہ اچھا میں یہیں ہوں ...... آپ جائیں ...... خطرہ ...... خطرہ ہے ...... تو ہوا کرے ...... میں یہیں رہوں ...... حیرت میں آ گئی ساری دنیا کہ یہ بچہ کیا کہہ رہا ہے؟ ...... تو اسے اس وقت یہ بتایا گیا کہ اس نے سوچ سمجھ کر وعدہ کیا تھا ...... نصرت کا ...... اس لئے یہ کہہ رہا ہے ...... کہ میں یہیں رہوں گا ...... رسولؐ جانے لگے تو اس بچے سے کہتے ہیں کہ بیٹا گھر میں خطرہ ہے ...... خطرہ بڑا ہے ...... بہت ہی خطرہ ہے ...... لہذا چوکس نہ رہنا۔ کیوں؟ خطرہ ہے ...... ہوشیار نہ رہنا ...... کیوں؟ ...... خطرہ ہے ...... خبردار نہ رہنا ...... کیوں؟ خطرہ ہے ...... بے خبر سو جانا ...... کیوں؟ خطرہ ہے ...... ہے نا عجیب بات ...... بالکل بے خبر سو جانا ...... اس لئے کہ خطرہ ہے ...... سمجھے حضور ...... اس نے کہا لیجئے قبلہ میں سو گیا ...... اپنے بستر پہ لیٹ گیا ...... کہ ٹھہرو تمہارے بستر پر خطرہ نہیں ...... میرے بستر پہ لیٹو کہ خطرہ یہاں ہے ...... اب خطرے کا مرکز سمت کے ...... بستر رہ گیا تھا ...... یہاں لیٹو ...... وہاں لیٹ گیا ...... یہاں سو جاؤں؟ کہ نہیں ایسے نہیں ...... اگر میرے بستر پہ تم، تم ہو کے سوئے تو خطرہ نہیں ...... میرے بستر پہ تم، ہم بن کے سوؤ ...... ہیں؟ لیٹو ...... لٹایا اپنی چادر اوڑھا دی ...... اپنا عمامہ سرہانے رکھ دیا ...... اپنے نعلین قریب رکھدیئے ...... اپنی تلوار پاس رکھدی ...... تاکہ دیکھنے والے، سونے والے کو جانے والا سمجھیں ...... ہیں ...... سو جاؤ ...... سو گئے؟ سو گئے ...... صبح تک کروٹ نہیں لی بستر کی سلوٹ گواہ ہے ...... اسی طرح آرم سے سوتا رہا ...... ساری رات سوتا رہا ...... یہ

ہے سوچ سمجھ کر کسی اسکیم کو ...... پھر اس پر نصرت کا وعدہ کرنے کا نتیجہ ...... بے سوچے سمجھے، بغیر سوچے ہوئے وعدہ کر لینے سے یہ استقامت پیدا نہیں ہوتی ...... خوب سمجھ لو کہ ہم نے کیا کام کرنا ہے؟ پھر وعدہ کرو تو اتنا پکا وعدہ کرو ...... سو گیا آرام کے ساتھ ...... سو گیا یا نہیں؟ اور اللہ نے کیا کیا؟ ...... رات کو سوتا دیکھ کر اللہ نے ...... لو جی یہ آخری فقرے ...... سوتا دیکھ کر اللہ نے ...... کیوں جو اللہ بھی کبھی سوتا ہے ...... ہیں؟ نہیں سوتا! اے لو ...... اللہ تو کبھی سوتا ہی نہیں ...... کبھی نہ سونے والے نے آج کا سونا جو دیکھا ...... تو اس نے کہا محمدؐ یہ بڑا کھرا سونا ہے ...... بڑا بہترین سونا ہے ...... میں نے اسے پرکھ کے دیکھا ہے ...... بہت ہی بہترین سونا ہے۔ اس میں کوئی ملاوٹ نہیں ...... یہ سونا میں خرید نہ لوں؟ یہ سونا میں خرید لوں ...... محمدؐ ...... تم درمیانی بن کے یہ سونا مجھے خریدوا دو ...... محمدؐ تھے کہیں اور ...... سونے والا تھا کہیں اور ...... وہیں سے آواز دی ...... سونے والے ...... کہ جناب عالی! ...... وہیں سوتے میں کہا ...... سونے والے ...... ہاں کیا ہے؟ ...... سونا بیچتے ہو؟ ...... "جی ہاں" ...... "کیا لو گے؟" ...... "قبلہ کیا دو گے؟" ...... خریدتا کون ہے؟ کہ کبھی نہ سونے والا اللہ خریدار ہے ...... اچھا! ...... اللہ خریدار ہے؟ ...... پھر بیچتے ہو؟ کہ بیچتا ہوں ...... کیا قیمت لو گے؟ قبلہ بات سنو۔ جب اللہ جیسا خریدار ہو تو قیمت پر جھگڑا کرنا خلاف تہذیب ہے ...... اللہ سے کہدو کہ سونا میرا حاضر ہے، قیمت میں جو اس کی مرضی ہے وہ دیدے ...... جو، مرضی، ہے دیدے ...... بس مرضی قیمت ہے ...... سونا حاضر ہے ...... اللہ نے کہا ...... "منظور" ...... سودا ہو گیا ...... کہ قبلہ یہ ملے گی کب؟ کہ قیامت میں ...... قیامت کا ادھار؟ ...... بیعانہ مل جائے تاکہ سودا پکا ہو جائے ...... اللہ نے بیعانے میں جنت دے دی ...... جنت تیری قیمت نہیں ...... یہ بیعانہ ہے ...... جنت پہ قبضہ کر لیا ...... سمجھے نا حضور ...... ہوئی جو شادی تو وہی جنت ...... جو اس دن بیعانے میں ملی تھی ...... منہ دکھائی میں بیوی کو دے دی ...... خریدی تھی شوہر نے ...... خاتون جنتؑ کہلاتی ہے بیوی ...... بیوی نے بچوں کے نام کر دی ...... رسولؐ نے رجسٹری کر دی ...... انتقال کی ...... الحسنؑ و الحسینؑ سید شباب اهل جنة ...... باپ نے

خریدی ...... ماںؑ ملکہ بنی۔ حسنینؑ مالک بنے ...... بقول شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے اللہ نے جنت کے صدر دروازے پہ یہ نام لکھ کر لگا دیئے۔ محمدؐ، علیؑ، فاطمةؑ، حسنؑ، حسینؑ ...... انشاءاللہ ...... نیو کیمپس کے نوجوانو! ...... تم چلنا جنت میں ...... چلو گے یا نہیں؟ ہیں؟ جاؤ گے نا؟ ...... (آوازیں، انشاء اللہ) ...... انشاء اللہ کی کیا بات ہے؟ ...... جائیں گے ...... وہاں ضرور جانا ہے ...... وہاں جاؤ گے ...... مجھے بھی آواز دے لینا ...... سواد آجائے گا ...... جب دروازے پہ یہ نام لکھے دیکھیں گے نا ...... اگر کسی فرشتے نے روکا بھی تو کہہ دینا۔ "فرشتے ہٹ جا ہمارا وقت ضائع نہ کر ...... یہ نام نہیں دیکھتا ...... اندر تو محفل ہو رہی ہے ...... زیدی تقریر کر رہا ہو گا ...... چلو چلیں اندر" ...... انشاء اللہ یہ نام دیکھ کے ہم فوراً پہنچ جائیں گے ......

تمہاری محفلوں کو اللہ قبول کرے ...... تمہارے اندر تقویت دین عطا فرمائے ...... دینی محفلیں منعقد کرنے کا تم میں شوق اور شعور پیدا کرے ...... جب کوئی دینی محفل منعقد کیا کرو اگر میری صحت ٹھیک ہو تو مجھے ضرور بلایا کرو ...... آج تو بیماری کے عالم میں، میں نے چند منٹ آپ سے باتیں کر لیں ہیں ...... مجھے بلایا کرو ضرور ...... خدا تمہیں خوش رکھے ...... اللہ تمہیں سلامت رکھے ...... خوب سوچ کے سمجھ کے ...... غور کر کے ...... ذہن میں بٹھا کے ...... ہر پہلو اور نشیب و فراز کو دیکھ کر جو عزم کر لو پھر اس پر جم جاؤ۔ سمجھے؟ اللہ تمہیں سلامت رکھے ...... خدا تمہیں خوش رکھے ...... خدا حافظ ...... فی امان اللہ ......

انسان اور انسانیت

عنوان

فضائل — اِنسان اور اِنسانیّت

مصائب — شہزادگانِ عونؑ و محمدؑ

کبھی یہ پوچھنا چپکے سے گوشِ مادر میں
ہمارے نانا کا کیا سن تھا جنگِ خیبر میں

"اُستاد قمر جلا"

انسان اور انسانیت

میں آج گفتگو یہاں سے شروع کرنا چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو کسی خاص مقصد کے لیے خلق فرمایا ہے اور سب سے بڑا مقصد یہ ہے اور سب سے بڑی بات جو اللہ ہم سے چاہتا ہے...... وہ یہ ہے کہ اس نے ہمیں انسان پیدا کیا ہے...... تو ہم میں انسانیت ہو...... جسے اس نے انسان بنایا ہے وہ دنیا میں انسان بن کے رہے...... فرشتہ بنانا ہمارا یہ بھی اس کا مقصد نہیں اور ہمارا حیوان بن جانا یہ بھی اس کی مشیت کے خلاف ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ انسان ...... انسان ہی بن کر دنیا میں رہے سمجھے نا...... ! حضور...... میرے محترم سامعین میں آسان ترین الفاظ میں آپ سے کہنا چاہتا ہوں کہ ہمارے لیے حیوان بنا انتہائی آسان ہے...... فرشتہ بنا انتہائی آسان ہے۔ اگر کوئی ذات مشکل ترین ہے ہمارے لیے تو وہ انسان بنا ہے...... مثلاً خدا نخواستہ اگر ہم ابھی حیوان بنا چاہیں...... تو یہ مشکل بات نہیں...... انسان کو بھی بھوک لگتی ہے...... اس بھوک کے معاملے میں ہم مشترک ہوئے یا نہیں...... اب فرق کیا ہے؟...... کہ حیوان کو بھی بھوک لگی۔ وہ گھر سے چلا بھوک میں...... اس کے سامنے جو آیا وہ کھا گیا۔ اس نے یہ نہیں سوچا اپنا ہے یا پرایا...... جائز ہے یا ناجائز...... مناسب ہے یا نامناسب...... اس نے کھا لیا یہی اس کا مقصد ہے...... بغیر کسی سے پوچھے...... اور اگر میں بھی اسی طرح اپنی بھوک کا انتقام کر لوں اور کھا جاؤں اور نہ سوچوں کہ جائز ہے یا ناجائز...... مناسب ہے یا نامناسب...... آپ نے چارہ منگایا تھا...... اپنے جانور کے لئے۔ کھا گیا ہمسائے کا جانور ...... آپ نے اُس کے چار ڈنڈے مارے...... دیکھنے والے اس کے حمائتی ہو گئے ...... ارے بھائی جانے بھی دو حیوان ہے بچارہ...... سارا چارہ کھا گیا۔ پھر بھی اس کے حمائتی...... سارا کھیت کھا گیا پھر بھی اس کے حمائتی...... ہمارا پورا باغ ہضم کر گیا پھر بھی اس کے حمائتی...... تو حیوان بنا بڑا ہی آسان ہے...... فرشتہ بنا بڑا ہی آسان ہے...... آپ نے بازاروں میں تو کئی "ولی اللہ" دیکھے ہوں گے...... ہر کوئی کہہ رہا ہے کہ فرشتہ نظر آ رہا ہے۔ ولی نظر آ رہا ہے...... یہ انسان بھی کتنا

عجیب ہے کہ اگر ماننے پہ آجائے تو "بازاری" کو...... ولی...... مان لے نہ ماننے پہ اڑ جائے تو علی کو ولی نہ مانے...... نہ اللہ انسان کا حیوان بننا پسند کرتا ہے نہ فرشتہ بننا پسند کرتا ہے وہ کہتا ہے کہ اے انسان ...... انسان بن...... آرام سے رہ...... اچھا لباس پہنو...... اچھی خوراک کھاؤ...... خوشبو لگاؤ...... نماز پڑھو...... اور امن سے زندگی بسر کرو...... یہ چاہتا ہے اللہ آپ سے...... یہ نہیں کہ ساری رات بلند آواز سے چیختا رہے...... نیند آتی نہیں ...... بے کاری کا مشغلہ ہے...... بلند آواز سے چلائے جارہا ہے کہ "...... میرے مولا بلا لو مدینے مجھے "...... اب مولاؑ کو کیا غرض پڑی ہے بلانے کی ...... اب مولاؑ کے پاس بھی جانا ہے تو مولاؑ کو ہی کہا جارہا ہے کہ خود ہی بلا لے...... خود جاؤ...... ہمسایوں کو تنگ کرنے کی کیا ضرورت ہے...... تم خود جانے کی تیاری کرو...... خود ارادہ کرو...... تو بلائے...... صبح کی نماز قم میں پڑھو...... ظہر کی نماز مشہد میں پڑھو...... عصر کی نماز کاظمین میں پڑھو...... مغرب کی نماز کربلا میں پڑھو ...... عشاء کی نماز نجف میں پڑھو...... پھر اسے بلانے کا مزا بھی آئے ...... حلال کماؤ...... حلال کھاؤ...... آرام سے رہو...... مگر یہ حالت انسان میں پیدا ہو گئی ہے...... حضرت نوحؑ کے طوفان کے بعد ...... دو لفظوں میں بیان کرتا ہوں ...... ہے تو لمبی چوڑی...... تاریخ کی بات ...... یہ ہے کہ حضرت نوحؑ کے طوفان کے بعد ...... ان کے بیٹوں کی نسل دنیا میں پھیل گئی ...... ان کے بڑے بیٹے کا نام تھا ...... سام ...... دوسرے بیٹے کا نام تھا...... یافث ...... ایک سام دوسرے یافث اور تیسرے تھے حام ...... "سام...... حام...... یافث" ...... سام چونکہ بڑے بیٹے تھے لہذا سام کے بیٹے نے حکومت سنبھالی ...... یافث اور حام کی اولاد اس کی رعایا ہو گئی ...... صرف اس لئے سام کی اولاد نے حکومت سنبھالی کہ وہ بڑے بیٹے کی اولاد تھے ...... چونکہ سو پچاس برس اسی طرح گزر گئے تو یافث اور حام کی اولاد یہ سمجھ بیٹھی کہ ہم دنیا میں پیدا ہی اسی لئے ہوئے ہیں کہ رعایا بن کر رہیں اور سام کی اولاد یہ سمجھ بیٹھی کہ ہم دنیا میں پیدا ہی اس لئے ہوئے ہیں کہ حکومت کریں ...... تو ہر وہ حکومت جو بغیر کسی دلیل کے محض "بڑے پن" کے دوسرے پر قابض ہو جائے تو وہ آج بھی "سامراج" کہلاتی ہے۔ تو میں عرض یہ کر رہا تھا کہ انسان

کو دنیا میں انسان بن کر رہنا چاہیے۔ یہ اللہ کا احسان ہے کہ اس نے ہمیں انسان پیدا کیا ہے لہذا انسان ہی بن کر رہے ...... آپ حضرات کی خدمت میں ایک نکتہ پیش کرنا ہے اور نقطے کی حیثیت بھی بڑی ہے ...... اسے پڑھنے کے لئے احتیاط کی ضرورت ہے ...... ایک نقطے کے بدلنے سے خدا "جدا" ہو جاتا ہے ...... تو عرض کرنا چاہتا ہوں کہ انتخاب کا ترجمہ بنتا ہے چھانٹنا ...... چننا نہیں ہے۔ اور چننے کے لئے اصطفیٰ۔ اس کا اصطفیٰ ہوتا ہے جو چنا ہوتا ہے ...... اور جس کا انتخاب ہو "چھنٹا" ہوا ہوتا ہے ...... اور اللہ کے چنے ہوئے میں معاذ اللہ کوئی شبہ ہو سکتا ہی نہیں۔ غلطی کا شائبہ تک نہیں۔ اگر چنے ہوئے میں ذرا سی بھی غلطی نکل آئے تو وہ چننے والے کی بھی غلطی ہے ...... اور اگر غلطی نکل آئے تو یا اس میں خرابی ہے یا چننے والے نے غلط چنا ...... ایک بات ہے اگر آپ حضرات کی سمجھ میں آجائے ...... کہ ایک شخص نے بڑی خوبصورت کوٹھی بنوائی ...... عظیم الشان ...... لاکھوں روپیہ خرچ کیا اس کے بنانے میں ...... اس میں ایک بڑا قیمتی کمرہ بھی بنوایا...... بھلا سا نام ہوتا ہے ...... بتائیں آپ...... آپ پتہ نہیں اس کا کیا نام ہے ...... ڈرائنگ روم ...... ہاں...... یہی ہے ...... ڈرائنگ روم ...... ہاں نا! نام ڈرائنگ روم اس لئے کہ غریب لوگ اس کو دیکھ کر ڈر جاتے ہیں ...... اسے سجایا گیا ...... امریکہ سے تحفے منگوائے ...... ایران سے قالین منگوائے ...... ہر ملک سے کچھ نہ کچھ منگوایا لاکھوں روپے لگائے۔ شہرت ہو گئی ...... کوٹھی بنی ...... ڈرائنگ روم تو سبحان اللہ ...... اب جو شور مچ گیا نا ...... عام ...... ایک نابینا بھی چلا گیا ...... جاتے ہی چیزوں سے ٹکراتا گیا ...... لاحول ولا ...... "اب نظر خود کو نہیں آتا" ...... اگر آنکھ ہوتی تو جلوہ دیکھتا ...... خرابی چیز میں نہ تھی دیکھنے میں خرابی تھی ...... تو صاحبان! آدمؑ سے لے کر خاتمؐ تک کسی میں کوئی عیب ہو سکتا ہی نہیں، ان میں غلطی ہو سکتی ہی نہیں ...... نبی ہر شے کا علم رکھتا ہے۔ یہ خالق کا تخلیقی کمال ہیں اور اس کے کمال میں نقص بتانا یہ اپنی بے ہنری بتانا ہے ...... یہ جہالت کی دلیل ہے۔ سارے انبیاء کا بادشاہ نبی تھا ہمارا نبیؐ ...... اب کئی صاحبان بتاتے ہیں کہ جب پہلی وحی آئی، اس کے پاس جبرائیلؑ نے آکر وحی سنائی ...... تو وہ ڈر گیا...... جبرائیلؑ کو پہلی دفعہ دیکھا تھا ڈر

گیا...... ڈرے ہوئے گھر آئے آکر بیوی سے کہا...... ام المؤمنین کو بتایا...... کہ مجھے آج یہ واقعہ پیش آیا...... وہ بچاری اسے اپنے بھائی کے گھر لے گئی...... اور ان کے بھائی کا نام تھا "ورقہ" اس "ورقہ" نے سارا قصہ سنا اور کہا کہ "واقعی سچ مچ ہے۔" "کہا کہ "ہاں" کہ پھر تو تم نبیؐ ہوگئے ہو...... اچھا تو یہ بات ہے...... کہ ...... ہاں ...... اب ایک فقرہ کہتا ہوں۔ صاحبان ذوق کے لئے کہ...... اب بتایئے کہ جو نبی ہو صاحب ام الکتاب...... اس نبی کو سمجھائے گا کون...... ایک ورقہ...... اسے سمجھا رہا ہے ایک ورقہ...... اس کا علم کہا ...... اس کی تعلیم کہا...... اس کی عقل کہا...... جس درجے پر وہ فائز ہوتے ہیں، وہاں تک ہماری عقل کی رسائی نہیں۔ ہمارا فہم ان تک پہنچ نہیں سکتا...... وہ انسان بنانے کے لئے آتے ہیں، ہم بننے کے لئے آئے ہیں...... انسان کو انسان بنانے کے ان کے پاس مختلف طریقے ہوتے ہیں...... وہ انسان کو انسان بناتے ہیں پاس بٹھا کے...... جتنے ذرائع ہو سکتے ہیں سمجھانے کے وہ استعمال کرتے ہیں...... دیکھو اگر تم انسان بننا چاہتے ہو تو اس طرح کرو کہ مجھے تمام کام کرتے ہوئے دیکھتے چلو...... میں جس طرح نماز پڑھتا ہوں۔ مجھے دیکھ کر ویسی ہی پڑھو۔ اب جو دیکھا ہے، اس میں سب کچھ آتا ہے نماز پڑھتا کس طرح ہے ...... کھڑا کس طرح ہوتا ہے...... رکوع کس طرح کرتا ہے...... سجدہ کس طرح کرتا ہے۔

دیکھو...... کس کو...... رسولؐ کو...... دن میں پانچ دفعہ دیکھا...... اب اندازہ لگا لو کہ زندگی میں کتنی ہزار دفعہ دیکھا ہوگا۔ کتنی ہزار دفعہ دیکھی ہوئی لاکھوں صحابیوں کی نماز...... آج تک وہ نماز متنازعہ ہے کہ کس طرح پڑھی جائے...... کوئی ہاتھ باندھ کے پڑھتا ہے...... کوئی ہاتھ کھول کے پڑھتا ہے...... اس نماز کو جس کو ہزاروں مرتبہ صحابہ نے دیکھا اس کا پتہ نہیں کہ ہاتھ کھول کر پڑھنی ہے یا باندھ کر پڑھنی ہے...... اگر رسولؐ نے ہاتھ باندھ کر پڑھی تھی تو کھولنا غلط اور اگر ہاتھ کھول کر پڑھی تھی تو ہاتھ باندھنا غلط...... او یہ فیصلہ نہیں کر سکے مسلمان...... ہاتھ باندھنے والے کو ہاتھ کھولنے والے غلط کہہ رہے ہیں اور ہاتھ کھولنے والے کو ہاتھ باندھنے والے برا کہہ رہے ہیں...... اور جو نہ

باندھتے ہیں نہ کھولتے ہیں...... انہیں کوئی پوچھنے والا ہے ہی نہیں...... جو ہزاروں مرتبہ دیکھی ہوئی نماز کا مسلمان فیصلہ نہ کر سکے...... کہ ہاتھ کھول کر پڑھی تھی یا کہ ہاتھ باندھ کر پڑھی تھی...... اب بتائیں ایمان سے...... کہ جس قوم کو اپنے رسولؐ کے لاکھوں دفعہ دیکھے ہوئے ہاتھ یاد نہیں رہے، اس قوم کو اگر ایک دفعہ کے اٹھائے ہوئے ہاتھ یاد نہ رہیں تو کون سی بڑی بات ہے...... تو اللہ نے ہمارے لئے رسول اس لئے بھیجے کہ اے رسولؐ انہیں انسان بناؤ...... انہیں نماز روزہ سکھاؤ...... انہیں جینے کا طریقہ سکھاؤ، انہیں بسنے کا سلیقہ سکھاؤ۔ بھائی بھائی کے تعلق بتاؤ۔ رشتہ داروں کے حقوق بتاؤ یہاں تک کہ سوا لاکھ تک انبیاء بھیجے...... صرف سمجھانے کے لئے...... ایک لاکھ چوبیس ہزار تک تو کتابوں میں تعداد ملتی ہے...... یا اللہ جب انبیاء کا سلسلہ ختم ہوگیا...... اس کے بعد جو ہم پیدا ہوئے...... ہمارا کیا قصور ہے؟...... پہلے لوگوں میں تو سمجھانے والے نبی موجود تھے اور ہم نے کون سا قصور کیا ہے...... اب کیا بنے گا...... اللہ کہتا ہے کہ میں نے نبوت ختم کی ہے ہدایت تو ختم نہیں کی...... نبوت الگ بات ہے، ہدایت الگ بات ہے...... قبلہ! ہدایت کیسے قائم ہے؟ اب اس بات کی وضاحت کرتا ہوں یہ اپنی بات ہے۔ یہ ہمارے یو۔پی کی بات ہے۔ یہ ہمارے ہاں طریقہ ہے...... کہ ہمارے ہاں ایک درخت ہوتا ہے "آم" اس کثرت سے کہ...... "عام" بس عام...... آم...... "عام" تھے اور ہم یو۔پی والوں کو اتنا پیار تھا...... آم سے کہ یہ جی نہیں چاہتا تھا کہ یہ پھل ہمارے ملک سے باہر نکلے...... اسے اپنے علاقے میں محدود رکھنے کے لئے ہم نے اس کی ٹانگیں توڑ کے اسے لنگڑا کر دیا ...... مگر اسے لنگڑا بنا دینے کے باوجود...... وہ لاہور میں بک رہا ہے...... کراچی میں بک رہا ہے...... نامراد تو یہاں کیسے آگیا...... تجھے تو "وہاں" کے لئے چھوڑ آئے تھے...... تو صاحبانِ ذوق...... جس کا دل "گھر" میں نہ لگے اسے کون روکے...... یہ آم کی بات تھی ...... بالکل مختصر کرتا ہوں حضور والا!...... خیر...... آم ہوا کرتے تھے ہمارے علاقے میں۔ بعض بڑے اچھے بڑے میٹھے ہوتے تھے اور بعض ذرا ترش...... حالانکہ ہوتے ایک ہی "باغ" کے تھے۔ بعض میں مٹھاس بہت زیادہ تھی اور کئی بڑے ترش...... حالانکہ وہ

”میٹھے“ آم کے ”دائیں بائیں“ اکثر ہوا کرتے تھے مگر تاثیر وہ نہ تھی ..... ذرا غور سے سننا اور کوئی بات یاد نہ رہے گی تو یہ آم کی بات یاد رہے گی ..... خدا تمہیں سلامت رکھے ..... اب آم میں ہر سال میوہ آتا تھا..... کئی سال گزر گئے ..... سالہا سال بیت گئے ..... اب کیا ہو گیا..... اب ”فصل“ نہیں ہو گی ..... اس کی دلیل کیا ہے؟ ..... کہ یہ ”بلا فصل“ ہے۔ جب ”فصل“ ختم ہوئی تو اب ہو گیا..... ”بلا فصل“ ..... پریشان ہو گئے کہ اتنا قیمتی پھلدار درخت ..... فصل آتی نہیں ..... اسے کیسے باقی رکھا جائے؟ ..... تو مالی نے جاننے والے سے کہا..... کہ اس کا طریقہ میں بتاتا ہوں ..... اسے ”بلا فصل“ ہو جانے دو اسے ختم ہو جانے دو ..... ایک آم کا پودا..... جس کی جنس کا پودا..... آم ہی کا پودا..... اسے گھر میں اگاؤ ..... اور جب تمہارے گھر میں اگا ہوا پودا ذرا ”سیانا“ ہو جائے نا! تو اسے ختم ہونے والے درخت کے نیچے رکھ دو..... اور اس جیسی آب و ہوا ہی میں اسے رہنے دو اور اس ختم ہونے والے کی ایک شاخ اس پودے کے ساتھ پیوند کر دو ..... اور اگر پیوند ہو جائے پکا تو شاخ کو کاٹ دو ..... کہ اس قلم کو لے کر پھر اپنے گھر چلا جائے ..... نیا درخت تیار ہو جائے ..... باغ عالم میں شجر نبوت نے ایک لاکھ چوبیس ہزار بہاریں دیکھیں..... اور نبوت کا شجر جب بلا فصل جو ہوا..... تو اللہ نے اسی جنس کا..... جس جنس کی نبوت تھی..... ایک پودا اپنے گھر اگایا..... پودا اتنا زور دار تھا کہ گملے میں شگاف آگیا ..... اب جو اللہ کے گھر میں اگا ہوا نبوت کا پودا..... اسی جنس کا..... اب جو ذرا پر پرزے نکلے ..... تو اسے ختم ہونے والے شجر نبوت کی آغوش میں دے دیا..... تاکہ آب و ہوا بھی ویسی ہی مل سکے اور ذرا سنبھل جائے ..... اب اس آب و ہوا میں جب ذرا شاداب ہوا ..... تو اس ختم ہونے والے شجر نبوت کی ایک ہری بھری شاخ ..... کا پیوند لگ گیا..... اور یہ پودا اس شاخ کو لے کر اپنے گھر آگیا..... وہ ”ختم“ ہونے والا تھا قیامت تک کے لئے ”قائم“ ہو گیا۔ میرے محترم سامعین! ..... اب ادھر ایک نیا درخت تیار ہو گیا..... ختم ہونے والے درخت کا نام آپ ”نبوت“ رکھ دیں۔ قائم رہنے والے کا نام ”امامت“ رکھ دیں ..... جنس دونوں کی ایک ہے ..... معصوم کی معصوم سے ہوئی قلم بندی جناب

والا! اب نئی شے تیار ہو گئی..... نبوت کے پلنے کا انداز اور تھا..... امامت کے پلنے کا انداز اور تھا..... اب جو درخت بنا ہے ..... نبوت و امامت کے اتصال سے ..... اس کے جو ثمر ہوں گے ان میں نبوت کا اثر بھی ہو گا امامت کا اثر بھی ہو گا ..... اسے میں مختصر کرتا ہوں حضور والا! ..... اس نئے درخت پہ ثمر آنا شروع ہو گئے ..... بالکل مختصر کر دیا ہے میں نے اپنی بات کو ..... ثمر آنے شروع ہو گئے اس درخت پر۔ میرے سامعین! اس نئے شجر پر پہلا ثمر آیا ہے ..... وہ تو ہرا ہی پک گیا..... وہ ہرا ہی پک گیا..... اور دوسرا ثمر جو آیا وہ سرخ ہو گیا..... اور باغیوں میں بٹ گیا..... جب دو ثمر آچکے ایک حسنؑ اور ایک حسینؑ ..... کائنات کئی دفعہ ختم ہو ..... اور پھر بنے ..... مگر کسی ماں باپ کے حسنؑ حسینؑ جیسے بیٹے نہ ہوں گے ..... علیؑ کی لاکھ فضیلتیں سہی ..... سیدہ کے لاکھ شرف سہی ..... مگر جب یہ کہا جاتا ہے ..... حسنینؑ کا ابا..... حسنینؑ کی اماں ..... ان کی شان ہی اور ہو جاتی ہے ..... کہاں کسی کی ایسی اولاد ..... کہاں کسی کے ایسے بیٹے ..... کسے نصیب میں ملے ..... اب اس شجر میں جو ثمر آیا حسنؑ اور حسینؑ کے بعد ..... اس کی شان ہی اور تھی ..... اور علیؑ نے اس ”ثمر“ کو سفید رومال میں لپیٹا ..... لپیٹ کے رسولؐ کے سامنے لے آئے ..... قبلہ حضور نے یہ ”نعمت“ فرمائی ہے ..... رسولؐ نے علیؑ کو دیکھا..... باپ کو دیکھا پھر بیٹی کو دیکھا..... اور فرماتے ہیں کہ یہ تو اپنے باپ کی زینت ہے ..... علیؑ کو بڑا پیار ہے ..... بے انتہا پیار ہے اس ”نعمت“ سے ..... جس کا نام ”زینبؑ“ ہے ..... جب بھی باہر سے گھر میں آتے تھے ..... پہلی بات پوچھتے تھے۔ میری زینبؑ بیٹی کہاں ہے ..... باپ کے ساتھ بیٹھ کے کھانا کھاتی ..... باپ کی گود میں کھیلتی ..... سیدہؑ فرمایا کرتیں ..... یا علیؑ ہے تو بیٹی مگر مجھ سے زیادہ آپؑ سے پیار کرتی ہے ..... باپ کی گود میں اکثر سو جاتی ..... ہر وقت باپ کا ہی خیال رہتا ..... اور علیؑ سیدہؑ سے کہتے کہ فاطمہؑ مجھے اس بیٹی کو اٹھا کے اتنا سکون ملتا ہے، میں اتنا مانوس ہوں اس بیٹی سے کہ بیان سے باہر ہے ..... اب حضور ..... پیدل چلنے لگی ..... زینبؑ بیٹی ..... باپ کے ساتھ ٹہلا کرو ..... معصوم پیدل چلنے کی عادت ڈالنے لگے تو خاندان کے افراد پریشان ہو گئے ..... جب چار سال کی تھی کہ ماں کا سایہ سر سے

اٹھا۔ ماں نے وصیت کیا کی تھی۔ بیٹی سے ...... کہ ہے تو زینبؑ ...... ہے تو بیٹی ...... یہ حسنؑ اور حسینؑ تیرے بھائی ہیں ...... اب میں جا رہی ہوں ...... اب یہ بن ماں کے ہو رہے ہیں۔ ان سے اتنا پیار کرنا کہ انہیں ماں یاد نہ آئے ...... اب بھائیوں نے کیا کیا ...... جب حسنؑ یا حسینؑ گھر آئے زینبؑ کو سلام کا موقع نہیں دیا ...... بلکہ پہلے کہدیا گھر میں داخل ہوتے ہی ...... بہن سلام ...... اب میرے معزز سامعین یہ شریف ترین خاندان زمانے کا ...... روانہ ہو رہا ہے مدینے سے ...... روانہ ہوئے مدینہ سے ...... اٹھائیس رجب تھی ...... آدھی رات کا وقت تھا ...... سیدانیوں کی محملیں اور ناقے دروازے کے ساتھ آ کے بٹھائے جا رہے تھے ...... ایک ناقہ بیٹھتا اور خاندان کے نوجوان آواز دیتے ...... محلے والو ...... ہوشیار فلاں خاتون سوار ہو رہی ہے ...... وہ خاتون سوار ہو جاتی ...... ناقہ چلا جاتا ...... سب کے بعد سیاہ پردے لگے ہوئے ناقہ آیا۔ دروازے پر ...... اور آکر بٹھایا گیا اور قمر بنی ہاشمؑ نے آکر آواز دی ...... محلے والو ...... کوئی شخص باہر نہ نکلے ...... کوئی سوار ہو کر نہ گزرے ...... دروازے بند ہوں ...... کوئی چہ شور نہ مچائے ...... اب بنت علیؑ سوار ہو رہی ہیں ...... ادھر حسینؑ اصحاب میں ہیں رشتہ داروں میں ہیں ...... حسینؑ اٹھے ...... بھائیو! اب اجازت دینا ...... میں خود جا کے ذرا زینبؑ کو سوار کرادوں ...... امام آئے ...... بہن کو سوار کرایا۔ ایک بازو حسینؑ کے ہاتھ میں ایک بازو علی اکبرؑ کے ہاتھ میں ...... عونؑ و محمدؑ نعلین سنبھالے ہوئے ...... عباسؑ نے محمل کا پردہ اٹھایا ...... اب جو محمل کے قریب آئیں ...... تو فرماتی کیا ہیں؟ ...... حسینؑ بھائی میرا بازو چھوڑ دو ...... اکبرؑ بیٹے میرا ہاتھ چھوڑ دو ...... امامؑ فرماتے ہیں ...... بہن کیا بات ہے ...... کچھ نہیں ذرا میرے بیٹے زین العابدینؑ کو آواز دو ...... زین العابدینؑ آگئے ...... زین العابدین بیٹا زینبؑ کو تم سوار کراؤ ...... اور سوار ہو گئیں ...... جناب زینبؑ ...... اور عبداللہ ابن جعفر طیارؑ محمل کے پاس خاموش کھڑے ہیں ...... صرف اتنا کہا کہ "خدا حافظ" ......

میرے محترم سامعین! میں بات کو مختصر کرتا ہوں۔ یہ لوگ مکے پہنچے ...... اور جب مکے سے حسینؑ روانہ ہوئے ...... تو شہر مکہ سے نکل کے یہ قافلہ ایک میل پہنچا

ہوگا ...... کہ ایک آواز آئی ...... حسینؑ ٹھہرو ...... اور حسینؑ ٹھہر گئے۔ قافلہ ٹھہر گیا ...... گھوڑے کو روک کر حسینؑ نے آواز کی طرف دھیان دیتے ہوئے قافلے میں کہا کہ عباسؑ بھائی دیکھو کس کی آواز ہے؟ ...... حضور نے ادھر دیکھ کے کہا ...... غالباً عبداللہؑ آرہے ہیں ...... شوہر حضرت زینبؑ ...... مکے سے ...... سب لوگ اتر گئے ...... عبداللہ آگئے ...... آئے کس شان سے ...... ایک ہاتھ عونؑ کے کندھے پہ اور ایک ہاتھ محمدؑ کے کندھے پہ ...... پہنچے ...... امامؑ نے فرمایا کہ کیوں تکلیف فرمائی ...... میں تو ابھی مل کے آیا تھا ...... حسینؑ ایک کام رہ گیا تھا ...... ایک بات رہ گئی تھی ...... اور عونؑ و محمدؑ سے کہا کہ چلو! مجھے اس ناقے کے قریب لے جاؤ ...... جہاں تمہاری اماں بیٹھی ہے ...... عونؑ و محمدؑ لائے ناقہ بٹھایا گیا ...... عبداللہ مخاطب ہوئے ...... علیؑ کی بیٹی جا رہی ہو ...... اور زینبؑ جواب میں کہتی ہیں ...... ابن عم تیری اجازت نہ ہو تو اتر آؤں ...... میں تو تیری اجازت سے جا رہی ہوں ...... مگر یاد رکھنا کہ حسینؑ کے بغیر زینبؑ کا جنازہ اٹھے گا ...... عبداللہؑ بولے میں روکتا کب ہوں ...... میں تو تاکید کرنے آیا ہوں کہ جاؤ تو ضرور مگر زہراءؑ کی بیٹی تو جعفر طیار سے رئیس کی بہو ہے اور سفر کا معاملہ ہے ...... ملک عراق کا سفر ہے ...... حسینؑ پہ جیسی قیمتی شے تیرے ساتھ ہے ...... خالی ہاتھ جا رہی ہو ...... اگر کہیں حسینؑ پہ مصیبت بن گئی ...... اور مصیبت کو ٹالنے کے لئے اگر صدقہ دینا پڑا ...... تو کیا کرو گی تم خالی ہاتھ جا رہی ہو ...... اور عونؑ و محمدؑ کے ہاتھ زینبؑ کے ہاتھ میں دے کے کہا کہ یہ دونوں بچے حاضر ہیں ...... انہیں بھائی کا صدقہ کر دینا ...... اپنی طرف سے صدقہ کر دینا ...... اب زینبؑ نے بیٹوں کو باقی زندگی عونؑ و محمدؑ کہہ کے نہیں پکارا ...... بھائی کا صدقہ کہہ کے پکارا ......

معزز سامعین کرام! ...... رات کے ایک بجے کا وقت ...... امام مصلے پر بیٹھے ہوئے ہیں کہ اتنے میں جناب فضہ آئیں، فرماتی ہیں حسینؑ ...... بہن نے یاد کیا ہے ...... حسینؑ آئے ...... کیا دیکھتے ہیں ...... زینبؑ کے ایک طرف عونؑ کھڑے ہیں ...... ایک طرف محمدؑ کھڑے ہیں ...... حسینؑ نے آتے ہی کہا ...... زینبؑ سلام ...... فرماتی ہیں

حسینؑ تھوڑی دیر کے لئے مجھے بہن نہ کہنا...... تجھے میں نے بھائی سمجھ کے اب نہیں بلایا ...... میری بات سنو...... تم ہو حیدرؑ کے بیٹے...... میں جعفر طیار کی بہو ہوں...... آج میں حیدرؑ کے بیٹے سے جعفرؑ کے پوتوں کے لئے شہادت کی بھیک مانگتی ہوں...... اور بھائیو قصہ ختم ہوتا ہے......بات ختم کرتا ہوں...... صبح ہوئی...... ایک ایک شہید کی لاش آتی رہی خیمے میں......اور زینبؑ پوچھتی رہیں کہ ابھی عونؑ و محمدؑ زندہ ہیں...... ابھی عونؑ و محمدؑ کی لاشیں نہیں آئیں...... بچے گھر میں آگئے۔ اماں سلام...... ہائیں ابھی تم زندہ ہو...... میں تو صبح سے مصلے بچھائے بیٹھی ہوں کہ تمہاری لاشیں آئیں اور میں سرخرو ہو جاؤں ...... تم ابھی تک میدان میں نہیں گئے...... دروازے تک آئی...... بچے میدان میں گئے ...... لڑتے رہے...... خیموں سے صدا بلند ہوئی کہ زینبؑ کے بچے شہید ہوگئے......کہا زینبؑ کہاں ہے؟...... رک گئے...... دیکھا کہ سجدے میں ہیں...... امام لاشیں لے کے آئے...... یااللہ تیرا شکر ہے...... اب جو ماں آئی بیٹوں کی لاشوں پر بیٹھ گئی...... بیٹھی ہی تھی کہ چھوٹے کے لب ہلے...... کیا کہنا چاہتا ہے...... بچہ کہہ یہ رہا تھا...... اماں اب تو تُو راضی ہوگئی ہے نا! ہم پیاسے تھے...... ورنہ بڑی دور اور دیر تک لڑتے...... اور زینب سر کے بال چوم کر...... ماتھے کے زخم چوم کر کہہ رہی ہیں کہ میرے بیٹو! اگر کبھی جھڑکا ہو تو معاف کرنا...... عونؑ و محمدؑ...... میں تمہاری شکر گزار ہوں...... اب میری ایک اور بات یاد رکھنا۔ ابھی تھوڑی دیر بعد تم اپنے نانا حیدر کرارؑ کے پاس پہنچو گے...... کوثر کے کنارے...... اگر ساقی کوثر...... کوثر کے کنارے تمہیں پانی پلائے تو میرے بچو!...... ماں کی بات ضرور یاد رکھنا...... کوثر پہ جا کے بھی حسینؑ سے پہلے پانی نہیں پینا...... سامعین! ...... جی بھر کے رو لو...... ان کی ماں کو کسی نے نہیں رونے دیا......جی بھر کے رو لو...... یہ زینبؑ کے بچوں کی مجلس ہے...... اب میں پردہ نشین خواتین سے کہنا چاہتا ہوں کہ تمہاری مجالس دن کو ہوتی ہیں...... جب تمہاری مجلس ہو تو تمام اکٹھی ہو کر سر کے بال کھول دینا اور زینبؑ کو عونؑ و محمدؑ کا پرسہ دینا...... زینبؑ ہم تیرے بچوں کو رونے آئی ہیں ...... اللہ آپ کی مجلسوں کو قبول و منظور فرمائے۔......

اضافۂ شکریہ

فضائل	اضافۂ شکریہ
مصائب	دربارِ شام

باطل کو کچلنے کیلئے شام کی جانب
زینبؑ نہیں شبیرؑ کی تحریک چلی ہے

افسر عباس نادری

اضافہ شکریہ

چونکہ میں بوجہ اپنی بیماری اور کمزوری کے مختصر وقت میں پڑھتا ہوں۔ زیادہ لمبی تقریر اب مجھ سے نہیں ہوتی...... کسی زمانے میں دو اڑھائی گھنٹے پڑھ کے مجھے پتہ بھی نہیں چلتا تھا کہ پڑھا بھی ہے یا نہیں...... اب دس پندرہ منٹ کے بعد تھک جاتا ہوں۔ تو اگر ایسا مضمون شروع کروں جو تھوڑے وقت میں پورا نہ ہو سکے تو پھر سامعین بھی بے لطف و بے حظ ہوتے ہیں اور مجھے بھی کوئی لطف نہیں آتا...... اب میں کوشش کرتا ہوں س بات کی کہ کوئی ایسی بات کہی جائے جو تھوڑے وقت میں پوری ہو جائے...... تو زرگانِ من! ایک بڑا پرانا مضمون تھا جو میں کبھی پڑھا کرتا تھا ابھی جب میں یہاں آیا تو ذاکر صاحب پڑھ رہے تھے مجھے وہ بات یاد آگئی ہے...... وہی میں شروع کر رہا ہوں...... وہ مضمون ایسا ہے اسے جہاں ختم کر دو وہیں ختم ہے...... جہاں شروع کر دو وہیں شروع ہے...... وہ اسطرح کا ہے۔ آپ میری بات غور سے سنیں...... اور میں آپ کو سناتا ہوں۔

اس مضمون کی جو میں شروع کر رہا ہوں...... جو تمہید ہے وہ شروع ہوتی ہے انسان سے...... کہ انسان کے اندر پیدا کرنے والے نے کتنی طاقتیں، قوتیں اور صلاحیتیں رکھی ہیں۔ گویا اس چیز سے شروع ہوتا ہے یہ مضمون کہ انسان میں خود کتنی صلاحیتیں، کتنی طاقتیں اور کتنے کام کرنے کے جذبے، خود انسان کے اندر انسان کے خالق نے رکھے ہیں...... اور پڑھے لکھے حضرات میں یہاں ایک لفظ کہہ کے آگے بڑھتا ہوں کہ انسان کے اندر ودیعت کردہ صلاحیتیں اور طاقتیں جن کا انسان کو خود علم نہیں کہ مجھ میں

کتنی طاقتیں ہیں؟ ان ساری انسانی طاقتوں کے محل اور موقع کے مطابق عمل میں لانے کا نام اسلام ہے...... سمجھے...... اسلام، انسان کی کسی طاقت کو معطل نہیں کرتا...... بلکہ انسان کی طاقتوں کو صحیح طریقے سے استعمال میں لانے کا نام اسلام ہے...... اسلام، طاقتوں کے تعطل کا نام نہیں...... وہ طاقتیں جو انسان کے اندر ہیں انہیں صحیح طریقے سے استعمال کرنے کا نام ہے اسلام...... گھبرا تو نہیں رہے؟...... یہ ذرا خشک ہو گیا ہے نا مضمون! آپ گھبرائیں نہیں...... تو میرے محترم سامعین ایک بات اور بھی کرتا چلوں آپ سے...... یہ علم لغت کی بات ہے...... زبان کی...... آپ نے میری پہلی بات سن لی ہے جو اب تک میں نے کہی ہے...... انسان کے اندر بے شمار طاقتیں اور قوتیں انسان کے خالق نے ودیعت کر دی ہیں۔ اتنی طاقتیں ہیں انسان میں کہ انسان ان طاقتوں کو گن ہی نہیں سکتا...... اور ان تمام طاقتوں کو جو خالق نے انسان میں رکھی ہیں صحیح طور پر استعمال میں لانے کا نام اسلام ہے۔ توجہ فرمائی نا آپ نے؟ کسی طاقت کو معطل کرنا اسلام نہیں...... ان طاقتوں کو صحیح طور پر استعمال کرنے کا نام اسلام ہے...... اسے......

علم لغت کے کمال کو کہتے ہیں ملکہ...... سنا ہے کہ فلاں شخص کو اس کام میں ملکہ حاصل ہے...... ملکہ کے معنی یہ ہیں کہ پوری طاقت حاصل ہے۔ تو عربی زبان میں ملکہ کا لفظ طاقت کے عروج کو کہتے ہیں...... خوب...... میری بات پر غور کیا آپ نے؟...... اسی ملکے کو آپ مد نظر رکھتے ہوئے یہ سوچیں کہ جب اللہ نے انسان کو پیدا کیا تو کل ملائک کو حکم دیا کہ اس کے تابع ہو جاؤ...... دنیا کی جتنی قوتیں اور فورسز تھیں ان سب کو حکم ہوا کہ تم انسان کے تابع ہو جاؤ۔ تمام طاقتیں ان کے تابع ہو گئیں۔ صرف ایک نفس انسانی کی طاقت تھی جو...... شیطان بن کی باغی ہو گئی...... سمجھے نا حضور! اور جو اس طاقت پر بھی غالب ہو جائے۔ اپنے نفس انسانی کی طاقت پر...... باقی طاقتوں پر غالب ہونے والا غالب کہلاتا ہے اور جو اپنے نفس کی طاقت پر غالب ہو جائے وہ غالب علی کل غالب کہلاتا ہے۔ جو اپنے اوپر بھی غالب ہو جائے۔ بہر نوع تمام طاقتوں کا منبع و مرکز انسان...... ان طاقتوں کو صحیح استعمال کرنا، یہ ہے اسلام۔

اس تمہید کے بعد میں رُخ بدل کر آپ سے آسان طریقے سے بات کروں۔ جہاں اور ہزاروں طاقتیں انسان میں ہیں ...... وہاں یہ بھی ایک طاقت ہے انسان میں۔ وہ کسی حد پر جاکر رکنا پسند نہیں کرتا۔ یہ بھی ایک طاقت ہے۔ کسی حد پر پہنچ کر بھی وہ رکنا پسند نہیں کرتا۔ یہ بھی انسان میں ایک طاقت ہے۔ سمجھے نا حضور؟ ...... یہ نہ سمجھیں کہ انسان چاند پر جاکر رک جائیگا۔ وہاں سے کوشش کریگا کہیں اور جانے کی ...... یہ کسی حد تک بھی رکنا پسند نہ کرنا ...... کسی بھی حد تک جاکر نہ رکنا یہ بھی ایک طاقت ہے جو انسان کے اندر موجود ہے۔ توجہ ہے نا میرے محترم سامعین؟ ...... مثال کے طور پر جو بھی آپ کو سمجھایا کرتا تھا اور اب سمجھاتا ہوں ...... ایک بچہ مجھے کہتا ہے زیدی صاحب مجھے نوکر کرادو ...... کتنی نوکری چاہیئے بیٹا ...... کہ یہی دس بیس پچاس روپے کی مل جائے گذارہ ہو جائے گا ...... آپ نے اسے سو روپے کی نوکری دلادی اس سے پوچھو بھئی بس ...... جی ہاں ...... آں ...... سوا سو روپے ہو جائیں ...... اچھا اس کے ڈیڑھ سو ہو گئے ...... کہ بھئی بس ...... کہ ...... آں جناب ...... دو سو روپے ہو جائیں ...... اس کے آپ نے ہزار روپے ماہوار کر دیے ...... کہ بس؟ ...... کہ آں ...... دو ہزار ...... کیا مجال جو کسی جگہ رکتا ہو انسان ...... یہ طاقت انسان میں ہے یا ...... نہیں بھئی یہ ہے ...... سمجھ میں آرہی ہے نا بات؟ ...... شاباش ...... تو میرے محترم سامعین! اسے تم پچاس ہزار روپے ماہوار دے دو کہ بس ...... کہ ابھی کچھ اور ہے؟ اسے آپ ایک ضلع دے دیں سالم کہ بس ...... ؟ ابھی اور ...... کیا مجال جو اس کی ...... ابھی اور ختم ہو جائے ...... بڑا اچھا عنوان ہے تقریر کا ...... اگر ذہن میں رہا تو ...... کہ ابھی اور ...... کی طاقت انسان میں موجود ہے۔ آپ، مجھ میں، سب میں یہ ہے۔ ایں ...... ایں ...... ابھی اور ...... کہیں بھی پہنچ کے ایں ایں ابھی اور ...... اکثر میں یہ کہا کرتا تھا اور اب بھی یہ کہتا ہوں کہ اس ابھی اور جذبے نے انسان کو بڑھا بڑھا کے خدا بنا دیا ...... انسان جو خدا بن گیا نا ...... یہ ابھی اور میں تھا، سردار بنا ...... ابھی اور بڑا سردار بنا ابھی اور ...... بادشاہ بنا، ابھی اور ...... شہنشاہ بنا، ابھی اور ...... ملک آگئے، ابھی اور ...... ایں ایں خدا بن گیا اب خدا بن کے اس نے بس نہیں کی ...... یہ سوچ رہا تھا۔ کہ اب کیا ہوں؟ کہ

موت آگئی ...... اگر موت نہ آتی تو یہ کچھ اور بنتا۔ یہ موت نے آکے روک دیا ...... ورنہ خدا بن کے سوچ رہا تھا کہ ابھی وہ اور کیا بنے؟ ...... آپ یقین فرمائیں یہ خدا بننے والے پاگل نہیں تھے، احمق نہیں تھے ...... پتہ تھا انہیں کہ خدا نہیں ہیں ...... یہ ان میں ...... ابھی اور ...... کا جذبہ تھا ...... جو انہیں خدا بنوا رہا تھا ...... ورنہ وہ کوئی پاگل یا احمق تھوڑے تھے جانتے تھے کہ ہم خدا نہیں ہیں۔ مگر اس ابھی اور، والے جذبے نے بنوا دیا۔ اور ایک چیز نے اس کے سمند ناز کے پر مہمیز کر دی کہ پاس بیٹھنے والے جو تھے، انہوں نے کہا کہ حضور بجا ...... اس نے ان کا دماغ خراب کر دیا ...... وہ چیزیں انسان کا دماغ خراب کرتی ہیں۔ ایک اسی کا جذبہ ابھی اور ایک پاس بیٹھنے والوں کا کہنا کہ حضور بالکل درست ہے۔ بجا ہے ...... وہ یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ گویا اب بے جا ہمارے پاس ہے ہی نہیں ...... جو بک دیا وہ بجا ہے۔ یہ پاس بیٹھنے والے بنا دیتے تھے۔ بچارے نمرود نے، بچارے فرعون نے، ہزاروں دفعہ کہا کہ بابا ہم نہیں بنتے خدا، ہم خدا نہیں ہیں ...... مگر پاس بیٹھنے والوں نے کہا کہ نہیں تمہیں بننا پڑیگا ...... بن گئے ...... بنا جو دیا ...... ان میں "اور" کا جذبہ تو تھا ہی ...... ان لوگوں نے بنا دیا ...... بن گئے ...... شروع شروع میں تو انکار کرتے تھے ...... پھر بن گئے۔ یہ انسان کا جذبہ ہے ...... تو ہر انسان میں "ابھی اور" کا جذبہ موجود ہے۔ آپ میں ہے نا "ابھی اور" کا جذبہ؟ ہیں؟ ہے؟ ...... آپ لوگوں میں "ابھی اور" کا جذبہ ...... ہے ...... یہ انسان کی عادت ہے جو کثرتِ استعمال سے فطرت بن جاتی ہے ...... یہ انسان کی فطرت نہیں عادت ہے ...... تو اس کی توجیہات علماء نے بہت کی ہیں کہ یہ انسان کی ابھی اور کی عادت کیوں ہے؟ تو اس میں ایک سیدھی سی بات میں آپکو بتا دوں انسان میں جو ہوس ہے "ابھی اور" کی اس ہوس کا مرکز ہے انسان کا دماغ ...... دل میں ہوس نہیں ہوتی، دماغ میں ہوس ہوتی ہے ...... دماغ انسان کا سر میں ہے ...... اور انسان کا سر ہے پیالے کی شکل کا ...... یہ پیالہ ہے الٹا ...... دیکھو نا! الٹا پیالہ ہے یا نہیں؟ اور الٹے پیالے میں چاہے تم سمندر بھر دو یہ خالی رہے گا ...... اس لیے ابھی اور چلاتا ہے ...... جب قبر میں جائیگا کیڑے کھائیں گے ...... الٹا پیالہ خود سیدھا ہو جائیگا ...... تب اگر اور نہ کہے تو نہ کہے ...... یہاں تو

کہتا ہی رہیگا...... جب تک یہ پیالہ الٹا ہے...... انسان کا یہ جذبہ ابھی اور رہے گا...... اور یاد رکھو کہ جتنی جنگیں، جتنی لڑائیاں، جتنی مقدمہ بازیاں، جتنے فساد اور جھگڑے دنیا میں ہو رہے ہیں ان سب کا اگر آپ کھوج لگائیں تو نتیجہ یہی "ابھی اور" کا ہی نکلے گا...... یہ سارا جذبہ ابھی اور کا ہے جو انسان کو لڑائیوں، جھگڑوں، اور فساد پر آمادہ کرتا ہے...... یہ جذبہ ہے ابھی اور کا...... اب میں دوسری طرف رُخ بدلتا ہوں اس بات کا......

میرے محترم سامعین !...... جس خدا نے ہمارے اندر ابھی اور کا جذبہ پیدا کیا ہے اور جس خدا نے ہمیں فتنہ و فساد سے منع کیا ہے...... ایک طرف ابھی اور پیدا کر دیا...... ایک طرف کہہ دیا خبردار فساد نہ کرنا...... سمندر میں پھینک کے کہنا کہ دامن تر نہ ہو یہ بتاؤ ہمارا سخت امتحان ہے کہ نہیں ؟ ہم اسی خدا سے پوچھتے ہیں کہ ایسی کوئی تدبیر بتا کہ ہمارا ابھی اور کا جذبہ بھی پورا ہوتا رہے اور دنیا میں فساد بھی نہ ہو...... سمجھ میں آرہا ہے نا صاحبان کے ! اسے میں نے مختصر کیا ہے بات کو...... اللہ نے کہا لو بتاتا ہوں میں تمہیں طریقہ ...... جس سے تمہارا ابھی اور کا جذبہ بھی پورا ہوتا رہے اور فساد نہ ہو...... آپ گھبرائے تو نہیں اس بات پہ ؟ ہیں ؟ مجھے اندازہ ہو رہا ہے کہ دس بیس آدمی میری بات بڑی غور سے سن رہے ہیں...... باقیوں کا مجھے پتہ نہیں...... ابھی اور کا جذبہ بھی پورا ہوتا رہے اور دنیا میں فساد بھی نہ ہو...... اس کا طریقہ اللہ نے یہ بتایا کہ سنو میں تم سے وعدہ کرتا ہوں اگر تمہیں میرے وعدے پر یقین ہو...... پتہ نہیں اللہ کے وعدے پر لوگوں کو یقین ہے کہ نہیں...... یہ مجھے پتہ نہیں...... کیوں بھئی آپ کو یقین ہے کہ نہیں ؟...... ہیں ؟ اللہ کے وعدے پر یقین ہے ؟ پتہ نہیں ہے کہ نہیں ؟ آپ دل کی گہرائیوں میں سوچ کے جواب دیں...... اللہ کے وعدہ پر یقین ہے ؟ ہیں ؟ ویسے ہی نہ کہہ دینا سچ سچ بتانا...... ہے نا یقین اللہ کے وعدے پر...... یقین ہے تو وہ تم سے وعدہ کرتا ہے اللہ...... کہ اگر تم ابھی اور کا جذبہ بھی پورا کرنا چاہتے ہو تو میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ اگر ایک نعمت کے ملنے پر شکر ادا کرو گے تو میں اللہ تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ اس میں اور اضافہ کروں گا...... تمہارا جذبہ ابھی اور کا میرا ذمہ ہے...... اور چونکہ اضافہ میرے ذمہ ہے،

میری عطا لامحدود ہے...... تمہارا ابھی اور تھک جائیگا میری عطا نہیں تھکے گی میرے ذمہ ڈالو اس بات کو...... میں تمہیں عطا کرونگا...... تمہارا اور کا جذبہ بھی پورا کرونگا، نعمت کا شکر تم ادا کرو...... ابھی اور، میں تمہیں دیتا رہونگا...... توجہ ہے نا صاحبان !...... قبلہ بڑے اختصار کے ساتھ چلنا پڑ رہا ہے...... بات بھی ہو جائے، میں اور تھک بھی گیا ہوں...... اب مثلاً اس نے ایک نعمت دی ہے...... ہمیں ...... آنکھیں یہ ہاتھ...... یا اللہ تیرا شکر ہے...... یہ لفظوں کے شکر سے اللہ مطمئن نہیں ہوتا...... شکر کے معنی ہیں اس کی ہر دی ہوئی طاقت کو اسی طرح استعمال کرو جس طرح وہ چاہتا ہے...... بس یہ ہے اس کا شکر...... آنکھوں سے دیکھو...... لازماً دیکھو...... ضرور دیکھو...... انہیں بند نہ کرنا...... یہ بند کرنا تو کفرانِ نعمت ہے...... آنکھیں بند کر کے کوئی بیٹھا رہے...... مگر وہاں دیکھو جہاں وہ چاہتا ہے...... وہاں مت دیکھو جہاں وہ نہیں چاہتا...... ابھی آپ نے وعدہ کیا تھا کہ ہمیں اللہ کے وعدے پر یقین ہے...... آپ اپنی آنکھوں سے وہ تو نہیں دیکھتے جہاں وہ چاہتا ہے کہ نہ دیکھو...... یہ کفرانِ نعمت ہو جائیگا...... آپ کے شہر میں نہیں...... توبہ توبہ...... یہ تو مسلمانوں کی بستی ہے...... لاہور جیسے شہر میں جا کے دیکھیں قطاریں لگی ہوئی ہیں دیکھنے کے لیے...... سڑک پر ٹریفک رکی ہوئی ہے...... قطاریں لگی ہوئی ہیں دیکھنے کے لیے...... قطاریں کیوں لگی ہیں ؟ کہ ہم نے ٹکٹ لینا ہے دیکھنے کے لیے...... یہ معلوم ہو رہا ہے کہ جنت کا ٹکٹ بک رہا ہے...... ٹوٹے پڑ رہے ہیں ایک دوسرے کے اوپر دیکھنے کے لیے...... سارا دن کارخانوں میں مزدوری کی پانچ روپے کما کے لائے...... تین روپے کا ٹکٹ خرید لیا ایک روپے کی سگریٹ پی لی...... وہاں دیکھنے کے لیے...... آٹھ آنے کا کچھ کھا لیا وہاں دیکھنے کے لیے...... تین چار آنے لے کر گھر آگئے...... بیوی بچوں نے کھانے کے لیے مانگا...... وہاں ہیں نہیں پیسے...... وہ تو خرچ کر آئے تھے...... صبح کو جلوس نکال لیا زندہ باد مردہ باد...... برکت نہیں...... ہائے لو...... کمیونسٹ ہو جاؤ...... اللہ کو بھول جاؤ...... برکت نہیں رہی...... برکت کا رونا رونے والو!...... کبھی اپنی حرکت بھی دیکھی...... کمائی کے پیسے تو وہاں ضائع کر آئے...... یہاں یہ کر لیا...... اللہ نے کب منع کیا ہے دیکھنے کو

ضرور دیکھو...... مگر وہ دیکھو جو وہ چاہتا ہے...... وہ مت دیکھو جو وہ نہیں چاہتا...... بزرگانِ من!...... پیروں سے چلو...... پیر چلنے کے لیے ہیں ضرور چلو...... کون کہتا ہے کہ نہ چل...... ادھر چلو جدھر وہ چلانا چاہتا ہے...... مگر تم پیروں سے پورا کام لو...... دوڑو، بھاگو...... بلندیوں پہ چڑھ جاؤ، پہاڑوں پہ چڑھ جاؤ...... اگر ہماری مرضی کے خلاف ہو تو ہم کیا کریں...... چلو ادھر جدھر ہم چلانا چاہتے ہیں...... سمجھے!...... ہاتھوں سے ضرور کام لو انہیں معطل نہ کرو...... یہ خدا کی نعمت ہے...... اسے باندھ کے رکھنا کفرانِ نعمت ہے...... ان سے کام لو، ہاتھوں سے...... یہ تمہارے کام کے لیے پیدا کیے گئے ہیں...... اللہ نے تمہیں ہاتھ دیئے ہیں انہیں معطل نہ کرو...... انہیں خراب نہ کرو...... وہ کام کرو جو اللہ چاہتا ہے...... ورنہ یہ زبان بڑی نامراد شے ہے...... قبلہ...... سمجھے...... اس کی بڑی احتیاط رکھنا...... سارے اعضاء میں سب سے زیادہ خطرناک شے ہے...... زبان...... اس لیے اللہ نے اسے حوالات میں بند رکھا ہے...... دانتوں کا پہرا سامنے کھڑا کیا...... حضور ہونٹوں کے پھاٹک لگائے...... دھن کے قفل میں بند کیا...... کہیں بے موقع...... گھر سے نہ نکل آئے ورنہ فساد ہوگا...... لڑائی ہوگی...... جو گھر میں رہنے کے لیے ہے وہ گھر ہی میں رہے تو ٹھیک ہے...... اللہ یہی چاہتا ہے...... زبان کی پوری احتیاط رکھنا...... ورنہ کیا فائدہ؟...... فساد ہوگا خواہ مخواہ کے لیے...... توجہ ہے نا صاحبان!...... ہمارے یوپی میں محاورہ تھا...... ہمارے دیہات میں...... کہ آدمی کا سر اٹھ کے صبح آدمی کی زبان سے کہتا ہے ہاتھ جوڑ کے کہ دیکھنا زبان تو تو بول بول کر اندر چلی جائیگی میری شامت آئیگی ذرا خیال رکھنا...... یہ بات حضور...... یہ اللہ کی دی ہوئی نعمت ہے زبان اسے ضرور استعمال کرو، ضرور بولو...... مگر وہ بولو جو وہ چاہتا ہے، وہ مت بولو جو وہ نہیں چاہتا سمجھے...... تو اللہ کی نعمت کا شکریہ ہے جو اس کے منشاء کے مطابق اس کی نعمتوں کو استعمال کرے...... توجہ ہے نا صاحبان!...... یہ تو ہو گیا میرا وعظ...... اگر آپ گھبرائے نہیں تو اب میں اس کا پھر رُخ پھیر دوں تقریر کا...... اسے مختصر کرنا ہے ساری بات کو...... یہ آیت جو ہے کہ شکر کرو گے تو نعمت میں اضافہ ہوگا یہ کس پہ نازل ہوئی ہے...... یہ آیت مجھ پہ، آپ پہ، ہم

پہ، نازل ہوئی...... ہیں...... اللہ چاہتا تو ہم پر بھی کوئی آیت نازل کر دیتا؟ نہیں، قطعاً نہیں...... اللہ چاہے تو نہیں کر سکتا؟...... اللہ ایسی بات چاہتا ہی نہیں جو نہ ہو...... ہاں اللہ کیوں چاہے ایسی بات کو جو نہ ہو...... تو یاد رکھو میرے بزرگو! اللہ جیسا قادر مطلق جس کی قدرت میں کوئی شک نہیں ہم تک پہنچنے کے لیے رسولؐ کو وسیلہ بناتا ہے۔ تو اللہ تک بے وسیلہ کیسے پہنچیں؟ جب اللہ ہم تک بے وسیلے کے نہیں پہنچا تو وسیلہ ہونا عیب کی بات نہیں...... سمجھے...... خیر یہ الگ موضوع ہو جائیگا۔ اسے میں چھوڑتا ہوں۔

تو یہ آیت نازل ہوئی رسولؐ پر کہ...... تم شکر کرو گے تو میں اضافہ کرونگا۔ یہ بتاؤ اس آیت کی تعمیل رسولؐ نے بھی کی یا نہیں...... شکر کیا ہوگا نا انہوں نے...... ہیں...... اور شکر کر کے...... اللہ نے اپنے حسب وعدہ اضافہ کر دیا...... اللہ کا وعدہ ہے...... اب چاروں طرف نظر ڈالی...... جتنی نعمتیں اللہ نے دیں تھیں رسولؐ کو...... وہ پہلے ہی دن اتنی حد کی دے دی تھیں کہ ان میں اضافے کی گنجائش ہی نہیں تھی...... اب رسولؐ سوچیں کہ اس کا شکر کر کے اضافہ کس شے کا کروں؟...... میرے پاس جو نعمتیں ہیں وہ پہلے ہی اس حد کی ہیں کہ ان میں اضافہ ہو سکتا ہی نہیں...... بتاؤ بھئی...... اللہ نے رسولؐ کو سعادت دی تھی...... اس سے بڑھ کر اور کیا سعادت ہو سکتی تھی...... شرافت دی تھی اس سے بڑھ کر اور کیا شرافت ہو سکتی تھی؟ خلق دیا تھا...... اس سے بڑھ کر اور کوئی خلق ہو سکتا ہے؟ انسانیت دی تھی...... اس سے بڑھ کر کوئی انسانیت ہو سکتی ہے؟ ...... سب سے بڑی نعمت رسالت دی تھی۔ وہ پہلے ہی ایسی دی تھی کہ ختم کر بیٹھا اور ہے ہی نہ تھی اسکے پاس...... کس چیز کا شکریہ ادا کرے؟...... جو اس میں اضافہ ہو جائے توجہ ہے نا صاحبان! جہاں جہاں بیٹھے ہو صاحبانِ ذوق...... ایک نعمت تھی رسولؐ کے پاس ایسی کہ جس کا شکریہ ادا کر کے وہ اس میں اضافہ کر سکتے تھے...... اضافہ بھی...... طولی نہیں عرضی...... ایک اضافہ عرضی ہوتا ہے، ایک طولی...... طولی تو اضافہ ختم ہو چکا تھا...... عرضی اضافہ اس میں کر سکتے تھے...... وہ کیا تھی؟...... وہ تھی نعمت عصمت...... توجہ ہے نا صاحبان!...... اللہ نے رسولؐ کو معصوم بنایا تھا یا نہیں؟...... نعمتِ عصمت......

یہ عصمت جو ہے میرے بھائیو! یہ کلیہ مشکک ہے...... کلیہ مشکک اسے کہتے ہیں جو ہر جگہ یکساں نہ ہو...... اسے کہتے ہیں کلمہ مشکک...... جس طرح ہے لفظ سفید...... تو بتاؤ میرے اس کرتے کا کیا رنگ ہے؟...... سفید...... اور یہ جو کرتا پہنے ہوئے ہیں اس کا کیا رنگ ہے؟...... سفید...... کیا دونوں کا رنگ یکساں ہے؟ حالانکہ دونوں سفید ہیں...... اور یہ رنگ کیا ہے؟...... سفید۔ حالانکہ یہ سب سفید ہیں۔ مگر کہیں زیادہ ہے کہیں کم...... بولیں گے سب کو سفید...... اسی طرح عصمت ہے...... سب معصوم ہیں کہیں زیادہ ہیں کہیں کم ہیں...... آدمؑ کی عصمت اور ہے، عیسیٰؑ کی عصمت اور ہے اور محمدؐ کی عصمت اور ہے۔ آپ آدمؑ کی عصمت کا قیاس محمدؐ کی عصمت پر نہ کریں۔ وہاں ترک اولیٰ کی گنجائش ہے یہاں نہیں ہے...... اسے اردو زبان میں یوں ادا کرو کہ انبیاءؑ کی عصمت میں اور چودہ معصومینؑ کی عصمت میں یہ فرق ہے کہ انبیاءؑ وہی کام کرتے ہیں جو ٹھیک ہو...... غلط کام کرتے ہی نہیں...... وہی کرتے ہیں جو ٹھیک ہو...... پہلے وہ تلاش کرتے ہیں ٹھیک...... پھر کرتے ہیں...... اور چودہ معصومینؑ جو کر دیں ٹھیک ہو جاتا ہے...... بس یہ فرق ہے ان کی عصمت میں...... سمجھے حضور! وہ پہلے ٹھیک تلاش کرتے ہیں۔ اور یہ جو کر دیں ٹھیک ہو جاتا ہے...... جو کہہ دیں وہ ٹھیک ہے...... جو کر دیں وہ ٹھیک ہے۔ توجہ ہے ناصاحبان!...... عصمت اللہ نے دی تھی رسولؐ کو...... اس عصمت کا شکریہ ادا کرنا تھا رسولؐ کو...... اس عصمت کا شکریہ ادا کرنا تھا...... پوری توجہ صاحبان!...... شکریہ زبان سے نہیں کیا...... اللہ تعالیٰ تیرا شکر ہے...... شکر کے معنی میں نے ابھی بتائے ہیں...... اس طرح...... برتو...... جس طرح چاہتا ہے...... تو رسولؐ نے عصمت کو اس شان سے برتا...... کہ دشمن بھی مان گیا کہ صادقؐ ہے، امین ہے...... یہ عصمت کی نعمت کو برتا تھا۔ اسی صداقت اور امانت کے مجموعے کو عصمت کہتے ہیں...... اور کیا ہے؟ افعال میں عصمت ہو تو امین ہے...... قول میں عصمت ہو تو صادق ہے...... قول و فعل کی عصمت کو صداقت و امانت کہتے ہیں...... گویا دنیا مان گئی کہ معصومؐ ہے...... ابھی رسولؐ نہیں کہا تھا...... یہ نعمتِ عصمت کا استعمال تھا یا نہیں تھا؟...... توجہ ہے نا صاحبان...... بات کو نہ

بڑھاؤں...... مختصر رکھوں...... دیر نہ ہو جائے...... چالیس سال مسلسل نعمتِ عصمت کا اس انداز سے شکریہ ادا کیا کہ کائنات مان گئی...... وہ دشمن مان گئے کہ صادق بھی ہے اور امین بھی...... ہے...... اتنا شکریہ جس نے ادا کیا ہو عصمت کا...... اللہ کو حسبِ وعدہ اس میں اضافہ کرنا چاہئے یا نہیں...... عصمت میں۔ اب رسولؐ کی عصمت اتنی ہے طولاً تو اس میں اضافہ نہیں ہو سکتا...... عرضاً ہو سکتا اللہ نے کہا ان محمدؐ...... میں اپنے اضافے کے وعدے کو پورا کر دیتا ہوں اسطرح...... تو اپنی عصمت کا شکریہ ادا کر...... میں اس شکریے میں اضافہ کے طور پر تجھے ایک اور عصمت عطا کرتا ہوں...... جس کا نام ہے فاطمہؑ...... گویا سیدہ فاطمہؑ بیٹی جو رسولؐ کو ملی ہے...... شکریہ عصمت کے اضافے میں ملی ہے...... اور بیٹیوں کی بات اور ہے...... اس بیٹی کی بات اور ہے...... اگر رسولؐ کے تھیں بھی اور بیٹیاں، اس جھگڑے میں نہیں پڑتا...... وہ تھیں یا نہیں تھیں...... کوئی کہتا ہے چار تھیں...... میں کہتا ہوں چار سو ہوں...... چلو...... جھگڑے کی کیا بات ہے؟ مگر شکریہ عصمت کے اضافے میں جو بیٹی ملی اس کا نام ہے فاطمہؑ...... یہ رسولؐ کو شکریہ عصمت کے اضافہ ہو کر ملی ہے...... لہٰذا اس کی عصمت کی شان اور ہے، محمدؐ کی عصمت کی شان اور ہے...... آپ کہیں گے کہ عورتوں میں مریمؑ بھی معصومہ تھیں...... وہ تو تھیں مگر ان کی عصمت کسی شکریہ میں نہیں ملی تھی اس کو...... عطیہ الٰہی تھا اس میں عصمت کی اتنی ہی مقدار تھی کہ بس ایک پشت چل کے عیسیٰؑ تک ختم ہو گئی...... یہ شکریہ عصمت میں ملی ہوئی عصمت تھی جو سیدہؑ کی شکل میں ملی تھی...... توجہ ہے ناصاحبان! اور یہ شرف اللہ نے اس شکریہ عصمت کو عطا فرمایا تھا کہ قیامت تک اس کی پیدا ہونے والی نسل معصوم تو نہیں ہو گی مگر بے حکومت کے شاہ کہلائے گی...... ہے یا نہیں حضور والا!...... کہلاتی ہے کہ نہیں کہلاتی؟ بغیر سرداری کے سید کہلائے گی...... دنیا ان کے پیر چھونے میں فخر محسوس کریگی...... یہ اس لیے کہ شکریہ عصمت کا صلہ ہے حضور والا! اگر پیسے پاس ہوں گے تو امیر کہلائیں گے، کچھ نہیں ہو گا تو پہنچے ہوئے فقیر کہلائیں گے...... مر جائیں گے تو پیر کہلائیں گے...... یہ شرف یاد ہے شکریہ عصمت کا...... تو سیدہ طاہرہ سلام اللہ علیہا

عصمت کے شکریہ کے طور پر ملی ہے۔
میرے محترم سامعین!...... اب رسولؐ چاہتا ہے کہ اس نعمت کا بھی شکریہ ادا
کرے، تاکہ اللہ اور اضافہ فرمائے اب فاطمہ سلام اللہ علیھا کی نعمت کا کس طرح شکریہ
ادا کیا اس نے؟...... بڑے اختصار کے ساتھ بات کرتا ہوں...... بیٹی چلی آرہی ہے...... اگر
نری بیٹی ہوتی تو بیٹھے رہتے...... چونکہ اضافہ شکر تھا لہٰذا اس کے لیے شکریہ یوں ادا کیا کہ
بیٹی کی تعظیم کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے...... تعظیم کو اٹھنا اس نعمت کا شکریہ تھا...... اللہ
نے دیکھا...... تم نے اس نعمت کا شکریہ ادا کیا...... لاؤ ہم نعمت کا اور اضافہ کر دیں......
فاطمہ سلام اللہ علیھا کی تعظیم کے لیے اٹھے...... اللہ نے ایک نعمت حسنؑ کی شکل میں
دے دی...... لو...... یہ شکریہ نعمت کا صلہ ہے جو ہم تمہیں ادا کرتے ہیں...... توجہ ہے نا
صاحبان!...... اب یہ فاطمہ سلام اللہ علیھا والے شکریہ میں اضافہ ہو کر حسنؑ والی نعمت
ملی...... پوری توجہ صاحبان!...... رسولؐ نے کہا لاؤ اس نعمت کا بھی شکریہ ادا کروں گا......
اس کا شکریہ کس طرح ادا کیا...... نماز پڑھانے جارہے تھے عید کی...... حسنؑ جو نعمت کا
شکریہ ملا تھا اسے بٹھا رکھا تھا کندھے پر...... زلفیں اسے پکڑا رکھیں تھیں...... لو بیٹا
چلو...... یہ ہے شکریہ نعمت حسنؑ ...... جو مجمع عام میں رسولؐ ادا کر رہے تھے...... اللہ کو یہ
ادا پسند آگئی...... محمدؐ تو نے حسنؑ کی نعمت کا شکریہ خوب ادا کیا...... ہم اضافہ کر کے تمہیں
حسینؑ دے دیں...... اللہ نے اضافہ کر کے حسینؑ دے دیا...... حسینؑ جو نعمت ملی...... کہ
اسکا بھی شکریہ ادا کروں گا...... فاطمہ سلام اللہ علیھا کا شکریہ محض تعظیم کر کے...... حسنؑ
کی نعمت کا شکریہ یہ تھا کہ نماز کو جاتے وقت کندھوں پہ بٹھا لیا...... نماز کو جاتے ہوئے،
نماز میں نہیں...... نماز کو جاتے ہوئے...... حسینؑ نامی نعمت ملی تو شکریے کا انداز بڑھ
گیا...... اسے جاتے ہوئے نہیں...... عین نماز میں، سمجھے...... سجدہ میں یہ شکریہ ادا ہو رہا
تھا...... اور فقرہ میں کہتا ہوں صاحبانِ ذوق...... یہ آپ کے ذوق پر منحصر ہے...... حسینؑ
کی نعمت کا جو شکریہ ادا کیا...... وہ عین نماز میں...... نماز میں بھی رکوع میں نہیں، قیام میں
نہیں...... سجدے میں پشت پہ بٹھا لیا حسینؑ کو...... یہ حسینؑ نامی نعمت کا شکریہ تھا

شکر ادا ہوا؟ سجدہ میں...... کہاں...... عبادت میں...... چونکہ اس شکریہ میں عبادت
اور سجدہ دونوں شامل ہیں...... اب جو اضافہ بھی ہوگا اس میں سجدہ بھی ہوگا اور عبادت بھی
ہو گی...... لہٰذا حسینیؑ نعمت کے شکریے میں جو ملا وہ سید الساجدینؑ بھی تھا اور زین
العابدینؑ بھی...... یہ شکریہ نعمت میں مل رہا تھا...... وہ سید الساجدینؑ تھا اور زین العابدینؑ
بھی تھا...... اللہ نے شکریہ نعمت میں عطا کیا تھا...... اب جب یہ نعمت مل گئی سید الساجدین
ؑ، زین العابدینؑ والی تو رسولؐ نے کہا لاؤ وہ بھی شکریہ ادا کر دیں...... اس کا شکریہ ادا کیا تو
اللہ نے کہا محمدؐ سنتے بھی ہو اس شکریہ میں ہم تمہیں محمد ہی نہ دے دیں؟ محمدؐ کے شکریے
میں محمد ہی مل گیا جس کو آپ محمد باقرؑ کہتے ہیں سمجھے حضور اس نے کہا...... یا اللہ تیرا
شکر...... اس نے کہا اچھا یہ لسان صدق سے شکریہ ہے نا؟ تمہیں صادق نہ دے
دیں؟...... اللہ نے جعفر صادقؑ دیا...... شکریے ملتے جارہے ہیں...... رسولؐ کا شکر چلتا
رہا اور اللہ کا اضافہ چلتا رہا...... چلتے چلتے جب گیارہویں پر پہنچے...... اب تو اللہ کو اپنے
خزانے کا جائزہ لینا پڑا...... یہ تو شکر ختم ہی نہیں ہوتا...... یہ تو مجھے اضافہ کرنا پڑیگا...... کہا
سنتے بھی ہو محمدؐ...... اب بالقطع طے کر لو...... بار بار نہیں...... گیارہویں تک تو ہم دیتے
رہے...... آج سے بالقطع سودا کر لو...... کہ کیا؟...... تمہارا شکریہ دائم رہے...... آج یہ چیز
ہو جائے...... ہمارا عطیہ قائم ہو...... اور تمہارا شکریہ دائم ہو...... جاؤ ہم تمہیں یہ چیز عطا
کرتے ہیں...... توجہ ہے نا صاحبان!...... بہت اچھا یا اللہ...... دے دے...... اب ایسا عطیہ
دونگا، قیامت تک قائم رہیگا...... سمجھے نا حضور؟ ...... میرے محترم سامعین! میں
شور کوٹ پھر کبھی نہیں آؤنگا یا نہیں...... ویسے ہی زندگی کا بھروسہ نہیں اور ہم تو اس
منزل پر پہنچ چکے ہیں جہاں بھروسہ رہا ہی نہیں لہٰذا کیوں نہ چلتے وقت آپکو کہتا جاؤں کہ
خدا کا شکر ادا کرو...... اللہ کا احسان مانو...... مانو گے؟...... کہ خدا نے تمہیں قائمؑ جیسا امامؑ
دیا...... ماشاء اللہ...... چشم بد دور...... مؤمنین خدا تمہیں مبارک کرے...... کہ تم بے امامؑ
نہیں ہو...... اللہ نے تمہیں امامؑ عطا کیا ہے...... تمہارا امامؑ قائم جیسا ہے...... ہے نا؟......
وحدہ لاشریک ہے...... محمدؐ اللہ کا رسولؐ ہے...... تھا...... تو نہیں...... اور بارہویں امامؑ

؟ ہمارا امامؑ ہے ..... تھا..... تو نہیں..... ہمارا امامؑ ہے.....خدا ہے، رسولؐ ہے، ہمارا امامؑ ہے..... اس لیے ہمارا وجود ہے..... دنیا نے ہمیں "تھا" کرنے کی کوشش کی..... مگر نہیں..... ہم ہیں..... اور ہیں اس لیے کہ ہمارا وارث ہے، ہمارا امامؑ ہے..... یہ شعبان کا مہینہ ہے حضور..... اور شعبان کی مناسبت سے یہ دوچار جملے آپ سے کہہ دوں کہ خدا کے فضل سے ہمارا امامؑ ہے.....بولو..... ہے..... ؟..... اسی امامؑ کے ہونے کی وجہ سے ہم دنیا کے سامنے سینہ تان کے کہتے ہیں کہ دنیاوالو کیا یاد کروگے..... ہم ہیں امامیہ..... اور کوئی فرقہ امامیہ نہیں..... ہم ہیں امامیہ..... سمجھے..... امامیہ..... ؟ کے کیا معنی؟ امام والا..... جیسے لاہوریا..... امامیہ، امام والا..... سمجھے..... ہم ہیں امامیہ..... اور دنیا میں کوئی امامیہ نہیں..... ہم ہیں امامیہ..... وجہ اس کی یہ ہے کہ امام تو کوئی انسان نہیں دنیا کا..... کسی سے آپ پوچھیں کہ بھئی مسلمان! بتاتا تیرا امام کون ہے؟.....وہ بڑے ادب سے کہنے لگا..... ماشاء اللہ چشم بد دور..... میرے امام فلاں بزرگ رحمۃ اللہ علیہ تھے..... سمجھے؟ ..... کہ بھائی تمہارے امام کون تھے؟ کہ میرے امام فلاں بزرگ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے..... یہ ہم ہیں کہ سینہ تان کر کہتے ہیں کہ کوئی ہم سے پوچھ کے دیکھے..... ہمارا امامؑ ہے..... دنیا کے امام تھے..... ہمارا امامؑ ہے..... اس لیے ہم امامیہ ہیں..... دنیا کے لیے ..... امامیہ ..... نہیں کہ ان کے امام تھے..... ہمارا امامؑ ہے..... توجہ ہے نا صاحبان!..... اور یہ شکر یہ نعمت رسولؐ میں ملا ہوا ہے..... اس نے کبھی ختم نہیں ہونا..... ہمارا امامؑ خداوند قدوس کے فضل وکرم سے ہے..... ہمارا امامؑ ہے..... موجود ہے..... کہاں ہے؟..... غائب..... ویسے ہر جگہ ہے..... غائب ہے..... اس کی غیبت کا فقرہ سن لو اور پھر میں بیٹھ جاؤنگا قبلہ..... حضور امام علی نقی علیہ السلام ہمارے دسویں امامؑ کی حدمت میں کسی نے عرض کیا کہ حضور وہ امام جو آخری امامؑ ہوگا..... جو دائم و قائمؑ ہوگا، ذرا اس کی صفت تو بیان کریں کہ کس شان کا ہوگا..... اب جناب لطافت کو وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں..... جنہیں ان لطافتوں کا لطف ہے.....بیان کرنے والی ہو معصوم کی زبان .....امامؑ بیان کرنے والا ہو..... امامؑ کی فضیلت ہو..... پھر اس کے اندر کتنی لطافتیں ہونگی..... یہ وہی جانتے

ہیں..... ہم تو اس کا اردو ترجمہ بھی نہیں کرسکتے صحیح..... امام علی نقی علیہ السلام فرماتے ہیں..... ہمارے امامؑ کے متعلق کہ کیا پوچھتے ہو اپنے امام کی شان؟.....

"صاحب الدعوۃ النبویہ و صولت الحیدریہ" تمہارا امامؑ اسی طرح کی دعوت دیتا ہے جس طرح اس کا جد رسولؐ دعوت دیتا ہے جس طرح اس کا جد رسولؐ دعوت دیتا تھا۔ وصولتِ الحیدریہ..... اس کا اقبال حیدر کرارؑ جیسا ہے..... وعصمت الفاطمیہ(س)، اس کی عصمت فاطمہ کبریٰ سلام اللہ علیھا جیسی ہے..... وحلم الحسنیہ، حسنؑ جیسا اسکا حلم ہے..... شجاعت الحسینیہ، اور حسینؑ جیسی شجاعت کا مالک ہے..... اور چلتے چلتے ..... آپ صفت بیان کرتے کرتے گیارہویں تک پہنچے..... والھیبۃ السعکریہ، حسن عسکریؑ جیسی اسکی ہیبت ہے..... یہاں آکے آپؑ نے رک کے فرمایا..... تم اسکی غیبت پوچھتے ہو..... والغیبۃ الالٰہیہ..... اللہ جیسی اسکی غیبت ہے..... اللہ کسی جزیرے یا غار میں غائب ہے..... اللہ کسی مکان میں غائب ہے..... اللہ ہر جگہ ہے اور غائب ہے۔ اسی طرح وہ ہمارا امامؑ خدا کے فضل سے ہر جگہ موجود ہے اور غائب ہے..... اس مجلس میں موجود ہے..... بولو ہے؟..... اور یہ مجلسیں کیوں کرتے ہو؟..... یہ جلسے کیوں کرتے ہو؟..... یہ اتنا خرچ کیوں کرتے ہو؟ مولوی صاحبان کی اتنی خوشامدیں کیوں کرتے ہو؟ پڑھنے والوں کی اتنی خوشامدیں کیوں کرتے ہو؟ تمہاری کیا غرض وابستہ ہے ان سے؟ تمہارا کیا کام وابستہ ہے ان سے؟ ہے یا نہیں؟ محض اس لیے کہ تمہیں یقین ہے کہ ہمارا امامؑ ہم سے راضی ہو جائے..... ہم یہ تصور کر کے بیٹھے ہیں مجلس میں کہ ہمارا امامؑ یہاں بیٹھا ہے اور ہم سب اس کی رعایا اس کے سامنے حاضر ہیں کہ مولاؑ تیرے سامنے تیرا دربار لگوانے کے لیے تیری رعایا نے سب کچھ خرچ کیا ہے..... لوگوں کو بلایا ہے..... مولویوں کی خوشامد کی ہے..... تیرا ذکر سننے کے لیے..... ہم تجھے تیرے بزرگوں کا پرسہ دیتے ہیں..... اور تیرے سامنے تیرے بزرگوں کے فضائل بیان کرتے ہیں..... اصل سامعِ مجلس وہی ہے..... اسی تصور کی وجہ سے میں نے عمر بھر کبھی بیٹھ کے نہیں پڑھا..... میرا ایمان ہے کہ میرا مولاؑ موجود ہے..... اس کے ہوتے ہوئے

میں کبھی کرسی پر بیٹھ جاؤں یہ بڑی گستاخی ہوگی...... یہ اس کی شان کے خلاف بات ہے حضور...... اس لیے کبھی بیٹھ کے نہ پڑھا میں نے آج تک...... اب تو اس قابل ہو گیا ہوں کہ مولاؑ! ...... بیمار ہوا تو کیا...... پہلے دونوں پاؤں سے کھڑا ہو کے پڑھتا تھا...... اب تیری بارگاہ میں ایک پاؤں سے کھڑا ہو کے پڑھتا ہوں...... تو اسے قبول فرما...... ہمارا مولاؑ موجود ہے...... لو بھائیو! گفتگو ختم ہوئی...... گرمی کا وقت ہے میں نے خود اپنے کانوں سے سنا تھا...... کربلائے معلٰی میں مجلس تھی...... ایک عالم بیان کر رہے تھے...... اور وہ کہتے تھے کہ جب تم مجلس منعقد کرتے ہو اس میں امام زمانؑ آ کے بیٹھتے ہیں تو تم یہ تصور کر کے پڑھا کرو کہ تم امامؑ کو سنا رہے ہو اور اس کے طفیل میں یہ مجمع بھی سن رہا ہے...... اصل میں امامؑ کو سنا رہے ہو...... تو انہوں نے فرمایا کہ جب تم امامؑ کے سامنے مصائب پڑھو ...... بے شک حسینؑ کی شہادت پڑھ دینا پروا نہیں...... علی اصغرؑ کی شہادت پڑھ دینا کوئی بات نہیں...... عباسؑ کی شہادت پڑھ دینا کوئی بات نہیں...... امامؑ ان باتوں کو سن لیتے ہیں...... مگر ایک بات کا احتیاط کرنا ہے...... کیونکہ امامؑ موجود ہوتے ہیں کہ ذرا سوچ سمجھ کے پڑھنا وہ چیز ایسی ہے جسے سن کے امامؑ بے ہوش ہو جاتے ہیں...... ہاں امامؑ بے ہوش ہو جاتے ہیں...... پھر فرشتے آ کے ان کے پاؤں ملتے ہیں...... ان کی دادی آ کے ان کے سر کو گود میں لیتی ہے...... پھر انہیں غش سے افاقہ ہوتا ہے...... کیا؟ اس کے سامنے زینب سلام اللہ علیھا کی قید نہ پڑھنا...... کیونکہ اس کے لیے ناقابل برداشت ہے...... وہ ہر شہادت کو سن لیتا ہے...... زینب سلام اللہ علیھا کی قید برداشت نہیں کرتا...... یہ چیز اسکے لیے قابل برداشت نہیں ہے...... یہ چیز ذرا سنبھل کے پڑھنا...... یہ چیز ذرا سوچ سمجھ کے پڑھنا...... یہ شے وہ برداشت نہیں کر سکتا...... اسے ذرا سوچ کے پڑھنا...... زینب سلام اللہ علیھا کی قید بڑی مشکل شے ہے...... اسے ذرا خوب سنبھلے کے پڑھنا...... اسے پڑھتے وقت اس ذکر کو، مولوی کو بڑی احتیاط کرنی چاہئیے امامؑ سن رہے ہیں۔ زینب سلام اللہ علیھا کی قید پڑھنی ہے...... امامؑ سن رہے ہیں...... میرے محترم بھائیو! امامؑ نے ہمیں بتایا ہے، ہمیں تو پتہ نہیں تھا...... امامؑ کے دو جملے کہہ کے میں بیٹھتا ہوں...... امامؑ نے بتایا

ہے ہمیں...... ہمیں کیا خبر تھی؟...... ہم تو یہ سمجھے ہوئے تھے...... ایسا کون ظالم بے حیا ہو گیا دنیا میں جو سیدانیوںؑ کے ہاتھ باندھ دے...... یہ کیسے ہو سکتا ہے؟...... شاہ صاحب میں خود قید ہوا تھا...... میں اپنی بیتی بتاتا ہوں...... رات کے دو بجے تھے...... ۲۹ جنوری سردی کی رات تھی۔ تقریباً پانچ سو آدمی پولیس کا مجھے گرفتار کرنے آیا...... پانچ سو آدمی...... سارے محلے کا محاصرہ تھا...... چھتوں پر پولیس تھیں...... ایک ہنگامہ تھا سارا محلہ سہا ہوا تھا...... خدا جانے کیا ہوتا ہے؟...... کیا بات ہے؟...... کیا قصہ ہے......؟ جب گرفتار کیا انہوں نے مجھے تو کار میں بٹھایا مجھے...... تو کسی سپاہی نے ایس۔ پی سے کہا۔ جناب ہتھکڑی لگا لوں...... تو اس نے کہا خبردار بکواس بند کرو...... کیوں شریف آدمی کو پریشان کر رہے ہو؟...... اس کا یہ کہنا تھا کہ میں نے کہا ایس پی صاحب کاش تم کربلا میں کھڑے ہوتے...... جائے یہاں کے وہاں کہہ دیتے کیوں شریف آدمیوں کو پریشان کرتے ہو...... میرے ساتھ یہ ہوا...... اور جس دن میں گرفتار ہوا تھا بھائی...... یہ بھی میں آپ کو بتا دوں...... وہ تاریخ وہ تھی جس تاریخ کو ہارون کی فوج نے محاصرہ کر کے امام موسیٰ کاظمؑ کو گرفتار کیا تھا...... بالکل وہی تاریخ...... جس دن گرفتار کیا تھا...... بہر نوع چلے گئے...... سیدانیوں کے ہاتھ بندھ گئے...... مجھے یہ خیال رہا، فکر لگا...... کہ ہاتھ بندھ گئے...... کہ ہاں بے ضرر سیدانیوںؑ...... تو ہمارے ذاکر، مولوی، ہم سب پوچھتے رہے کہ ہاتھ پتہ نہیں کس طرح بندھے تھے...... پتہ نہیں بازو بندھے تھے ہے نا۔

شامیان بستند بازو زینبؑ و کلثومؑ را

پتہ نہیں ہاتھ کس طرح بندھے تھے؟...... یہ امامؑ نے مرثیہ فرمایا ہے...... امامؑ کا فرمان ہے یہ...... کس ذاکر کی بات نہیں کہ راویت غلط ہے...... یہ امامؑ نے فرمایا ہے کہ میرا سلام ہو...... میری دادی زینب سلام اللہ علیھا پر...... تم سب بھی سلام کر لو...... ہم سب کا مولاؑ تیری دادی زینب سلام اللہ علیھا کو سلام...... ان کا فقرہ ہے یہ...... ہمارا نہیں...... میرا سلام ہو میری دادی زینب سلام اللہ علیھا پر جس کے دونوں ہاتھ جس کی گردن سے بندھے ہوئے تھے...... کربلا میں ہاتھ بندھ گئے اور جب دمشق کے شہر میں پہنچے ہیں......

زائروں کو تمام زائر جو جاتے ہیں وہ تقریباً کربلا کے ساتھ شام بھی جاتے ہیں...... اس لیے کہ اس زمانہ میں جو نری کربلا کے زیارت کر کے چلا آئے اس کی زیارت قبول ہی نہیں ہوتی جو زینب سلام اللہ علیھا کے سلام کو نہ جائے...... اب تو جاتے ہیں زائر وہاں کوئی خاص فرق نہیں ہے...... جاتے ہیں بی بی سلام اللہ علیھا کے سلام کے لیے...... حضور جو شہر ہے نا...... دِمشق کا، اس زمانے میں نہیں تھا...... اس زمانے میں تو پرانا شہر تھا...... جو ...... اب بھی اندر ہے...... باہر تو نیا شہر ہے...... اندر کی طرف وہ پرانا شہر اب بھی ہے...... اس زمانے کا شہر تھا...... جس میں بی بی سلام اللہ علیھا گئی تھی...... اور یہ فقرہ بی بی کا آپ سے کہہ دوں؟ ساداتِ عظام مجھے معاف کرنا...... مجھے مجبوراً یہ کہنا پڑتا ہے...... ساری گلیاں سڑکیں ملا کے تقریباً ڈھائی میل بن جاتا ہے...... اس میں بی بی سلام اللہ علیھا گردن سے ہاتھ باندھے ہوئے پیدل گئیں...... یہ مجھے کہنا پڑتا ہے ورنہ اس وقت بی بی کے ہاتھ گردن سے بندھے ہوئے تھے...... اور جب بی بی سلام اللہ علیھا کو طاغوتی طاقت کے سامنے پیش کیا گیا تو ہاتھ بندھے تھے اور شام کے زائروں نے دیکھی ہوگی وہ جگہ جہاں جا کے یہ سادات کھڑے کر دیے گئے...... وہاں ایک لکڑی کا چبوترا سا بنا دیا گیا ہے...... یہ جگہ تھی جہاں وہ کھڑے ہوئے تھے آ کے...... جگہ محفوظ رکھی گئی ہے...... جہاں وہ کھڑے تھے اور سامنے طشت پر بھائیؑ کا سر رکھا گیا تھا...... اور یہاں وہ کھڑی تھیں اور گردن سے ہاتھ بندھے ہوئے تھے...... میں اپنی بات ختم کرتا ہوں...... بھئی سن رہے ہو؟...... خدا تمہاری عزت کی حفاظت کرے...... جو فقرہ میں نے کہنا تھا وہ یہ تھا...... ہائے کیا بتاؤں...... کھڑے تھے اس طرح...... کوئی مصیبت تھی ایسی جو ان پہ نہ گذر گئی......امام موسیٰ کاظمؑ کا فرمان ہے کہ ”میری دادی زینب سلام اللہ علیھا پر وہ مصائب گذر گئے جو نہ کوئی سوچ سکتا ہے اور نہ ہی سمجھ سکتا ہے، انہی کو پتہ تھا جن پہ گذر گئی...... نہ کوئی دماغ انہیں دماغ میں لا سکتا ہے...... نہ سمجھ سکتا ہے“امام موسیٰ کاظمؑ نے فرمایا...... کوئی مصیبت ایسی نہ تھی جو...... ان پہ نہ گذری ہو...... اور یزید کے دربار میں کھڑی تھیں...... یہ فقرہ میں نے کہنا تھا آخری اب...... اور میرے عزیز! ڈھائی تین گھنٹے

گذر گئے کھڑے کھڑے اور یزید اتنا مشغول ہے اپنے نشہ فتح میں...... قیدیوں سے بات نہیں کرتا...... اور یہ کھڑے تھے...... چھوٹی بچیوں کے پاؤں میں ورم آ گئے...... پیدل چل چل کے آنا اور کھڑے رہنا...... اور زمانے کا امامؑ بالکل خاموش کھڑا ہے...... بی بی سلام اللہ علیھا خاموش کھڑی ہیں اور گردن سے سیدانیوںؑ کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں...... سب کھڑے ہیں...... جہاں جناب ربابؑ جو ساتھ کھڑی تھیں وہاں امام حسنؑ کی بیوہ جناب قاسمؑ کی ماں ساتھ کھڑی تھیں...... صرف فاطمہ الزہرا سلام اللہ علیھا کی

یہ دو بہوئیں تھیں قید میں...... ایک علی اصغرؑ کی والدہ اور ایک قاسمؑ کی والدہ...... جناب لیلیٰؑ جو تھیں جناب علی اکبرؑ کی والدہ...... ان کا راستہ میں انتقال ہو گیا تھا...... وہ شام تک پہنچی ہی نہیں تھیں...... یہ دو بہوئیں تھیں انہوں نے بالکل سر نہ اٹھائے...... اور بی بی سلام اللہ علیھا نے امام زین العابدینؑ سے کہا تھا دربار میں آ کے...... بیٹا مجھ کو کھا گئی یہ بات کہ میری بھاوجیں کھڑی تھیں اور ان کے پیچھے کے لوگ کرسیوں پہ بیٹھے تھے...... وہ کیا کہتی ہوں گی کہ کس خاندان میں بیاہی گئی ہیں ہماری لڑکیاں...... مجھے شرم کھا رہی تھی...... یہ لوگ کیا کہتے ہوں گے تو اس وقت یزید (لعنت اللہ علیہ) نے ڈھائی تین گھنٹے کے بعد ٹوکا ہے انہیں اور کہا کہ ان قیدیوں کے نام بتاؤ کہ یہ کون کون ہیں؟ کیا ہیں؟ یہ چیزیں غور کرنے کی ہیں قبلہ...... انہیں دنیا کے لوگوں کو بتاؤ...... انہیں عام کرو...... اور پڑھے لکھے حضرات کو بتاؤ کہ دنیا کی ہر تکلیف اور مصیبت اٹھائے ہوئے...... کہتی کیا ہے اس وقت؟...... فقرہ کیا ان کی زبان سے نکلا ہے...... یہی تو میں کہتا ہوں...... یا اللہ یاد رکھ تیری قدرت تو ہے ہی بے انتہا...... پر ایسے بندے بھی نہیں ہوں گے...... یہ کمال بھی نہیں ہوگا...... کہتی کیا ہیں؟...... الحمد للہ الذی اکرمنا...... ہم خدا کا شکر ادا کرتے ہیں جس نے ہمیں یہ عزت عطا کی...... قبلہ کوئی اور ہوتا تو کہتا کہ واہ اللہ میاں ہم کس طرح تیرا شکر ادا کریں...... تیرے نام پر ہم مر گئے اور تو نے ہماری خبر نہ لی...... وہاں یہ کہہ کے کہ...... ہم شکر ادا کرتے ہیں کہ خدا نے ہمیں یہ عزت دی...... بی بی سلام اللہ علیھا نے منوا دیا کہ خدا ہے، خدا کوئی ہے...... یہ زینب سلام اللہ علیھا کا احسان ہے کہ آج

دنیا خدا کو مان رہی ہے...... ان حالات میں منوایا کہ خدا ہے اور اگر یہ خدا کا وعدہ ہے کہ اگر تم شکر کرو گے تو میں اضافہ کروں گا...... زینب سلام اللہ علیھا کے اس شکر پر مجھے نہیں معلوم کہ کیا اضافہ ہوا ہو گا...... وہ خدا کا شکر ادا کرتی ہوں کہ جس نے مجھے یہ عزت عطا فرمائی...... جس نے ہمیں یہ شرف عطا فرمایا...... جس نے ہمیں یہ شان عطا فرمائی...... ہاتھ بندھا ہوا ہے، ظالم سے دربار میں ایک خاتونؑ یہ کہہ رہی ہے کہ خدا کا شکر ہے جس نے ہمیں یہ عزت عطا فرمائی کہ ہم اس کے دین کے محافظ ہیں...... اس کی حفاظت میں یہاں قید ہوئے کھڑے ہیں اور ہم خدا کا شکر ادا کرتے ہیں جو مومنین یہاں موجود ہیں یا اللہ ہم تیرا شکر ادا کرتے ہیں کہ تو نے ہمیں ان شکر گذاروں کے حق کا شناسا بنایا...... محمدؐ و آل محمدؐ کی معرفت ہمیں دی...... ان کا ذکر کرنے اور ان کی مجالس برپا کرنے کی توفیق ہمیں عطا فرمائی...... بس بھائیو اللہ تمہیں سلامت رکھے...... خدا تمہیں خوش رکھے...... میرا بیان ختم...... زندگی رہی تو ان شاء اللہ پھر کبھی۔

اللہم صل علی محمدؐ و آل محمدؐ

شور کوٹ شہر

۸ ، اکتوبر ۱۹۷۱ء

شہادت

شہزادِ قاسمؑ ابنِ حسنؑ

ماں شمع جلائے ساری شب تکتی رہی چہرہ قاسم کا
کی جتنی دفعہ چہرے پہ نظر فرزند کا سہرا یاد آیا

فضل لکھنوی

شہزادہ قاسم ابن حسن علیہ السلام

کربلا کے عظیم سانحہ نے انسانیت میں ایسا انقلاب برپا کیا جس کی نظر نسل آدم میں ملنا ناممکن ہے...... آدمؑ سے لے کر آج تک پوری انسانی نسل کسی نہ کسی شکل میں موت سے ڈرتی رہی...... دنیا بھر کے فلاسفر، حکماء، اہل الرائے، یہاں تک کہ انبیاء اور اولیاء تک تلخی موت کے شاکی رہے لیکن کربلا کے نوجوانوں نے موت کا ذائقہ بدل دیا۔

اسکی تلخی کو شیریں بنا دیا اور ڈراؤنی موت کو پرکشش اور محبوب بنا دیا...... یہاں تک کہ کمسن بچے جہاد کے لیے اس طرح سے بے چین ہو کر نکلے کہ جس طرح کھیل کے میدان میں جا رہے ہوں...... ان بچوں نے جہاد کیا جن پر نماز واجب نہ تھی...... شب کی تاریکی خیام حسینیؑ پر اداسی اور موت کا سایہ...... صرف حیدر کرارؑ کے شیر کی گرج کبھی کبھی خاموشی کو توڑتی کہ اچانک مصلی عبادت پر سید الشہداءؑ نے دیکھا کہ ایک بارہ سالہ بچے نے آکر سلام کیا...... امامؑ نے جوابِ سلام دے کر ہاتھ پھیلا دیے...... لاڈلا چچا یا عماہ کہہ کر چچا سے لپٹ گیا۔ پورے خیمے میں حسنؑ کی خوشبو مہک گئی۔ بھائی کی یاد میں حسینؑ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوئے۔ بھائی کی یادگار میری آنکھوں کی ٹھنڈک میں تیرے سوکھے ہونٹوں پر قربان...... رات میں ماں کی آغوش چھوڑ کر کیوں آئے بیٹا؟ چچا جان میں صرف یہ پوچھنے آیا ہوں ...... کل کے شہیدوں میں میرا نام ہے؟...... حسینؑ نے ایک ہاتھ جگر پر رکھا۔ پورے حوصلے سے پوچھا...... بیٹے موت کو کیسے سمجھتے ہو؟ ...... قاسمؑ کے نازک ہونٹ جواب کے لیے کھلے دنیا کے دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں...... عالم کی نبضیں چھوٹ گئیں...... کائنات نے پہلی دفعہ موت کے متعلق یہ فقرہ سنا۔ چچا جان! میں موت کو شہد سے زیادہ شیریں سمجھتا ہوں۔ جواب کی اس ادا پر حسینؑ کو پیار آگیا......

دیر تک بھتیجے کو پیار کرتے رہے آخر فرمایا قاسمؑ! تم تو پھر بڑے ہو...... تمہارے تو بھائی علی اصغرؑ تک کی شہادت ہے...... یہ سننا تھا کہ حیدر کرارؑ کا پوتا حیدرؑ بن گیا اٹھ کر ایک انگڑائی لی جس سے قبا کے بند ٹوٹ گئے...... شیریں آواز، شیرانہ گرج میں بدل گئی۔ چچا جان کیا یہ بے حیا فوج ہمارے خیموں میں آکر ہمیں شہید کرے گی؟ ...... ایسا نہیں ہو سکتا ...... جاؤ بیٹا آرام کرو۔ تمہاری زندگی میں کس کی مجال ہے ؟ کہ خیموں کے قریب آسکے۔

آج حیدری خون نے بچے کی زبان سے موت کا ذائقہ بجائے تلخ کے شیریں کر دیا ...... صبح ہوئی قاسمؑ کی بیوہ ماں اپنے نونہال کو عروسی شہادت سے شادی کرنے کے لیے دولہا بنانے لگی اور حسنؑ کا یتیم دولہا بن کے ماں کو آخری سلام کر کے پھپھیوں اور بہنوں سے رخصت ہو کے خیمے سے بر آمد ہوا...... ماں مصلے پہ بیٹھی کہہ رہی ہے ...... یا اللہ میری نیک کمائی نیک راہ میں کام آئے...... امامؑ نے حسنؑ کے لال کو گود میں لے کے گھوڑے پہ سوار کیا...... بارہ سال کا ہاشمی بہادر بنی ہاشم کا حسین ترین شہزادہ فوجوں کے بادل میں چودہویں کے چاند کی طرح گھر گیا...... بچپن میں اس شان سے جہاد کیا کہ بوڑھے سپاہیوں کو خیبر و خندق کے معرکے یاد آگئے...... سر سے پیر تک زخمی ہو کر گھوڑے سے گرا اور بچپن کی پوری ادا کے ساتھ زخمی بچے نے ماں کو پکارا...... اماں میں گھر گیا اور حسینؑ بے تابانہ لاشہ پر پہنچے حسنؑ کے تحتِ جگر کے ٹکڑے دامنِ عبا میں رکھے اور گنج شہیداں میں لائے...... قاسمؑ کی لاش اکبرؑ کی لاش کے برابر رکھ دی...... دونوں لاشوں کے بیچ میں بیٹھ کے بلند آواز سے فرمایا! واہ غربتا...... یا اللہ! میں غریب ہو گیا اور پوری فضائے زمین و آسمان میں اس آواز کی صدائے بازگشت بلند ہوئی۔

فریاد از غریبی و بے یاری حسینؑ

انا للہ وانا الیہ راجعون

باب الحوائج

عنوان

فضائل -:- نعمت

مصائب -:- امامِ موسیٰ کاظمؑ

خوں کے آنسو ہی بہاتا رہا دینِ اسلام
کبھی مقتل کے مقابل کبھی زنداں کے قریب

وزیر الحسن عابدی

باب الحوائج

امام موسیٰ کاظمؑ

بڑوں کی طرف سے چھوٹوں کو عطیات ملتے ہیں ..... ان کے کئی نام ہیں ..... بڑوں میں اللہ بھی ہے ..... ہے اللہ بھی تو بڑا ..... ہے نا؟___ اس کی طرف سے بھی عطیات ملتے ہیں۔ ان کے کئی نام ہے ..... جو اللہ کی طرف سے عطیے ملتے ہیں وہ بعد میں بتاؤں گا___ پہلے عام بات بتاؤ آپ کو ..... کہ آپ کی صبح سے شام تک ایک مزدور نے مزدوری کی اُسے جو مزدوری ملتی ہے عطیۂ عوض کہلاتی ہے ..... اس کا نام ہے عطیۂ عوض ..... یہ بدلہ ہے اس کی محنت کا___ خوب سمجھ رہے ہیں نا آپ میری بات کو ..... اگر اس کی مزدوری جو طے ہوئی ہے ..... آپ نے جو طے کی ہے ایک دو آنہ زیادہ دیدیا جائے ..... یہ کہلاتا ہے فضل ..... سمجھے آپ ..... یہ اس پر فضل ہے ..... یہ جو زیادہ دیدیا ہے یہ کہلاتا ہے فضل___ اور اگر مزدوری نہیں کی ویسے ہی آپ کا کوئی کام کردیا ..... باقاعدہ مزدور نہیں تھا ویسے ہی کوئی کام کردیا آپ کا ..... تو اگر آپ نے کچھ دیا تو وہ نہ مزدوری ہے یہی وہ فضل ہے اس کہتے ہیں انعام___ توجہ ہے نا صاحبان ..... وہ کہلاتا ہے انعام۔ اور اگر اس پر کسی نے ترس کھا کر کچھ دیدیا ..... فاقہ کش تھا بچارہ ..... ٹھٹھر رہا تھا ..... کپڑا نہیں تھا ..... تو ایسے دینے کو کہتے ہیں کرم___ ایسا دینے والا کہلاتا ہے کریم ..... توجہ ہے نا صاحبان!___ وہ کہلاتا ہے فضل ..... سمجھے آپ ..... یہ اس پر فضل ہے ..... یہ جو زیادہ دے دیا ہے یہ کہلاتا ہے فضل ..... اور اگر مزدوری نہیں کی ویسے ہی کوئی کام آپ کا کردیا ..... باقاعدہ مزدور نہیں تھا ویسے ہی کوئی کام کردیا آپ کا ..... تو اگر آپ نے کچھ دیا تو وہ نہ مزدوری ہے نہ وہ فضل ہے ..... اسے کہتے ہیں انعام ..... توجہ ہے نا صاحبان ..... وہ کہلاتا ہے انعام۔ اور اگر کسی نے اس پر ترس کھا کے کچھ دے دیا ..... فاقہ کش تھا بچارہ ..... ٹھٹھر رہا تھا ..... کپڑا نہیں تھا ..... تو ایسے دینے کو کہتے ہیں ..... کرم ..... ایسا دینے والا کہلاتا ہے کریم ..... توجہ ہے نا صاحبان! ..... اسے کہتے ہیں کرم .....

تو ایک ہوتا ہے فضل اور ایک ہوتا ہے کرم ...... تو ہم جو دن رات دعا کرتے ہیں، ہمیں اللہ کا فضل چاہیے ...... مطلب یہ ہے کہ ہم جو کچھ کرتے ہیں ...... اللہ کے لئے اس سے کچھ زیادہ چاہیے ...... وہ فضل ہے ...... اور اگر ہم پر ترس کھا کے دے تو یہ کرم ہے ...... تو اللہ کا فضل و کرم ہی چاہیے ہیں نا ...... تو صاحبان ہر وقت ...... کریم کا بڑا امر تبہ ہے ...... کریم کی بڑی شان ہے ...... فضل کا بھی بڑا امر تبہ ہے ...... فضل کی بھی بڑی شان ہے تو ایک ہے عطیہ فضل اور ایک ہے عطیہ کرم ...... اللہ کی طرف سے عطیے ملتے ہیں۔ ہمیں اللہ کی طرف سے جو عطیے ملتے ہیں وہ عطیے ملتے ہیں وہ عطیئے دو قسم کے ہیں ...... ایک عطیہ نعمت کہلاتا ہے ایک عطیہ رحمت کہلاتا ہے۔

اللہ دو قسم کی عطا کرتا ہے ...... نعمت دیتا ہے یا رحمت کرتا ہے ...... نعمت و رحمت میں یہ فرق ہے کہ نعمت کا سوال ہوگا اور رحمت معاف ہوگی ...... یہ فرق ہے نعمت میں اور رحمت میں ...... نعمت کے متعلق سوال ہوگا اور رحمت ...... معاف ...... ہو ...... توجہ ہے نا! صاحبان ...... اب یہ بتاؤ کہ جو ہم روز روٹی کھاتے ہیں۔ یہ اللہ کی نعمت ہے یا کہ نہیں ...... میں آپ سے اس لئے پوچھ رہا ہوں کہ جمہوریت کا زمانہ ہے ...... اگر آپ نے کہہ دیا ...... نہیں ...... تو ...... بس ...... "نہیں" ہوگا۔ تو اس لئے پوچھ رہا ہوں ...... کیوں بھائی ہم جو روز روٹی کھاتے ہیں ...... کھانا کھاتے ہیں ...... چاول کھاتے ہیں، گوشت کھاتے ہیں، ٹھنڈا برف کا پانی پیتے ہیں، چائے پیتے ہیں ...... یہ اللہ کی نعمت ہے کہ نہیں ...... ہے نا نعمت ...... اور میں نے ابھی کہا ہے کہ نعمت کا حساب ہوگا ...... اللہ میاں قیامت کو حساب لے گا ...... کہ کس قسم کی روٹی کھائی تھی؟ ...... بتاؤ کتنا پانی پیا تھا؟ ...... ہوگا حساب ...... ہوگا ...... اللہ پوچھے گا ہم سے تو ہم کہیں گے اللہ میاں سے کہ ہم بھر پائے ...... ہم اگر کسی کو تو روٹی کھلا دیں اور پھر پوچھ بیٹھیں کہ کیوں بھائی تم نے کتنی روٹی کھائی تھی؟ ...... تو لوگ کہیں گے کہ واقعی کنجوس ہے ...... کہ روٹی کھلا کے پوچھ رہا ہے ...... اب اللہ میاں کو تم اتنا کنجوس سمجھتے ہو کہ روٹی کھلا کے پوچھے گا ...... کہ سناؤ کتنی روٹی کھائی ...... بالکل نہیں پوچھتا ...... جی بھر کے کھایا کرو ...... بالکل روٹی ووٹی کا سوال

نہیں ہوگا ...... اگر اپنے کھانے کے لئے بنائی ہوتی اور ہم کھا جاتے تو پھر پوچھتا ...... کہ میری روٹی تم کیوں کھا گئے ...... جب بنائی ہمارے لئے ہے تو پھر پوچھنا کاہے کا ...... اگر پتہ ہوتا کہ پوچھے گا تو ہر وقت کاغذ رکھ لیا کرتے اور اس پر لکھ لیا کرتے ...... کہ کل اتنا کھایا تھا ...... آج اتنا کھایا ہے۔

نعمت ایک ہی ہے ...... نعمت ایک ہی اللہ نے کہی ہے ...... اس فقرے کی قدر تو اہل ذوق ہی کریں گے ...... حوصلہ تو بڑا کیا ...... نعمت اتنی بڑی ...... ہے ...... یہ۔

کیا یاد رکھو گے مومنو! آج یوم غدیر کے دن میں نے وہ نعمت دی ہے۔ تمہیں جس سے بڑی نعمت میرے پاس بھی نہیں ...... بس اس نعمت کا سوال ہوگا ...... وہاں بس اس نعمت کا سوال ہوگا ...... بتاؤ غدیر والی نعمت یاد ہے کہ نہیں ...... بولو ...... اگر آپ نے کہا یاد نہیں ہے ...... تو صاف کہہ دے گا ...... جاؤ جہنم میں ...... میں کیا کروں ...... اگر یاد ہے تو بتا دینا ...... کہ یاد ہے ...... تو وہ کہے گا کہ یاد ہے؟ سب کو یاد ہے؟ ...... سب مل کے نعرہ حیدری لگا دینا ...... یا علیؑ ...... اللہ بھی خوش ہو جائے گا ...... ہاں بھائی یاد ہے ...... شاباش بہت اچھا یاد ہے ...... نعرہ غدیر ...... اللہ بھی تمہارے خود لگائے گا ...... یا علیؑ ...... بڑے اچھے ہو تمہیں نعمت یاد ہے ...... یاد ہے ...... ہم تو سوتے جاگتے یہ نعرہ لگاتے ہیں ...... کہ بڑا یاد ہے ...... یاد ہے نا! اور یہ یا علیؑ تمہیں کلمے میں بھی یاد ہے کہ نہیں ...... اللہ میاں پوچھے گا ...... اللہ میاں یاد تھا ...... کلمہ کتنا پڑھتے تھے؟ ...... کلمہ اتنا ہی پڑھتے تھے جتنا کلمہ تیرا تھا ...... لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ...... اتنا ہی کلمہ تھا اللہ میاں تیرا ...... مگر اللہ میاں تجھے ہی گواہ بنا کے ہم کہتے ہیں کہ مسجد میں گھر میں بازار میں جہاں چاہے یہ کلمہ پڑھ کے اعلان کرتے ہیں ...... کہ اگر مسلمان ہو تو یقین کرنا ...... ورنہ تو مسلمان نہیں ...... میں کلمہ پڑھ کے کہتا ہوں ...... علی ولی اللہ ...... ورنہ تو مسلمان نہیں رہے گا ...... اب نعرہ لگاؤ ...... نعرہ حیدری ...... یا علیؑ ...... شاباش! سلامت رہو ...... یہ کلمہ ولایت ...... علی ولی اللہ ...... کلمہ ولایت کیا ہے؟ ...... علی ولی اللہ ...... یہ ہماری پہچان ہے ...... یہ ہماری خصوصیت ہے ...... یہ ہمارا سلوگن ہے ...... یہ ہمارا پرچم ہے ...... یہ

ہمارا نعرہ ہے ...... یہ ہماری الگ نشانی ہے ...... کلمہ ولایت کیا ...... علی ولی اللہ ...... یہ دیسی کلمہ نہیں ...... یہاں کا بنا ہوا نہیں ہے ...... یہ کلمہ "ولایت" کے عادی "دیسی" کے عادی نہیں ہوتے ...... دیسی کے عادی وہ ہوتے ہیں جو خود بنا کے پئیں ...... خود بنا کے پینے والوں کو کیا پتہ ؟ ...... کلمہ ولایت کیا شے ہے ؟ ...... کلمہ ولایت ہے ہمارا ...... یہ خبر اللہ سنے گا تو بڑا خوش ہوگا ...... تو پتہ ہے کہ کیا کہے گا اللہ ؟ ...... کہ یہ لاہور کے مومنین آگئے ...... یا علیؑ ...... یہ ولایت پڑھ رہے ہیں انہیں تو غدیر کی نعمت یاد ہے ...... مولا آگئے ...... تم آگئے ...... مولا پوچھ رہے ہیں کہ کیا کرتے رہے دنیا میں ؟ ...... مولا ...... علیؑ علیؑ کرتے رہے ...... نمازیں پڑھی تھیں ؟ ہم کہیں گے ...... مولاؑ .... مولا کا چھ .... ٹھیک بات کر ...... مولاؑ ___ بات تو سنیں ...... مولاؑ کہیں گے ...... اور بد تمیز ...... بھاگ جا ...... وہ تیرا گھر ہے جنت ...... بڑا لطف آئے گا ...... بڑا سواد آئے گا ...... رش ہوگا جنت میں ...... ہم جانویں گے ...... اللہ پتہ ہے کیا کرے گا ...... جنت میں ...... بجائے ایک دو دروازے کے ...... "بارہ دری" بنا دے گا اور ہر "در" کھلا ہوگا ...... اور قبلہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ جنت کے دروازے پر لکھا ہوا ہے ...... کیا لکھا ہوا ہے قبلہ ...... جنت کے دروازے پر لکھا ہوگا ...... محمدؐ ...... علیؑ ...... فاطمہؑ ...... حسنؑ ...... حسینؑ ...... لکھا ہے ...... سارے لوگ پہنچیں گے ...... ہم بھی جائیں گے ...... قبلہ آپ آئے دروازے پر نعرہ ولایت لگا ...... تو ...... ایک دوسرے سے کئی کہیں گے کہ ...... عمر دین لوہ دیکھو ...... چلو یہ تو امامباڑہ ہے ...... تو معزز سامعین یہ اللہ کی نعمت ہے اس کا حساب دینا ہے ...... رحمت کا کوئی حساب نہ ہوگا ...... رحمت بے پایاں عطا کرتا ہے ...... رحمت کیا ہے ؟ ...... یاد رکھو نبوت، خدا کی رحمت ہے ...... اور آخری نبیؐ عالمین کے لئے رحمت ہیں ...... اور یہ آخری بھی اسی لئے کہ قیامت میں تمہیں نبیؐ کے ساتھ نہیں پکاروں گا بلکہ تمہیں چونکہ وہ رحمت ہے ...... اب نبوت ختم ہوگئی ...... مک گئی ...... اس کے بعد کیا شروع ہوا ...... اب رحمت کے بعد جو چیز شروع ہوتی ہے ...... اسے کہتے ہیں ...... لطف ...... یہ اللہ کا لطف ہے ...... **اللہ لطیف بہ عباد** ......

نبوت کے بعد جو چیز عطا فرمائی یہ نہ رحم ہے نہ کرم ہے نہ فضل ہے ...... یہ ہے اللہ کا لطف اور اسے کہتے ہیں حضور ...... امامت ...... یہ اللہ کے لطف سے ملتی ہے ...... آپ کے کتنے امام ہیں ...... جواب دو ...... بارہ ...... شاباش ...... کتنے امامؑ ہیں ...... بارہ ...... بارہ ہیں ...... پانچویں امامؑ کا کیا نام ہے ...... محمد باقرؑ ...... شاباش ...... ان کی والدہ کا کیا نام ہے ...... کیا کہا ...... فاطمہؑ ...... دور جو بیٹھے ہیں ان میں سے کسی نے یہ کہہ دیا ہے ...... پاس بیٹھنے والوں کو پتہ نہیں ہوتا ...... محترم سامعین! اللہ نے ہمیں بارہ امامؑ دیئے ہیں ...... یہ چھوٹی موٹی باتیں ...... ولادت ...... شہادت ...... ہر مومن کو زبانی یاد ہونا ضروری ہے ...... اور اپنی مجلسوں میں پڑھنے والوں کو مجبور کرو ...... کہ ہمیں یہ باتیں ...... سمجھاؤ ...... نئی بات پر مجبور کرو ...... اور آج تم اپنے ساتویں امامؑ کا ذکر سننے کے لئے آئے ہو ...... کیوں بھئی ٹھیک ہے نا ...... ؟ میں ٹھیک عرض کر رہا ہو ...... آج کے آنے کا مطلب ہی یہی ہے ...... کیا نام تھا ہمارے ساتویں امامؑ کا ...... امام موسیٰ کاظمؑ ...... نام تھا ...... موسیٰؑ ...... کاظمؑ تھا لقب اور ابوالحسنؑ تھی آپ کی کنیت ...... جو خود امام کا ذکر سننے آئے ہیں۔ امام موسیٰ کاظمؑ ...... اس کا کیا ذکر یاد ہے ...... سارے مجلس والوں کو یہی یاد ہے کہ

؎ مولا پہ انتہائے اسیری گزر گئی

یعنی مطلب یہ ہے کہ مولاؑ ساری عمر قید ہی رہے۔ اگر ساری عمر قید ہی رہے تو بہ حیثیت امامؑ انہوں نے ہمیں کیا فائدہ پہنچایا ...... ہمیں کیا شے عطا فرمائی ؟ ...... کیا چیز دی ؟ ...... کیا کچھ فرمایا ؟ تو ...... وہ ان کی ایک ذرا سی جھلک آپ کو دکھاؤں کہ انہوں نے ہمیں سب سے بڑا سبق یہ دیا ہے کہ مومن کو چاہیے جو ہمارے ماننے والے ہیں ...... کہ ایک دوسرے کی بے انتہا عزت کریں اور ایک دوسرے کی مصیبت میں کام آئیں ...... ورنہ میں ان کا امامؑ نہیں۔ اپنے شیعوں کی فہرست سے کاٹ دوں گا نام ان کا ...... یہ امام موسیٰ کاظمؑ کے سبق کی روح تھی ...... میرے پاس اگر موٹر ہے اور میرا مومن بھائی پیدل جا رہا ہے ...... میرا فرض ہے کہ موٹر روکوں اور اس کو ساتھ بٹھاؤں ...... اور اگر میں گزرا چلا گیا تو امام موسیٰ کاظمؑ فرماتے ہیں، میں ان کا نام کاٹ دوں گا۔

سمجھے نا جناب ! ایک دوسرے کی مدد کرنا، یہ ان کی سب سے بڑی تعلیم ہے ...... وہ علی بن یقطین کا واقعہ سنا دوں ...... آپ کو ...... سنیں گے نا! آپ ...... ایک بہت بڑے مومن کامل ...... بہت بڑے بزرگ تھے ...... جب جانے لگے امام کی زیارت کو ...... تو ان کے ہمسائے میں ایک شخص رہتا تھا ...... وہ بیچارہ لکڑہارا تھا ...... لکڑیاں بیچتا تھا۔ یہی اس کا گزارہ تھا۔ غریب آدمی تھا۔ وہ آیا ...... اس نے آکر سلام کیا کہ میں بڑا غریب آدمی ہوں ...... آپ کی خدمت کرتا چلوں گا ...... اس نے کہا ...... جا میاں جا ...... اب جگہ نہیں رہی سواری میں ...... وہ مومن بیچارہ چلا گیا ...... یہ علی بن یقطین حج کو گئے ...... ان کے مومن ہونے کی بڑی شہرت تھی ...... حج کر کے یہ مدینے آئے ...... امامؑ کے سلام کو حاضر ہوئے ...... جب آئے تو کہا ...... کہ میری اطلاع کراؤ ...... اطلاع ہوئی ...... تو اس آدمی نے آکر کہا ...... کہ امامؑ فرماتے ہیں ...... ہم تم سے ملنا نہیں چاہتے ...... ہم نے تمہارا نام کاٹ دیا ہے اپنے شیعوں کی فہرست سے ...... اب تمہارا ہمارا کوئی واسطہ نہیں ...... تم جاؤ ...... فوراً اٹھ کر چلے جاؤ ...... ورنہ تم پر عذاب نازل ہوگا ...... علی بن یقطین تو گھبرا گیا ...... اس کا برا حال ہو گیا ...... ہائیں میں نے کیا کر دیا؟ ...... مجھ سے کیا قصور سرزد ہو گیا؟ ...... روئے چلائے چلا جا رہا ہے ...... اس کا تو برا حال ہو گیا ...... اس نے کہا جس طرح بھی ہو سکے امامؑ سے بات کرا دو ...... مجھے پتہ چلے کہ میرا جرم کیا تھا؟ ...... خیر سامنے آگیا تو مولاؑ نے کہا ...... سن ...... تو "میرے بھائی" کو ساتھ بٹھا کر نہیں لایا ...... غربت کی وجہ سے اسے حقیر سمجھا ...... نکل جاؤ یہاں سے ...... ایسے شیعہ مجھے منظور نہیں ہیں ...... ایسے شیعہ کو ہم پسند نہیں کرتے ...... تو مولاؑ اب اس کی کیا تلافی کروں؟ ...... فرمایا کہ جب تک وہ تمہیں معاف نہیں کرے گا ...... میں تمہیں معاف نہیں کروں گا ...... کہا ...... قبلہ وہ بڑی دور ہے یہاں سے ...... میں جاؤں وہاں ...... وہ معاف نہ کرے ...... میں تو مارا گیا۔ حضورؑ مسکرائے فرمایا اگر تیری نیت ٹھیک ہے تو ایک سیکنڈ میں وہاں پہنچا دوں گا چنانچہ فوراً پہنچا دیا گیا ...... تو جا کے اس نے اس مومن کا دروازہ کھٹکھٹایا ...... کون ہے؟ ...... کہا کہ میں علی بن یقطین ...... تو اس نے اندر سے بے نیازی سے جواب دیا ...... کہ بھلا

میرے دروازے پر علیؑ بن یقطین کیوں آوے گا۔ ملنے کے لئے ...... کہا ذرا دیکھئے خدا کے لئے ذرا باہر آؤ، وہ باہر آیا ...... تو اس نے کہا کہ کیا قصہ ہے؟ ...... دیکھ کے گھبرا گیا ...... آپ کیسے؟ ...... علی زمین پر لیٹ گئے اور لیٹ کر کہا کہ میرے پر جوتوں سمیت کھڑا ہو جا ...... اور جوتوں سے میرے منہ کو کچل اور پھر مجھے کہو کہ میں نے تجھے معاف کر دیا ...... وہ غریب آدمی ڈرے ...... اور جو میں تجھے کہتا ہوں ...... تجھے کرنا پڑے گا ...... کہ بات کیا ہے؟ ...... کہا کہ میرے مولا ناراض ہو گئے ...... اس نے کہا ہائیں ہم غریبوں کا اتنا خیال ہے ...... یہ کہہ کر اس نے ہائے مولاؑ کہا اور ...... دم نکل گیا ...... ہائے مولاؑ کہا اور فرط محبت سے دم نکل گیا۔

علی بن یقطین مدینے واپس پہنچا اعجاز سے ...... کہنے لگا مولا وہ تو مر گیا ...... یہ بات سن کے ...... اب میں کیسے یقین کروں کہ اس نے معاف کر دیا ہے یا نہیں تو آپ نے آواز دی ...... ہارون ...... تو دیکھا کہ وہ چلا آرہا ہے ...... دنیا بھر کو انہوں نے سبق دیا ...... یہی میرے مولاؑ مدینہ میں روضہ رسولؐ پر تھے کہ آگیا ہارون الرشید ...... یہ اس زمانے کا بادشاہ تھا اس نے آکر سلام کیا ...... السلام عليك يا ابن عم ...... میرے چچا کے بیٹے تم پر میرا سلام ہو ...... تو امامؑ نے کہا "السلام عليك یاجده" میرے جد پاکؐ میرا سلام ہو ...... اس نے جد کہہ کر سلام کیا۔ اس نے ابن عم کہہ کر سلام کیا ...... تو اس نے کہا آپ اکڑتے کیوں ہیں؟ ...... میں عباسؓ کی اولاد ہوں ...... آپ ابی طالبؑ کی اولاد ہیں۔ آپ بھی چچا کی اولاد ہیں میں بھی چچا کی اولاد ہوں ...... تو امامؑ نے فرمایا کہ سن اگر آج رسالتمآب آجائیں زمین پر اور تیری بیٹی سے شادی کرنا چاہیں تو کیا تو کر دے گا؟ ...... کہا سبحان اللہ! مجھے تو فخر ہوگا میری بیٹی ام المؤمنین بنے گی ...... کہا کہ بس یہ تجھ میں اور مجھ میں فرق ہے کہ رسولؐ تیری بیٹی سے شادی کر سکتے ہیں۔ میری بیٹی ان کی اپنی بیٹی ہے ...... سمجھا ...... اس کے جواب میں اس نے کیا کیا ...... کہ رات کے وقت مولاؑ کے گھر کا محاصرہ کر لیا ...... قید کر دیا ...... جب جا رہے تھے قید ہو کر تو لڑکیوں نے ...... لڑکی بڑی چیز ہوتی ہے ...... بیٹے میں وہ بات نہیں ہوتی بیٹو ...... مجھے معاف کرنا ...... ہو تو بیٹے ......

مگر بیٹے کی محبت کا انداز اور ہوتا ہے بیٹی کا محبت کا انداز اور ہوتا ہے ...... خدا نے جنہیں بیٹیاں دی ہیں انہیں اندازہ ہوگا کہ بیٹی کا پیار کیا ہوتا ہے؟ اور بیٹے کا پیار کیا ہوتا ہے؟ ...... بیٹی لپٹ گئی مولاؑ کہ بابا میں تو نہیں جانے دوں گی ...... آپ کو ...... کہا بیٹی فکر نہ کر میں آؤں گا ...... تجھے ملوں گا ...... کوئی بات نہیں ہے ...... قید کر کے لے گیا ...... قید کا قصہ نہیں سناتا ...... لمبا ہے ...... بہر نوع کچھ دن کے بعد رہائی ہوگئی ...... یہ ہارون کی حکومت چودہ سال رہی۔ چودہ سال کے عرصے میں کم سے کم آٹھ مرتبہ آپ کو مختلف وقفوں میں قید کیا گیا ...... یہ نہیں کہ چودہ سال مسلسل قید رکھا ...... ایسا نہیں ہے ...... چودہ سال کے عرصے میں کئی مرتبہ قید ہوئے ...... کبھی دو مہینے ...... کبھی چار مہینے ...... اس طرح وہ قید کرتا رہا ...... سن رہے ہو نا بھائی میری بات۔ جب آخری مرتبہ قید کیا ہے اس نے ...... تو آپ کے قید خانے کا داروغہ جو تھا ...... اس خبیث کا نام تھا ...... سندی بن شاہک ...... مومنین ...... یہ ظالم شمر سے بھی بدتر انسان تھا ...... یعنی میرے بدن میں آگ لگ جاتی ہے ...... اس کا نام لے کر ...... ایسا نامعقول ایسا خبیث دربان تھا کہ کئی شمر اکھٹے ہو جائیں تو سندی بن شاہک بنتا ہے ...... داروغہ تھا، قید خانے میں بڑے واقعات ہوئے ہیں ...... تمہیں چند جملے سنا کے بیٹھ جاتا ہوں ...... اگر تم سن سکو ...... تو وہ جملے میں سنا دوں ...... تین چار مہینے گزر گئے قید میں ...... کوٹھڑی ایسی کہ کھڑے ہوتے ہیں تو چھت نیچی ...... اور لیٹتے ہیں تو دیواریں چھوٹی ...... پاؤں نہیں پھیلتے ...... جس میں یہ قید تھے ...... ایسی کوٹھری ...... سن رہے ہو نا! میرے بھائی ...... اور ہر وقت یااللہ تیرا شکر ہے ...... اس کے سوا کچھ نہیں کہا ...... ایک دن زہر دے دیا گیا ...... میں نے مختصر کر دیا ہے ...... زہر پلانے کے بعد سرکاری ڈاکٹر بھیجا ...... کہ وہ اس کی توثیق کرے ...... کہ ان کو زہر نہیں دیا گیا ہے بلکہ ان کی موت ...... طبعی موت ہوئی ہے ...... سندی بن شاہک ...... خبیث کہتا کہ خبردار قیدی یہ سرکاری طبیب جو آیا ہے تو نے اسے نہیں بتانا ...... کہ مجھے زہر دیا گیا ہے۔ ...... خبردار جو بتایا ...... وہ طبیب آ کے دیکھنے لگا ...... آپ نے دونوں ہتھیلیاں سامنے کر دیں تو ...... ہتھیلیوں کو دیکھتے ہی اس نے کہ کہا ...... کہ تم نے تو اس

بیچارے کو زہر دے دیا ہے ...... ہتھیلیوں پر آثار تھے زہر کے ...... وہ تو یہ کہہ کے چلا گیا ...... سندی بن شاہک نے کیا کیا ...... معاف کرنا دوستو ...... مجھے پتہ نہیں آسمان کیوں قائم رہا ...... اتنا غریب اور مظلوم امام اور کوئی نہیں ...... یہ ظالم آگے بڑھا ...... ہاتھ میں ریش مبارک کو پکڑ کے زور سے طمانچہ مارا ......

ادھر کوٹھری کے پیچھے سے آواز آئی ...... بیٹا صبر کرو ...... میں تیری دادی آئی ہوئی ہوں ...... یہ مصیبت تو حسینؑ پر بھی نہیں گزری تھی ...... تمام مومنین کی خدمت میں۔ میں ان کے امامؑ کا پرسہ پیش کرتا ہوں ...... جب شہادت ہوگئی۔ سندی نے حکومت کو اطلاع دی کہ قیدی ختم ہو گیا ...... حکومت نے کیا انتظام کیا؟ ...... دور دراز سے آئے ہوئے پردیسی مزدور جو جانتے بھی نہ تھے کہ یہ کون ہے؟ ...... انہیں بلایا ...... چار مزدور جو جانتے بھی نہیں کہ یہ کون ہے؟ ...... کہا ...... کہ ایک تختے پر ڈال کر اسے اٹھا کے لے جاؤ ...... اور کہیں بھی پھینک دو ...... اس طرح جنازہ اٹھا ہے آپ کے ساتویں امامؑ کا ...... مزدوروں نے کیا کیا وہ جنازہ لے جا کے دجلے کے پل پر رکھ کے چلے آئے ...... مطلب یہ ہے کہ پل پر ٹریفک گھوڑے ...... اونٹ وغیرہ ان کے پاؤں میں آکر ختم ہو جائے گا ...... کس نے دفن کرنا ہے؟ کس نے اٹھانا ہے؟ ...... مگر ہوا ایسا جب ٹریفک کا گزر ہوا ...... تو گھوڑے پل کے دونوں طرف رک گئے ...... سوار حیران ...... کہ قصہ کیا ہے؟ ...... اتر کے دیکھا کہ کوئی شے لپٹی ہوئی ہے کپڑے میں ...... کپڑا ہٹا کے دیکھا ...... میت ہے ...... وہ تھے عیسائی قافلے ...... ان عیسائیوں نے کہا یہ مسلمان کی میت ہے ...... یہ شہر بھی مسلمانوں کا ہے ...... قریب کے مسلمانوں کا بلا کر کہا کہ کیا تمہارے ملک میں میت کو دفن کرنے کی رسم نہیں ہے؟ ...... ہے کوئی ایسا جو اس بیچارے کو دفن کر دے ...... سلیمان نامی ایک مومن تھا بغداد کا ...... اس نے منت مانی تھی ...... کہ اگر میرا کام ہو گیا تو میں فاطمہؑ کے بیٹے کا کوئی کام کروں گا ...... کوئی خدمت کروں گا ...... وہ اپنے گھر رات کو سویا ...... خواب میں پردہ پوش خاتونؑ آئی ...... سلیمان تم نے یہ منت مانی تھی ...... کہا ...... ہاں ...... تو میں فاطمہؑ آئی ہوں ...... تیرے دروازے پر ...... گھبرا گیا بی بی آپؑ

نے کیوں تکلیف فرمائی؟ ...... کہا تو نے میرے بیٹے کی خدمت کا وعدہ کیا تھا ...... میرے بیٹے کی میت بغداد کے پل پر رکھی ہوئی ہے ...... جلدی جاؤ ...... وہ اٹھا ...... بغداد کے پل پر گیا ...... میت دیکھی ...... اتنا اثر ہوا کہ قریب تھا کہ وہ بھی مر جاتا ...... مرنے لگا ...... اپنے کو سنبھالا ...... لوہاروں کے محلے میں گیا ...... لوہار کو بلایا ...... بھلا میت کے لئے لوہار کو کیوں بلا لایا؟ ...... میرے عزیزو ...... کہ میت کے ہاتھوں میں ہتھکڑی بھی تھی ...... میت کے پیروں میں بیڑی بھی تھی۔ لوہار نے آکر وہ ہتھکڑی، بیڑی کاٹی اور پھر انہوں نے اکھٹے ہو کر امامؑ کی میت اٹھائی ...... اور وہ سب اپنے ساتھ اپنے بیویوں کو ...... اپنی عورتوں کو ...... بچوں کو لائے تھے ...... کہ ہم میت لے کے چلیں گے ...... اور ننگے سر روتے ہوئے جنازے کے پیچھے چلے ...... تاکہ جنازے کی رونق ہو جائے ...... اور اسے غریبوں کے ...... پردیسیوں کے قبرستان میں دفن کر دیا ...... اور بات ختم ہو گئی۔ ہمارے گھر آج یہ واقعہ ہوا ہے ...... بتاؤ آج کا دن ہمارے لئے یوم عاشورا سے کم ہے؟ بولو بھئی؟ اتنا بڑا حادثہ ہمارے ساتھ گزرا ہے ...... آج وہ پردیسیوں کا قبرستان "باب الحوائج" کہلاتا ہے۔ وہاں حرم بنا ہوا ہے ...... وہاں دربار ہے "کاظمین" جس بادشاہ نے زہر دیا تھا ...... نام و نشان نہیں ...... کہاں گئے؟ ...... کیا بنا؟ ...... ان کے دربار میں آج لاکھوں انسان یہ کہہ رہے تھیں کہ ہمارے ماں باپ تم پر قربان ہوں ...... اور ہم لاہور میں بیٹھ کر رو رہے ہیں ...... اور دنیا میں ہزاروں جگہ "ہائے کاظمؑ" "ہائے موسیٰؑ" کی مجالس برپا ہیں ...... خدا تمہاری مجلس کو قبول کرے۔

خدا تمہیں جزائے خیر دے ...... اللہ تمہیں حق محمدؐ و آل محمدؐ سلامت رکھے ...... آپ حضرات کو دین و دنیا کی ہر نعمت نصیب ہو۔ آمین

اللھم صل علی محمد و آل محمد

ہجرتِ رسولؐ

عُنوان

فضائل ...... ہجرتِ رسولؐ

مصائب ...... تیاری از مدینہ

محمدؐ کا نواسہ کوچ کرتا ہے مدینے سے

نبی کی بیٹیو! گھر سے نکلنے کی اجازت ہے

ذکی سرور کوٹی

ہجرت رسول ﷺ

میرے محترم سامعین! اللہ آپ کی ان محفلوں کو قبول و منظور فرمائے۔ اللہ کا سب سے بڑا فضل یہ ہے ہم پر کہ ہم سب مسلمان ہیں۔ اور اس کے لئے سب سے پہلی شرط یہ ہے کہ ہم اللہ پر ایمان لائیں اور اس کو مانیں۔ اب مصیبت یہ بن جاتی ہے کہ حضور والا! کہ ایک ہوتا ہے جاننا...... ایک ہوتا ہے ماننا...... اب یہ فیصلہ تنہائی میں بیٹھ کر خود اپنے آپ سے کرنا ہے کہ ہم صرف جانتے ہیں یا مانتے ہیں۔ جاننے میں اور ماننے میں بڑا فرق ہے۔ اگر جاننے کی بات ہے تو ہم اسے تقریروں میں بیان کر سکتے ہیں اور کتابیں بھی لکھی جا سکتی ہیں۔ یہ ہے جاننا...... اب سوال ہے ماننا...... میں خوب اچھی طرح جانتا ہوں کہ ہندوستان کی گورنمنٹ جو ہے (بھارت کی)...... اس کا سربراہ فلاں ہے۔...... اس کا وزیر اعظم فلاں ہے۔ اس کے خاندان کو جانتا ہوں۔ ان کی نسلوں کو جانتا ہوں۔ مگر آپ بتائیں ان کے قانون کو، ان کے قاعدے، ان کے حکم کو میں مانتا ہوں؟ ہرگز نہیں...... جاننا بات اور ہے اور ماننا بات اور ہے۔ اب ہمیں یہ سوچنا ہے کہ ہم اللہ کو کس شان سے اللہ مانتے ہیں؟ اللہ کو صرف جانتے ہی ہیں یا مانتے بھی ہیں کہ وہ ایسا ہے مالک ہے رحیم ہے کریم ہے...... تو یہ ہم صرف جانتے ہی جانتے ہیں یا مانتے بھی ہیں...... ممکن ہے آپ کے کہنے سے ہم نہیں مانتے...... مولوی صاحبان مانتے ہوں گے۔ ان کا بھی نہیں پتہ...... وہ مانتے ہی ہیں یا جانتے بھی ہیں...... آپ نے رات کو اکثر دیکھا ہو گا کہ بچہ رونے لگا تو اس کی ماں ڈراتی ہے بچے کو...... کہ سو جاؤ وہ "ہوا" آ گیا...... بچہ ڈر کے سو جاتا ہے...... اب بتاؤ کہ وہ ماں بھی ڈرتی ہو گی "ہوے" سے۔ جو بچے کو ڈرا رہی ہے...... وہ ماں بھی ڈرتی ہے؟ نہیں نا۔ ماں تو نہیں ڈرتی...... اسی طرح ادھر نظر آ رہا ہے...... اللہ جانے...... یہ ڈرانے والے خود بھی ڈرتے ہیں یا نہیں...... ہمیں ڈرایا جاتا ہے...... اور اتنی شدت سے ڈراتے ہیں اللہ سے ہمیں...... تم نے تصویر کیوں بنوائی بڑی غلط بات ہے...... اللہ سے ڈرو...... یہ تم نے کالے کپڑے کیوں پہنے...... اللہ سے ڈرو...... ڈر رہے ہیں......

یہ تم روتے کیوں ہو...... اللہ سے ڈرو...... ڈرا ڈرا کے اللہ سے خوف پیدا ہو گیا ہے اللہ کا...... اتنے سہم گئے ہیں اللہ سے...... کہ جہاں اللہ کا ذکر ہوتا ہو...... ڈر کے مارے نہیں جاتے...... تندرست نوجوانوں کے راستے میں اگر مسجد آ جائے تو، تو چکر کاٹ کے چلے جاتے ہیں۔ کیوں بھئی کیا بات ہے؟...... جی اللہ سے ڈر آتا ہے...... اتنا ڈرایا گیا اللہ سے اللہ کے بندوں کو...... کوئی سمجھانے والا نہیں...... کہ اللہ سے ڈرانے والو! اللہ سے ڈرو کیوں اس کے بندوں کو ڈرا ڈرا کر مارتے ہو...... اللہ کوئی ظالم ہے؟...... کیوں ڈرو اللہ سے...... اللہ تو بڑا پیارا ہے...... بڑا رحیم ہے...... بڑا کریم ہے...... ایسے کریم اور مہربان سے ڈرنا چاہیے...... اس سے محبت کرو اس سے پیار کرو۔ اس کے قریب جاؤ...... وہ تو ہمیں پاس بلاتا ہے...... ڈرو تو صرف اس بات سے کہ وہ محبوب اللہ ہے کہیں تم سے روٹھ نہ جائے۔ اس گفتگو کو میں طویل نہیں کرنا چاہتا ہوں کیونکہ میرے وطن کا مجمع ہے اور وہ اس زبان کو خوب سمجھتے ہیں...... تو بھائی مان لیں اللہ کو اور ماننے کی پہلی شکل یہ ہے کہ اچھی طرح جان لو...... اس کی ذات کو پہچان لو اس کی صفات کو اور مان لو اس کی بات کو...... بات کو مانو...... اور اس کے ماننے میں بھی بہت سی چیزیں چھوڑنی پڑیں گی...... ہر وہ شے جو اللہ کی طرف جانے سے روکتی ہو...... وہ بت ہے اس کو چھوڑنا پڑے گا...... اگر اولاد کی محبت خدا کی طرف جانے سے روکتی ہو...... تو اولاد "بت" ہے اور گھر کی محبت اگر اللہ کی طرف جانے سے روکتی ہو تو گھر "بت" ہے۔ اور وطن کی محبت اگر اللہ کی طرف جانے سے روکتی ہو تو وطن "بت" ہے...... ان سارے بتوں کو توڑ کر جس نے ہمیں اللہ کی طرف پہنچایا ہے اسے اسلام کہتے ہیں۔ چنانچہ ہمارے رسولؐ نے بھی اسلام کی خاطر وطن کو چھوڑ دیا...... وطن سے ہجرت کی اور ہجرت کے معنی ہی یہی ہیں کہ اپنے محبوب وطن کو چھوڑا...... صرف اللہ کی خاطر...... نہیں کہ یہاں سے جا کر شہنشاہی مل گئی تھی...... حکومت مل گئی تھی...... سلطنت مل گئی تھی بلکہ اللہ کی خاطر اپنے وطن کو چھوڑ رہے تھے۔ اس لئے وطن چھوڑا کہ اس سے اللہ خوش ہو جائے...... اللہ راضی ہو گا...... اور آپ حضرات کو یاد ہو گا کہ یہ ہجرت کا واقعہ ربیع الاول کے مہینے میں ہوا۔ ربیع

الاول کے پہلے ہفتے میں یہ ہجرت کا واقع ہوا تھا۔ مگر سن ہجری جائے ربیع الاول کے محرم سے شروع ہوتا ہے اور دنیا کا دستور یہ ہے کہ وہ اپنے سن کسی بڑے واقع سے شروع کرتے ہیں۔ اگر یہ ہمارا سن رسولؐ کی ہجرت سے شروع ہے تو ربیع الاول سے ہونا چاہیے ...... اور اس کا محرم سے شروع ہونا بتاتا ہے کہ ہے تو ہجری ہی مگر محمدؐ کی ہجرت سے نہیں ...... سمجھ آگئی ہے نا بات ...... بہر نوع ربیع الاول کے مہینے میں رسولؐ کی ہجرت تھی۔ وطن چھوڑا اور عجیب بات ہے کہ تمام مکے کے کفار حضورؐ کے دشمن تھے ...... بالکل سادہ سادہ بات ہے۔ عزیز و قریب سب دشمن تھے۔ اپنے پرائے دشمن تھے۔ جن سے خون کا رشتہ تھا وہ دشمن تھے۔ جو رات دن چاروں طرف رہتے تھے وہ دشمن تھے۔ مگر ان دشمنوں کے بیچ میں رہتے تھے مکے میں ...... اس لئے کہ اللہ تو مددگار ہے ہی ہر حالت میں ...... اور ظاہری حالت میں ابی طالبؑ جیسا مددگار موجود تھا۔ ابی طالبؑ کے ہوتے ہوئے مکہ چھوڑنے کی ضرورت ہی نہ پیش آئی اتنا عظیم مددگار موجود تھا شیخ البطحا، امیر العرب، سید القوم جناب ابی طالبؑ وہ مددگار موجود تھا ...... اتنا بلند ہے ان کے ایمان کا آفتاب کہ آج تک جن کی نگاہوں میں نقص ہے وہ اس ایمانی آفتاب کو دیکھ ہی نہیں سکتے یہ ابی طالبؑ کے ایمان کی چمک ہے کہ نگاہیں خیرہ ہو جاتی ہیں ...... کوئی کچھ کہتا ہے ان کے ایمان کے متعلق ...... کہ ابی طالبؑ مومن تھے یا نہیں ...... مجھے کیا خبر ...... وہ تو تھے یا نہیں ...... مجھے نہیں پتہ ...... بس کل ایمان کے لاۤ تھے ...... میرے پاس ہے یہ رومال ...... پانچ چار آنے کا رومال کھو جائے گا ...... تو آپ خرید دیں گے یا میں خود خرید لوں گا کوئی ایسی بات نہیں ...... یہ رومال میں کسی کے سپرد کرنا چاہتا ہوں ...... کہ بھئی مجلس کے بعد مجھے واپس کر دینا۔ تو کیا جس سے جان نہ پہچان اس کے سپرد کر دوں گا وہ رومال ...... یہ رومال چار آنے کا سپرد کرتے وقت مجھے یہ سوچنا پڑے گا کہ اس آدمی کو میں جانتا بھی ہوں کہ نہیں۔ میرا واقف بھی ہے کہ نہیں۔ مجلس کے بعد واپس بھی کر دے گا کہ نہیں۔ چار آنے کی چیز سپرد کرتے ہوئے واقفیت بھی دیکھنا پڑتی ہے۔ اس کی ایمانداری بھی دیکھنا پڑتی ہے۔ وہ ایمان دار بھی ہے یا نہیں۔ اب اللہ کے خزانے میں سب سے قیمتی ہیرا سب سے

قیمتی موتی اگر تھا تو وہ تھا "محمدؐ" محمدؐ جیسے قیمتی ہیرے کو اللہ جس کے سپرد کر دے۔ اللہ اسے ایماندار سمجھتا ہے کہ نہیں۔ اللہ اسے اتنا ایماندار سمجھے کہ محمدؐ جیسی شے اس کے سپرد کر دے ...... اور ہم کہیں ...... کہ نہیں نہیں ...... میں نے ابی طالبؑ کو تصور میں ہنستے ہوئے دیکھا میں نے کہا کہ قبلہ آپ کیوں ہنس رہے ہیں۔ تو کہنے لگے کہ لطف آگیا ...... کیا لطف آگیا ...... بھئی جس کے پاس جو کچھ ہے وہ لے کے میرے پاس آجاتا ہے۔ جیسے اللہ کے پاس نبوت تھی امامت تھی وہ میرے پاس لے کے آیا۔ لو ...... یہ لو ...... مومنوں کے پاس درود و سلام تھا، وہ لے کے میرے پاس آگئے کہ ہم تمہیں یہ دیتے ہیں ...... جن کی پاس "ایمان" ہے ہی نہیں وہ ایمان لے کے کہاں سے آئیں۔ جن کے پاس جو کچھ ہے وہ میرے پاس لے آتا ہے۔ ابی طالبؑ خود حفاظت فرماتے ہیں محمدؐ کی ...... یہ چھوٹی چھوٹی باتیں ہیں ان سے بڑی بڑی باتیں نکلتی ہیں ...... کہ رات کو محمدؐ کو سلا دیتے اور ...... جب رات کا حصہ گزر جاتا تو ...... سوتے ہوئے رسولؐ کو گود میں اٹھا کے دوسرے بستر پر لٹا دیتے ...... اور محمد والے بستر پر اپنے بیٹے کو سلا دیتے کہ بے شک اچانک کسی حملے میں میرا بیٹا مر جائے مگر محمدؐ بچ جائے ...... تو گویا ابی طالبؑ نے برسوں مشق کرا دی اپنے بیٹوں کو ...... محمدؐ کے خطرناک بستر پر سونے کی ...... اب اگر کہیں ابی طالبؑ کا بیٹا سوتا ہوا ملے یہ باپ کی ڈلوائی ہوئی عادت کی طاقت ہے ...... اسے مشق کرا دی تھی ...... اب ابی طالبؑ کی رحلت ہو جانے کے بعد ...... جب رسولؐ کے پاس بقول آپ کے دنیا کا سب سے بڑا فاتح خیبر موجود ہے اور بقول مسلمانوں کے "فاتح اعظم" موجود ہے اتنے بہادر کے ہوتے ہوئے ابی طالبؑ کے نہ ہونے سے مکے میں نہ رہے اور جا رہے ہیں ...... مکے سے جا رہے ہیں ...... اور جانا بھی کیسا ...... یہ نہیں کہ دن میں جا رہے ہیں ...... سب کے سامنے جا رہے ہیں ...... کہ چلو ہم جا رہے ہیں ...... یہ نہیں ...... بلکہ رات کو چھپ کے جا رہے ہیں ...... سب کچھ چھوڑ کے رسولؐ مکے سے جا رہے ہیں۔

اب ایک بات میری بھی سن لیں ...... ہمارے مسلمانوں کے پاس ایک کتاب

ہے جسے ہم مسلمان قرآن کے بعد سب سے زیادہ صحیح مانتے ہیں ...... احادیث کی
کتاب ہے بڑی عظیم کتاب ہے ..... سمجھے حضور ..... اس کی جو عزت کوئی نہ کرے .....
اسے حق ہے ..... عظیم کتاب ..... مسلمانوں کے پاس ہے ..... اس کتاب میں یہ لکھا ہوا
ہے ..... کہ حضرت ام المومنین ..... ہم مومنوں کی مادر گرامی ..... عائشہ صدیقہ .....
ارشاد فرماتی ہیں کہ اندھیری رات میں جب حضورؐ باہر سے بیت الشرف میں تشریف
لاتے تھے تو آپ کا چہرہ مبارک اتنا نورانی ہوتا تھا ..... اتنا روشن ہوتا تھا کہ ہم دن میں
کھوئی ہوئی چیز ..... جو سورج کی روشنی میں ہمیں نہیں ملتی تھی ..... وہ حضورؐ کے چہرے
کی روشنی میں اسے تلاش کرتے تھے ..... ہم میں سے کس کی مجال ہے کہ جو اس بات کی
تردید کردے ..... اب بتاؤ میرے بزرگو ..... جس شخص کا چہرہ پانچ چار سو گیسوں کی روشنی
کے برابر ہو ..... وہ رات کو چھپے کیسے ؟ ..... جس گھر میں وہ ہوگا ..... وہ گھر روشن ہوگا کہ
نہیں ..... حسب فرمان ام المومنین ..... اس گھر میں روشنی ہوگی ..... اور جب اس گھر
سے جائے گا تو اس گھر میں اندھیرہ ہو جائے گا۔ اندھیرہ ہوتے ہی سمجھ جائیں گے
گھیرنے والے کہ وہ چلا گیا ..... اب اسے ضرورت ہے یا نہیں ..... کہ جاتے وقت کسی
ایسے کو چھوڑ کے جائے کہ روشنی میں کمی نہ آئے ..... یہ ضرورت ہے یا نہیں ..... جب یہ
انتظام بھی وہ کرے دوسری مصیبت یہ ہے کہ ..... ہاتھ میں لے لیں آپ گیس یا لالٹین
..... اور رات کو چھپ کے جائیں آپ گلیوں میں ..... وہ لالٹین نہیں چھپنے دے گی ..... وہ
روشنی نہیں چھپنے دے گی ..... وہ روشنی بتادے گی کہ ..... ادھر گیا ..... ادھر گیا ..... جس
کا چہرہ ہزار پاور بلب سے بھی روشن ہو ..... وہ رات کو کیسے چھپ کے چلے ؟ ..... اسے
ضرورت ہے یا نہیں ..... کہ کوئی تاریک نقاب اس کے ساتھ ہو جو اس کے نور کو چھپا
کے لے چلے۔ اس کی ضرورت ہے یا نہیں ..... تو ایک نورپاش کی ضرورت ہے ..... ایک
نور پوش کی ضرورت ہے گھر میں روشنی بھی رہے۔ اس حالت میں ہجرت کر کے جا رہے
ہیں ..... اور چلے گئے ..... گھر سے ہجرت کر کے جانا اور پھر ..... خدا کے حکم کے مطابق
یقین ہے کہ میں واپس آؤں گا ..... مگر مڑ مڑ کے دیکھتے ہیں اپنے شہر کو ..... میں اس شہر

میں زندگی گزار رہا تھا۔ میں اس شہر میں آباد تھا ..... میں اس کی گلیوں میں کھیلتا تھا ..... بار
بار مڑ کے دیکھتے ہیں اللہ تسلی دیتا ہے ..... فکر نہ کر واپس آئے گا یہ یقین تھا ..... مگر بار بار
شہر کو دیکھتے ہیں اور تین چار دن تک غار ثور میں پوشیدہ رہے۔ وہاں رفیق سفر بھی ساتھ
رہا جسے گھر سلا گئے تھے ..... اس کے ساتھ جو گزرنا تھی وہ گزرتی رہی ..... بہر نوع یہاں
رفیق سفر ساتھ رہا ..... اب میرے مجمع میں شعرائے کرام بھی ہیں ..... میں تو مولوی
آدمی ہوں ..... مولوی اور شاعری میں آپس میں بیر ہوتا ہے۔ شاعر مولوی نہیں ہوتا اور
مولوی شاعر نہیں ہوتا ..... مجھے تو شاعری آتی نہیں بالکل ..... میں تو سیدھی سی بات
کرتا ہوں یہ جو ہجرت ہے نا! لفظ ہجرت عربی کا لفظ ہے ہجر سے بنا ہے ..... یہ جو شب
ہجرت ہے نا! اسے شب ہجر بھی کہتے ہیں ہجرت کی رات یا ہجر کی رات ..... میں نے تو
شاعروں کا کلام سنا ہے وہ ہجر کی رات کی یونہی تشریح کرتے ہیں کہ جب ہجر کی رات آتی
ہے ..... اس ہجر کی رات کو کوئی سو کے گزار دیتا ہے کوئی رو کے گزار دیتا ہے۔ شب ہجر
کی یہی تاثیر ہے کہ کسی نے سو کر گزار دی یا کسی نے رو کر گزار دی ..... یہ کہتے ہیں
شعراء ..... شب ہجر کو ..... یہ بچے مجھ پر ہنس رہے ہیں ..... میری بات پر ہنس رہے ہیں
..... میرے بچو! جب میری عمر میں آؤ گے تو پتہ چلے گا۔ تم پر بھی بچے ہنسیں گے .....
رات کو جب میں سوتا ہوں تو مجھے کھانسی آتی ہے تو گھر بھر کے بچے کہتے ہیں ..... بابا
سونے بھی دے ..... بابا چپ بھی رہ ..... بابا رات بھر جھڑکیاں کھاتا ہے ..... اوہ بابا خاموش
رہو ..... کیوں شور مچایا ہے ..... آرام بھی کرنے دو ..... اور جوان! سبحان اللہ شام کو اگر
چادر تان کے سوتا ہے تو صبح تک انگڑائی نہیں لیتا ..... جوانی کو ساری رات سونا اور صبح کو
پھر مرضیوں کے مالک ..... بوڑھا بے چارہ رات بھر جھڑکیاں کھاتا ہے ..... میں تو اب
کہتا ہوں کہ اچھا کہ اللہ میاں اٹھالے۔ ورنہ دو چار سال کے بعد بچے کہیں گے کہ ..... بابا
بیٹھ بھی جا ..... کسی بندے کو بات کرنے دے ..... ایسا آدمی تو منبر پہ بھی نہیں بیٹھتا ..... اور
جب بچہ ٹوک دے ..... تو اسے کہنا پڑ جاتا ہے میں کب خود منبر پر بیٹھا ہوں؟ ..... کسی
نے بٹھایا میں بیٹھ گیا ..... اس میں میرا کون سا قصور ہے ..... تم میرا کیوں مذاق اڑاتے ہو

...... بہر حال ہجرت کرنا پڑ گئی ...... مدینے پہنچ گئے ...... اور اب میں بالکل مختصر کرتا ہوں ...... مدینہ شہر کے باہر قیام کیا ...... اور جسے گھر چھوڑ آئے تھے جب آ گیا وہ واپس تو اسے ساتھ لے کر شہر مدینہ میں داخل ہوئے ...... اور تاریخ کا تو مجھے پتہ نہیں ...... علامہ ابن خلدون کی تاریخ کو پڑھا ...... بڑی معتبر ...... صحیفہ آسمانی مانا جاتا ہے ...... اس میں یہ لکھا ہے کہ جب مدینے میں گئے تو شہر کے سب لوگ اس بات کے خواہش مند تھے ...... کہ حضورؐ ہمارے گھر قیام کریں ...... ہمارے گھر قیام کریں تو آپ نے کہا ٹھہرو ...... آپ نے ایک ناقہ سجایا بیچ میں ...... جو اونٹنی ابھی تازہ خریدی تھی۔ کوئی بڑا ہوشیار قسم کا اونٹ کا تاجر تھا ...... رسولؐ کو ...... مل گیا تھا جس نے دو سو کی اونٹنی نو سو میں بیچ دی تھی ...... اس اونٹنی کو سجایا آپ نے اور اس اونٹنی پر ...... یہ علامہ ابن خلدون کی بات کر رہا ہوں میں ...... اپنے بھائی علیؑ کو جسے چھوڑ آئے تھے مکے ...... اسے سوار کیا اور خود پیدل ...... اور سارا مجمع مہاجر و انصار کا پیدل ...... اس کے ساتھ ساتھ حضور چل رہے تھے کہ چلو بھئی شہر میں ...... گویا پہلا کام ہجرت میں ...... مدینے میں یہ کیا ...... کہ داماد کا جلوس نکالا اور لوگوں سے یہ کہہ دیا کہ مدینے والو! یہ اونٹنی جس کے گھر کے سامنے بیٹھ جائے گی ...... بس ہم اس کے گھر مہمان ہو جائیں گے ...... چنانچہ اونٹنی چلی جا رہی ہے ...... ہر گھر والے کی خواہش ہے کہ اونٹنی یہاں بیٹھے ...... جب اونٹنی وہاں سے گزر جاتی ہے ...... تو وہ اداس ہو جاتا ہے ...... ایک جگہ مدینے میں ایسی تھی کہ وہاں کچھ آدمی ویران سی جگہ پر کھجوروں کے درختوں کے نیچے بیٹھے ہوئے تھے ...... جیسی جگہیں عموماً دیہات میں ہوا کرتی ہیں ...... وہاں اونٹنی بیٹھ گئی ...... جب اونٹنی بیٹھ گئی ...... تو حضورؐ نے کہا کہ یا علی ...... اترنا نہیں بیٹھے رہو ...... وہ بیٹھے رہے ...... اونٹنی تھوڑی دور آگے چلی ...... واپس لوٹی اور پھر آ کے اسی جگہ بیٹھ گئی ...... آپ نے لوگوں سے کہا ...... کہ تمہیں یقین ہو گیا ہے نا کہ یہ اونٹنی بحکم خدا یہاں بیٹھی ہے ...... جی ہاں ...... اب علیؑ اتر آؤ ...... علیؑ اتر آئے ...... گویا علیؑ کے قدم جو پہلی دفعہ مدینے کی زمین پہ آئے ...... اس ویران زمین پہ آئے جہاں اونٹنی بیٹھی تھی ...... اب دیکھنا ہے ...... اب دیکھنا ہے ...... اس زمین کا بنے گا کیا؟ ......

رسولؐ نے زمین اس کے مالکوں سے لے کر وہاں مسجد بھی بنا دی ...... بن گئی مسجد ...... اب مسجد نبوی ہے۔ دنیا اس کا احترام کرتی ہے ...... اب اگر ہم یہ کہہ دیں کہ یہ ہے قدموں کی تاثیر ...... جہاں پہلا قدم رکھ دیں جگہ خانہ خدا بن جاتی ہے ...... مکے میں قدم رکھ دیں یا مدینے میں ...... وہ خانہ خدا بن جاتی ہے ...... قریب حضرت ابو ایوب انصاریؓ کا گھر تھا ...... وہ سامان گھر لے گئے ...... دوسرے اور اصحاب جو ساتھ تھے ...... سب بیٹھ گئے بڑی شان سے رہنے لگے ...... اب مدینے کی شان ہی اور تھی ...... اب مدینے میں رہنے والوں کا انداز ہی اور تھا ...... حضورؐ آ گئے مدینے میں ...... پھر کیا ہوا؟ ...... مدینے کی قسمت ہی بدل گئی ...... اس کی آبرو ہی بدل گئی ...... اس کی شان ہی بدل گئی ...... جسے پہلے یثرب کہتے تھے اسے اب طیبہ کہنے لگے ...... مدینہ طیبہ کہلانے لگا ...... رسولؐ کے آنے سے پاک سرزمین ہو گئی ...... اب حاجی جاتے ہیں نا! ...... حج کرنے ...... اس وقت تک حج مکمل نہیں ہوتا ...... جب تک مدینے کی زیارت نہ کر آئیں ...... حضورؐ کا فرمان ہے کہ جس نے حج کیا اور میرے سلام کو مدینے نہ آیا ...... اس نے مجھے راضی نہیں کیا ...... ہمارے پنجاب میں قبلہ ایک زمیندار ہے ضلع مظفر گڑھ میں ...... وہ نیا نیا شیعہ ہو گیا ہے ...... میرا بڑا مہربان دوست ہے اس کے خاندان نے جب یہ دیکھا کہ یہ ماتم کرنے لگ گیا ہے۔ یہ شیعہ ہو گیا ہے وہ سمجھے کہ یہ گیا ...... وہ اسے ٹھیک کرنے کے لئے ...... پھر واپس لانے کے لئے مکے لے گئے ...... حج کو لے گیا ...... وہاں جا کے یہ ٹھیک ہو جائے گا۔ کیونکہ یہ بے دین ہو گیا ہے ماتم کرنے لگا ہے ...... وہ چلا گیا ان کے ساتھ ...... جب مدینے لائے اور رسول اکرمؐ کے روضے پہ لائے کہ قبلہ اسے ٹھیک کر دو ...... یہ بے دین ہو گیا ہے ...... اس نوجوان نے قبر رسول کو بوسہ دیتے ہوئے کہا کہ یا رسول اللہؐ میں حج کرنے نہیں آیا ...... یہ مجھے زبردستی لے آئے ہیں ...... میں تو آپؐ سے بات کرنے آیا ہوں ...... صرف بات کرنے آیا ہوں۔ میں تو آپ کو بچوں کا پرسہ دینے آیا ہوں ...... آپ کے گھر کو لوٹ لیا گیا ...... قبلہ یہ تو حج کے نام سے آئے ہیں ...... میں تو پرسہ دینے آیا ہوں کہ آپ کے بعد آپ کے بچوں پر کیا گزر گئی ...... وہی مدینے کا شہر جس میں جانا آج باعث برکت ہے

...... اور اس میں رسولؐ آباد ہیں...... اور آبادی بھی وہ شان کی آبادی...... کہ سبحان اللہ...... کہ جس طرح شریف ترین گھرانہ آباد ہوتا ہے...... بچے بھی ہیں مستورات بھی ہیں۔

رسولؐ کا گھر آباد ہے...... عجب شان سے...... پھر ایسا اجڑا کہ آج تک پھر نہ آباد ہوا...... پھر دنیا نے دیکھا کہ ساٹھ سال بعد یہ انقلاب آیا کہ جنہوں نے آ کے مدینے کو عزت بخشی تھی۔ وہ مدینے سے جانے کی تیاری کر رہے ہیں...... آج جا رہے ہیں مدینے سے۔ شہر میں عام خبر مشہور ہو گئی کہ حسینؑ مدینے سے جا رہے ہیں...... کہاں جا رہے ہیں؟...... کدھر جا رہے ہیں؟...... کب واپس آئیں گے...... کیوں جا رہے ہیں؟...... میں اپنے بیان کو مختصر کرتا ہوں...... یہ میرے گھر کی کہانی ہے...... تو جس دن جانے کا دن آیا ہے نا! جانا ہے آج...... اس دن صبح سے بنی ہاشمؑ کے محلے میں تل دھرنے کی جگہ نہ تھی...... تمام عورتیں مدینہ کی موجود ہیں...... تمام بچے موجو[illegible] تم بڑے موجود ہیں...... کوئی ملکہ عالم حضرت زینبؑ سے گفتگو کر رہی ہیں...... بی بی خیال رکھنا پردیس کا معاملہ ہے...... بچے ساتھ ہیں...... کوئی بیوہ حسنؑ سے بات کر رہی ہیں...... کوئی ربابؑ سے مل رہی ہے اور کہہ رہی ہے کہ...... اصغرؑ کا خیال رکھنا...... بڑا لمبا سفر ہے...... مدینے سے باہر جو نوجوان ہیں وہ قمر بنی ہاشمؑ کو گھیرے کھڑے ہیں...... وہ کہہ رہے ہیں کہ ہم کبھی حسینؑ کو نہ جانے دیتے...... مگر اس لئے ہمیں اطمینان ہے کہ تم ساتھ جا رہے ہو...... ہمیں حوصلہ ہے...... نوجوان نوجوانوں کو رخصت کر رہے ہیں...... اور حسینؑ مسجد رسولؐ میں ہیں...... وہاں تشریف فرما ہیں...... اور جو بزرگ ہیں...... رسولؐ کے وفادار صحابی وہ حسینؑ کے سامنے بیٹھے ہیں...... حسینؑ خاموش بیٹھے ہیں۔ حسینؑ جا رہے ہیں...... حسینؑ کہہ رہے ہیں کہ میرے بزرگو...... میرے ناناؐ کے صحابیو...... میری مجبوری ہے...... میں مجبوری سے جا رہا ہوں...... اتنے میں آ کے قمر بنی ہاشمؑ عرض کرتے ہیں...... کہ مولاؑ اگر آج ہی جانا ہے تو عصر کا وقت ہو گیا ہے۔ اگر حکم ہو تو مستورات کو ان کی سواریوں میں بٹھایا جائے...... آپؑ نے فرمایا...... کہ ہاں بسم اللہ مستورات کو بٹھاؤ ......اب جتنے ہاشمی جوان تھے سب موقعے موقعے پر کھڑے ہو گئے محلے کے جہاں جہاں

موقعہ تھا...... آج محلے والوں سے کہہ رہے ہیں کہ راستہ بند ہیں...... اب کوئی نہ گزرے اب اہلبیتؑ سوار ہوتے ہیں...... اب مستورات سوار ہو رہی ہیں...... ایک ایک ناقہ دروازے پہ لایا جاتا اور اس پہ لا کے بٹھاتے اور باہر دروازے پر آواز دی جاتی کہ بیوہ حسنؑ کی سواری آتی ہے...... یہ کون ہے؟...... یہ جناب ربابؑ کی سواری ہے...... یہ کون ہے؟ ......یہ زوجہ مسلم کی سواری ہے...... یہ کون ہے؟...... یہ فلاں کی سواری ہے...... یہ فلاں کی سواری ہے...... تو ہر بی بی سوار ہوتی...... ناقہ اٹھتا...... آگے بڑھ جاتا...... سب سے آخر میں آواز آئی سب کے کانوں میں قمر بنی ہاشمؑ کی زوردار اور گرج دار آواز آئی...... مدینے والو! ہوشیار۔ دیکھو کوئی شخص اپنے مکان کی چھت پر نہ چڑھنے پائے اپنے اپنے بچوں کو خاموش کرو...... کوئی آواز نہ آئے...... کیونکہ اب ثانی زہراؑ باہر آ رہی ہیں...... اب عصمت کبریٰؑ کی سواری باہر آ رہی ہے...... اب زینب عالیہؑ سوار ہو رہی ہیں...... اور ناقہ لا کے بٹھا دیا دروازے پر...... آواز دی کہ خبردار ہوشیار...... اب زینبؑ سوار ہو رہی ہیں محمل میں...... اور امامؑ جو مسجد میں بیٹھے تھے وہ اپنے بزرگوں سے کہتے ہیں کہ بزرگو!...... ذرا مجھے معاف کرنا...... میں تم سے اجازت لیتا ہوں میں ذرا خود کھڑے ہو کر زینبؑ کو سوار کرادوں...... محمل پر بٹھادوں...... ایک فقرہ کہنا ہے بزرگو آپ سے آج اور بس یہ فقرہ ہی یاد رکھنا اور جب یاد آئے رو لیا کرنا۔

تھوڑی دیر میں عام عورتوں نے درود پڑھنا شروع کر دیا...... کسی نے بسم اللہ کہنا شروع کر دیا...... کوئی قرآن ہاتھ میں لئے کھڑی ہے...... ناقہ اور دروازے کے قریب آگیا...... بالکل دروازے کے قریب بٹھا دیا گیا...... اور حضور والا! عونؑ و محمدؑ نے بڑھ کے محمل کا پردہ اٹھایا...... ایک بازو پھوپھی کا علی اکبرؑ کے ہاتھ میں اور ایک بازو حضرت سیدالشہداءؑ کے ہاتھ میں...... اور خاموشی سے تشریف لائیں اور محمل کے بالکل قریب آگئیں...... بس یہی فقرہ ہے جو میں نے کہنا تھا اور آج کی مجلس کا حاصل ہے۔ کہا کہ حسینؑ! بھائی میرا ہاتھ چھوڑ دو۔ علی اکبرؑ بیٹا تم بھی چھوڑ دو۔ کیوں کچھ تکلیف ہے۔ کہا کہ نہیں صرف یہ کر دو کہ میرے بیٹے زین العابدینؑ کو لے آؤ...... علی زین العابدینؑ تم

آؤ..... آؤ تم مجھے سوار کراؤ.......... جب سوار ہو چکیں..... تو لوگوں نے دیکھا کہ دیوار سے سر لگائے حسینؑ رو رہے ہیں اور زار زار رو رہے ہیں..... قبلہ کیا وطن کی محبت یاد آگئی؟..... کہا نہیں..... زینبؑ کے سوار ہونے نے کوئی منظر یاد دلا دیا۔ زینبؑ سوار ہو گئی اور اس کے بعد فوراً ویسی ہی سواری آئی۔ امامؑ نے کہا کہ ٹھہرو یہ میری اماں کی سواری ہے۔ یہ میری فضہ کی سواری ہے۔ خدا آپ کی مجلس کو قبول کرے۔ آپ کی عزت کو برقرار رکھے۔ آج کی مجلس ختم ہو گئی۔ مدینے سے عزت سے سوار ہو کر چلی اور آج کربلا میں عزت سے آکے اتری۔ خدا آپ کی عزت کو برقرار رکھے..... اب پردہ نشین خواتین جو ہیں وہ دعا مانگیں کہ اللہ زینب کی عزت رکھے..... پردیس کا معاملہ ہے..... ابھی اسے بڑا لمبا سفر کرنا ہے..... آج کی مجلس یہیں ختم ہے..... خدا آپ کو سلامت رکھے..... اللہ آپ کے گھروں کو آباد رکھے..... تم مجلس سن کر اپنے گھر جاؤ گے تم آباد گھر میں جاؤ گے..... آباد گھر آباد رہیں گے.......... اور عزاداری میں تم شریک رہو اور اللہ تمہیں دنیا کے آشوب و انقلاب سے محفوظ رکھے۔

آلِ ابی طالب

عنوان

فضائل — آلِ ابی طالبؑ

مصائب — شہزادہ علی اکبرؑ

ہیں آخری سلام کو اکبرؑ جھکے ہوئے
نقشہ کھنچا ہوا ہے رکوعِ رسولؐ کا

ذکی سیورکوٹی

آل ابی طالب

(یہ مجلس دربار شاہ چن چراغ راولپنڈی میں پڑھی گئی)

خداوند عالم کی حمد و ثنا اور حضرت محمد و آل محمد علیہم والسلام پر درود و سلام کے بعد میں اس طرح گزارش کرتا ہوں کہ اللہ اپنے علم و فضل کے مطابق اپنا جو کام لینا چاہتا ہے، کسی انسان سے ...... اس کام کے مطابق آدمی وہ خود چن لیتا ہے اس سے میں نے یہ کام لینا ہے۔ اس سے یہ کام لینا ہے۔ انسان، خدا خود انسانوں میں سے چن لیتا ہے اپنے کام کے لئے ...... سمجھ رہے ہیں نا صاحبان ...... اللہ کے یہاں الیکشن نہیں، اللہ کے ہاں سلیکشن ہے۔ اب میں انگریزی لفظوں کے معنی تو جانتا نہیں سنے ہوئے میں نے کہہ دیئے ہیں۔ ہم لوگ کرتے ہیں الیکشن اور اللہ کرتا ہے سلیکشن۔ ہم بہت سے مل کر چنتے ہیں ایک کو اور اللہ چنتا ہے بہت سوں میں سے ایک کو۔ سلیکشن کا ترجمہ چننا اور الیکشن کا ترجمہ چھانٹنا۔ جو بندہ سلیکشن سے آئے وہ چنا ہوا ہوتا ہے۔ جو الیکشن سے آئے وہ چھٹا ہوا ہوتا ہے۔ بہر نوع اللہ چن لیتا ہے اپنے کام کے لئے اس آدمی کو جسے وہ موزوں سمجھتا ہے۔ توجہ ہے نہ صاحبان ...... اور اس بڑی مختصر سی تمہید کے بعد میں اپنی مجلس شروع کرتا ہوں تاکہ تھوڑے وقت میں ختم ہو۔

میرے محترم سامعین! اللہ نے اپنا کام لینے کے لئے جس خاندان کو چن لیا وہ خاندان بنی ہاشم کہلاتا ہے۔ اس خاندان کو اللہ نے چن لیا تھا۔ اس لئے کہ اس خاندان سے وہ اپنا کام لینا چاہتا تھا۔ اس لئے یہ خاندان اللہ نے چن لیا۔ اور اس بنی ہاشم کے خاندان میں سے بھی ہر فرد سے کام نہیں لیا بلکہ اس خاندان کا جو فرد کسی کام کے لئے موزوں ہوا وہ کام اللہ اس فرد سے لیتا رہا۔ عبدالمطلب سے کعبے کی حفاظت کا کام لیا جب ابرہہ آیا تھا ہاتھی لے کر ...... اور عبدالمطلبؑ کے بعد ان کے جانشین حضرت ابو طالبؑ سے جن کا نام نامی ہے عمرانؑ کنیت ہے ابو طالبؑ ...... جن کے خطابات ہیں بیضہ البلد، شیخ

البطحا، سید القوم ...... یہ ان کے خطابات ہیں۔ سب سے پہلے عرب میں لفظ سید جناب ابو طالبؑ کے لئے استعمال ہوا۔ اور آج تک ان کی نسل کے ساتھ یہ لفظ مشہور ہو گیا۔ جناب ابو طالبؑ سے بھی کام لیا اللہ نے اور یہ کام ابی طالبؑ کے سپرد ہوا کہ میرے رسولؐ کو جو میری اس تمام مخلوق میں سب سے زیادہ معزز اور قیمتی ہے۔ لے ابو طالبؑ ہم اس کو تیرے سپرد کرتے ہیں۔ تم اسے پالو اور پرورش کرو۔ توجہ فرمائی نا صاحبان، اللہ نے اپنی سب سے قیمتی شے سپرد کردی ابو طالبؑ کو ...... یہ فقرہ آپ نے سن لیا ...... اس کی ذرا تشریح کردوں آپ سے ...... میرے ہاتھ میں یہ ململ کا رومال ہے۔ پتہ نہیں آٹھ آنے کا ہے یا چھ آنے کا ہے ...... ایسا ہی کچھ ہوگا چھ چار آنے کا ...... میں چاہتا ہوں یہ رومال کسی کے سپرد کردوں ...... اب اتنا مجمع ہے میرے سامنے ...... سب ماشاء اللہ مومن ہیں ...... میں نے یونہی ہاتھ بڑھا کے ایک آدمی کو دے دیا رومال ...... اب مجلس کے بعد پوچھتا پھرتا ہوں۔ بھئی میرا رومال کس کے پاس تھا، کہاں ہے؟ کون لے گیا میرا رومال؟ ...... لوگ کہیں گے زیدی صاحب، تم نے خود غلطی کی ...... کسی جانے پہچانے کو دینا تھا ...... کسی ایماندار کے سپرد کرنا تھا ...... کسی شریف آدمی کے سپرد کرنا تھا ...... جب ایک کپڑے کا رومال سپرد کرتے ہوئے جان پہچان دیکھنی پڑتی ہے، ایمانداری دیکھنا پڑتی ہے۔ شرافت دیکھنا پڑتی ہے۔ تو اللہ نے محمدؐ جیسی قیمتی شے سپرد کرتے وقت یہ نہیں دیکھا ہوگا کہ یہ بندہ شریف ہے یا نہیں؟ ایماندار ہے یا نہیں؟ اور اللہ جسے اتنا ایماندار سمجھے کہ محمدؐ جیسی شے سپرد کردے، ایسے ایماندار کو بے ایمان کہنا، بے ایمانی ہے کہ نہیں؟ بہر نوع یہ تو کام اللہ نے ابی طالبؑ کو دیا اور ابی طالبؑ نے اپنی گود میں نبوت کو بھی پالا، امامت کو بھی پالا گویا زیر دامن ابی طالبؑ پل کر نبوت آخری نبوت بن گئی اور امامت پہلی امامت بن گئی ...... ابی طالبؑ کی پرورش کے بعد ...... تو یہ کام اللہ ابی طالبؑ سے لے رہا تھا اور آج تک خدا کا کام نسل ابی طالبؑ کے سپرد ہے اور اللہ کی بگڑی بنانے کے لئے ...... آج بھی ابی طالبؑ کا کنبہ دنیا میں زندہ ہے اور قائم ...... یہ کام اللہ نے ابی طالبؑ کے سپرد کیا ...... میری بات پہ توجہ ہے نا صاحبان، بڑی مختصر بات ہے ...... ادھر

ابی طالبؑ تھے قبل کہ آتے ہی سامنے شیطان آگیا...... ابراہیمؑ کے آتے ہی سامنے نمرود آگیا...... موسیٰؑ کے سامنے فرعون آگیا...... اس خاندان بنی ہاشم کے مقابلے پر خاندان نبی ؟؟؟

وہی آگیا جو آپ کہہ رہے ہیں...... یہ خاندان آگیا...... اس خاندان میں بھی بڑے بڑے آدمی پیدا ہوئے۔بڑے بزرگ آدمی پیدا ہوئے...... ایک صاحب فرماتے تھے کہ جتنے بڑے آدمی پیدا ہوئے وہ سب اس خاندان میں ہوئے......وہی خاندان جس کا نام آپ لے رہے ہیں، بنی ہاشم میں کوئی بڑا آدمی نہیں پیدا ہوا...... میں نے کہا بالکل...... بنی ہاشم میں تو جو پیدا ہوا اچھا پیدا ہوا...... امیہ کے خاندان میں جو پیدا ہوا وہ بڑا پیدا ہوا...... یہ خاندان بنی ہاشم کے مقابلے کا خاندان ہو گیا...... وہ دن تھے تو یہ رات تھے ...... اس خاندان میں بھی بڑے بڑے آدمی تھے...... اس خاندان میں بھی بڑے بڑے آدمی تھے...... اس خاندان کے بڑے بڑے آدمیوں میں سے ایک بڑے آدمی کا نام لیتا ہوں وہ تھے حضرت ابی سفیان...... نام سنا ہے نا آپ نے ...... حضرت میں نے اس لئے کہا کہ بڑے حضرت تھے......اگر آپ چاہیں تو ان کے فضائل بھی بیان کردوں ...... حضرت ابو سفیان کے ......سنیں گے آپ؟ فضائل پڑھوں؟ لو صاحبان اس ایک جملے پر فضائل ختم کرتا ہوں یہ یزید کے بھی دادا تھے ...... یہ ان کے فضائل ہیں ...... یزید کے دادا جان...... حضرت ابو سفیان...... یہ اس خاندان میں پیدا ہوئے ...... جتنی جنگیں رسالت مآبؐ سے ہوئیں ان سب جنگوں میں کفر کی فوج کے سپہ سالار یہی حضرت ابو سفیان ہوا کرتے تھے ......توجہ ہے نا صاحبان ...... مکہ کی فتح کے بعد اسلام کا اعلان کر دیا اور یہ بدلنے لگے...... میرے محترم سامعین بڑے غور سے سننا شروع کرنا اب میں مطلب کی بات سناتا ہوں آپ کو تاکہ اپنے وقت میں مجلس بھی ختم ہو جائے اور بات بھی ختم ہو جائے۔اس حضرت ابو سفیان کے تین چار بیٹے تھے۔ جن میں سے ایک شہرۂ آفاق بیٹا، وہ ہے امیر شام...... یزید کے والد بزرگوار ...... یہ ان کا شہرۂ آفاق بیٹا ہے، ابو سفیان کا...... سمجھے حضور...... نام یاد نہیں، ہوگا کئی...... نامور بیٹے تھے ...... اور جناب کئی بیٹیاں بھی تھیں ان

کی ...... اس وقت مجلس میں مجھے آپ کی فرمائش پوری کرنے کے لئے ان کی دو بیٹیوں کا ذکر کرنا ہے ...... حضرت ابو سفیان کی دو بیٹیوں کا تذکرہ آپ کو سنانا ہے ...... یہ آپ سنیں اور غور سے سنیں ...... ان کے دو بیٹیاں تھیں۔ ایک کا نام تھا امّ حبیبہ، ایک کا نام تھا جامدیہ ...... یاد رہیگا آپ کو...... ایک امّ حبیبہ ایک جامدیہ ...... یہ جو حضرت ابو سفیان کی بیٹی تھی نام امّ حبیبہ، ان کی شادی ہوئی تھی حضور سرور کائناتؐ سے ...... ابو سفیان کی بیٹی اور ہم مومنوں کی ماں، جناب امّ حبیبہ ...... امّ حبیبہ ہماری ماں تھیں۔ ان کے باپ سے ہمارا کیا رشتہ ہوا؟ سنوگے؟ کسی نے مجھ سے پوچھا، امّ حبیبہ تو تمہاری ماں ہیں، ان کے باپ سے کیا رشتہ ہے۔...... میں نے کہا نا......نا...... بہر نوع یہ امّ حبیبہ حرم رسولؐ ہیں، ام المومنین ہیں ...... واجب الاحترام ہیں...... رسول کی بیوی ہونے کی حیثیت سے اور ہم مومنوں کی ماں ہیں اور ہمارے دلوں میں ان کی بڑی عزت ہے ماں ہونے کی حیثیت سے ...... سمجھے نا آپ؟ ان کے فضائل کتابوں میں بھرے پڑے ہیں، بہ حیثیت ام المومنین کے مگر سب سے بڑی فضیلت ان کی جو مسلمانوں نے کتابوں میں لکھی ہے۔ وہ یہ ہے کہ جناب ام حبیبہؓ ایک دن رسولؐ کے گھر بیٹھی تھیں، ان کے باپ ابو سفیان ان سے ملنے آئے۔ وہ مسلمان تھے نا ...... مسلمان ہونے کے بعد یہ شادی ہوئی تھی ...... جب انہوں نے حجرے میں قدم رکھا...... آکے کہا بیٹی خیریت تو ہے ...... جب باپ آتا ہے ملنے ...... تو بیٹی نے جو دری بچھ رہی تھی .... وہ سمیٹ دی ...... زمین پر اشارہ کیا کہ ابا بیٹھو، تشریف رکھو...... کہا دیکھو! امّ حبیبہ تم نے ہماری بڑی توہین کی ہے ...... جانتی ہو ہم کون ہیں؟ ہم عرب کے بے تاج بادشاہ ہیں ...... ہم لاکھوں فوجیں لے کر آئے تھے مقابلے کے لئے ...... دنیا ہمارا کلمہ پڑھتی ہے ...... ہمیں دیکھ کر شیطان تک بھاگتا ہے ...... تم نے ہمیں کیا سمجھا ہے ...... یہ دری کیوں سمیٹ دی؟ ...... ہمیں بیٹھنے نہیں دیا...... ام حبیبہ نے بڑے ادب سے کہا جناب بات یہ ہے کہ یہ دری وہ ہے جس پر رسولؐ بیٹھتے ہیں ...... اس پر آپ اس طرح نہیں بیٹھ سکتے۔ یہ واقعہ لکھ کر مسلمان مؤرخ لکھتے ہیں کہ یہ ہے اس کے کامل الایمان ہونے کی دلیل ...... یہ ہے اس کے ام المومنین ہونے کی دلیل ......

میں بھی سٹیج پر یہی کہتا ہوں کہ واہ ام حبیبہ، ام المومنین ہو تو ایسی ہو کہ رسول اللہؐ کی جگہ پر باپ کو نہ بیٹھنے دے ...... یہ ہے شان ام المومنین ...... سمجھ رہے ہو نا صاحبان ...... اور میرے محترم سامعین! اللہ آپ کو سلامت رکھے اور خوش رکھے ...... میں ایک بات آپ سے بیچ میں ضمناً کہتا چلوں ...... چونکہ جلدی ختم بھی کرنا ہے اور بات بھی کرنی ہے ...... آپ پوچھیں گے کس کتاب میں ہے کہیں نہیں ...... یہ حوالہ کہاں ہے؟ کہیں نہیں ...... یہ میں اپنے دل کی بات کہہ رہا ہوں پہلے ہی بتائے دیتا ہوں ...... اگر اس پر کوئی اعتراض ہے تو وہ مجھ پر ہے ...... یہ میرے مذہب کی کسی کتاب کی بات نہیں ہے کہ قیامت کے دن ایران کا شہنشاہ نوشیرواں جس کے لئے کتابوں میں یہ بھی لکھا ہوا ہے کہ جہنم میں جائے گا بوجہ کافر ہونے کے ...... اللہ اسے ایک پنکھا عطا فرمائے گا جو آگ کو اس سے دور رکھے گا۔ یہ اسے عدالت کا صلہ ملے گا یہ تو کتابوں کی بات ہے اور میں اپنی بات کہتا ہوں...... یہ پنکھا ملے گا اسے کیسے؟ جب فرشتے لے جارہے ہو گے اسے جہنم میں، یہ میری ذاتی بات ہے اور یہ جاتے جاتے کہہ دیگا" جہنم میں تو میں چلا جاؤں گا، پر جانے سے پہلے میں ذرا اپنے نواسے سے ملنا چاہتا ہوں" اسکے نواسے تھے زین العابدینؑ۔ زین العابدینؑ سے اس کا آمنا سامنا ہو جائے گا اور یہ زین العابدینؑ سے کہے گا تم میرے نواسے ہو...... فرشتے خود شرما جائیں گے۔ اس کو جہنم میں لے جاتے ہوئے...... اللہ جس کو بچانا چاہتا ہے اس کے گھر نواسہ پیدا کر دیتا ہے اور جس کے گھر نواسہ نہ ہو اسکا کوئی بچانے والا نہیں، کوئی اسے بچا نہیں سکتا۔ یہ جناب امّ حبیبہ کی بات آپ کے ذہن میں آگئی۔ اب اسے میں پلٹ کے دوسری بہن کا قصہ سناؤں۔ جس طرح عرب ہاشم شرافت میں مشہور تھے۔ اور ان کا مقابل خاندان سیاست میں مشہور رہا۔ یہ لفظ میں نے احتیاطاً کہا ہے، سیاست میں ...... اسی طرح عرب میں ایک خاندان تھا۔ جو حسن میں مشہور تھا۔ اسکا نام تھا خاندان بنی ثقیف ...... یاد رہے گا آپ کو خاندان بنی ثقیف جس میں مشہور تھا ...... اور خاندان بنی کلاب یہ شجاعت میں مشہور تھا۔ یہ عرب کے مشہور خاندان تھے۔ اگر بہادر کا نام لو وہ بنی کلاب سمجھے جاتے تھے۔ اگر حسین کہو تو بنی ثقیف سمجھے جاتے تھے ......

اگر شریف کہو تو بنی ہاشم گنے جاتے تھے۔ اگر مکار کہو تو پھر وہ...... یہ تھے مشہور عرب کے خاندان...... تو بنی ثقیف کے خاندان کا رئیس اور جو شیخ تھا اسکا ابو مرّہ نام تھا...... ابو مرّہ ثقفی...... حضرت ابو سفیان کی دوسری بیٹی، ام حبیبہ کی سگی بہن۔ ابو مرّہ ثقفی سے بیاہی ہوئی تھی تو ابو مرہ ثقفی، خاندان ثقیف کا سردار اور رسالتمآبؐ آپس میں کیا ہوئے بھئی...... بولو...... وہ آپس میں ہم زلف ہوئے...... ایک بہن ابو مرہ ثقفی کے گھر میں تھیں اور ایک بہن جناب رسالتمآبؐ کے گھر میں...... آپ گھبرا تو نہیں گئے میری بات سے...... سن رہے ہو نا غور سے...... رسالتمآبؐ کے گھر تو اولاد نہیں ہوئی جناب ام حبیبہ سے...... ابو مرہ ثقفی کے گھر جو ابو سفیان کی صاحبزادی تھی ان کے ایک لڑکی پیدا ہوئی...... سمجھے نا...... ایک لڑکی پیدا ہوئی ابو مرہ ثقفی کے گھر...... ابو سفیان کی بیٹی، امیر شام کی بہن، ان کے ایک لڑکی پیدا ہوئی جس کا نام تھا لیلیٰ...... اب یاد رکھیں گے نا...... لیلیٰ ابو مرہ ثقفی کی بیٹی، ابو سفیان کی نواسی، امیر شام کی بھانجی تھیں...... یہ یزید کی کیا ہوئیں؟ بولو نا! بولو بھئی...... امیر شام کی بھانجی تھیں یہ یزید کی پھوپھی زاد بہن تھیں...... حقیقی پھوپھی زاد بہن، جناب لیلیٰ...... یہ ہوئیں جناب لیلیٰ...... اب یہ بات بھی آپ کی سمجھ میں آگئی نا...... ابو مرہ ثقفی کی جو لڑکی تھی ان کا ابو سفیان سے کیا رشتہ تھا بھئی؟ نواسی کا...... امیر شام کی کیا تھیں وہ؟ بھانجی...... یزید کی کیا تھیں؟ پھوپھی زاد بہن...... کس خاندان سے تھیں...... بنو ثقیف کی صفت کس بات کی تھی؟ حسن و جمال کی...... تو لیلیٰ اپنے زمانے میں رئیس بنی ثقیف کی بیٹی ہونے کی حیثیت سے ان تمام خوبیوں کی مالک تھیں جو اس خاندان کی تھیں۔ سمجھ میں آرہا ہے نا صاحبان کے...... جب یہ جوان ہوئیں لیلیٰ تو ان کے باپ کو شادی کی فکر ہوئی...... اس نے چاہا کہ میں اپنی لڑکی کی شادی کروں...... جہاں جہاں بیٹھے ہیں بڑے غور سے سننا بات کو...... وہ اپنے گھوڑے یا ناقے پہ سوار ہوا حضور اور مدینے آیا۔ وہاں مدینے کی مسجد میں حضور سید الشہدا امام حسینؑ سے اس کی ملاقات ہوئی اس ابو مرہ ثقفی کی...... امام حسینؑ سے وہ ملا۔ آکے خدمت میں امام حسینؑ کی وہ بیٹھ گیا اور بیٹھ کے عرض کیا اس نے کہ قبلہ میں ایک دفعہ آپ کے نانا کے

پاس بھی آیا تھا۔ میں نے آپؑ کے نانا سے ایک حدیث سنی تھی وہ مجھے پوری طرح یاد نہیں رہی..... میں آپ کو وہ سناتا ہوں۔ اگر کہیں بھی بھول جاؤں تو قبلہ آپ تصحیح فرمادیں۔ آپؑ نے کہا ہاں سناؤ کیا ہے؟ اس نے کہا آپؑ کے نانا نے یہ فرمایا تھا کہ اگر تمہیں کوئی مشکل پیش آئے تو ایسے شخص کے پاس جانا مشکل کو حل کرانے کے لیے جو تمہارے علاقے میں تمہاری دسترس میں سب سے زیادہ عالم ہو..... انہوں نے کہا ٹھیک ہے تجھے صحیح یاد ہے یہی کہا تھا میرے نانا نے..... اس نے کہا قبلہ آگے بھی ہے..... کہ ہاں کیا؟ کہ آگے فرمایا تھا آپؑ کے نانا نے کہ اگر عالم تمہیں نہ مل سکے تو ایسے شخص کے پاس جانا جو حسب اور نسب میں سب سے زیادہ شریف ہو..... اس نے کہا حضور ٹھیک ہے؟ آپؑ نے فرمایا بالکل ٹھیک ہے۔ تو نے ٹھیک کہا..... اس نے کہا حضور آگے یہ کہا تھا کہ اگر حسب نسب والا نہ ملے تو ایسے بندے کے پاس جانا جو سب سے زیادہ حسین ہو تیری نظروں میں..... آپ نے فرمایا ہاں ٹھیک ہے۔ بالکل ٹھیک ہے..... کہا حضور مجھے ایک کام ہے..... میں ایسے آدمی کے پاس بیٹھا ہوں جو علم میں بھی سب سے زیادہ ہے، حسب و نسب میں بھی سب سے بہتر ہے، حسن میں بھی سب سے بہتر ہے..... یہ تینوں صفتیں ہیں..... میری مشکل آپ حل کریں گے..... سن لیا آپ نے..... آپؑ نے اس کی یہ بات سن کے اب اس سے یہ سوال کیا کہ ہم تم سے کچھ پوچھنا چاہتے ہیں..... اس نے کہا قبلہ فرمایئے کیا پوچھنا ہے؟ کہ یہ بتلاؤ کہ دنیا میں سب سے بڑا آدمی کونسا ہے؟ میری بات کو آپ حضرات سمجھ رہے ہیں؟..... اس نے کہا حضور کہ سب سے بڑا آدمی دنیا میں وہ ہے جس کے پاس معہ حلم کے..... علم ..... علم معہ حلم کے..... اس کے ساتھ بے صبری ہو تو یہ علم کی توہین ہے..... علم ہو معہ حلم کے..... آپؑ نے فرمایا اچھا بے شک تم نے ٹھیک کہا۔ اچھا۔ اگر یہ نہ ہو کسی کے پاس پھر؟ کہ قبلہ اس سے دوسرے نمبر پر وہ آدمی ہے جس کے پاس دولت ہو معہ سخاوت کے..... آپ نے فرمایا..... بالکل ٹھیک کہا..... اگر یہ بھی نہ ہو تو پھر..... کہ حضور تیسرے نمبر پر وہ آدمی ہے جس کے پاس فقیری ہو معہ قناعت..... آپؑ نے فرمایا شاباش بالکل ٹھیک کہا تم نے..... بالکل درست

ہے۔ اور اگر یہ بھی نہ ہو۔ کہ حضور اس آدمی کو مر جانا چاہیئے۔ اسے زندہ رہنے کا کوئی حق حاصل نہیں..... آپؑ نے ٹھیک کہا..... تو نے بالکل ٹھیک جواب دیے..... اب بتاؤ تم کیا چاہتے ہو ہم سے؟..... کیا مانگنے آئے ہو..... اس نے کہا مانگوں؟ کہ ہاں..... میری بات قبول فرمائیں گے۔ کہ بالکل کہ حضور مجھے خدا نے ایک لڑکی دی ہے..... میں خاندان ثقیف کا رئیس ہوں..... میری تمنا یہ ہے کہ جیسی میری لڑکی ہے، داماد میرا وہ ہو کہ میں دنیا کے سامنے کہہ سکوں کہ آؤ دیکھو یہ ہے میرا داماد۔ آپؑ نے فرمایا تم کیسے چاہتے ہو؟ کہ حضور اگر میری لڑکی کو قبول فرمالیں..... آپؑ نے فرمایا منظور ہے..... چنانچہ لیلیٰ کا عقد حضور سید الشہداؑ سے ہوا۔ توجہ فرمایئے ناصاحبان بات یہ میری غور فرما رہے ہیں نا حضور..... سید الشہداؑ کی پہلی بیوی جو تھیں والدہ امام زین العابدینؑ وہ ایران کی شہزادی تھیں..... پھر عقد ہوا آپؑ کا لیلیٰ سے..... یہ قبیلہ بنی ثقیف کے سردار کی بیٹی تھیں..... پھر عقد ہوا آپ کا رباب سے جو جمل کے رئیس امراؤ بن قیس کی بیٹی تھیں..... بہر نوع حضور..... اس وقت میرا مطلب یہ سنانا تھا..... یہ بات یاد رہے گی نا آپ کو؟ یاد رکھو گے نا اس کہانی کو؟..... ان شاء اللہ یاد رہے گی۔ لیلیٰ کا عقد ہو گیا حضور سید الشہداؑ کے ساتھ..... اللہ آپ کو سلامت رکھے..... خدا آپ کو خوش رکھے..... اب میری کہانی غور سے سنتے رہنا..... تاکہ وقت میں بات بھی ختم ہو سکے..... اور آپ بھی سن لیں..... میرے محترم سامعین اور وہ محترم حضرات جو دھوپ میں بیٹھے ہیں مجھے ان کا بڑا احساس ہے۔ مگر دھوپ میں بیٹھنے والو تم سے یہ بات کہتا ہوں..... تم تھوڑی دیر بیٹھو گے۔ پھر اسکے بعد اٹھ کے گھر چلے جاؤ گے اور حسینؑ کی شہزادی فاطمہ کبرا سلام اللہ علیہا پورے چھ سال دھوپ میں بیٹھی۔ چھ سال تک دھوپ میں بیٹھی رہی..... پورے چھ سال..... بہر نوع..... یہ غم حسینؑ دھوپ اور سایوں کا فرق مٹا دیتا ہے۔ ساری چیزیں ختم کر دیتا ہے..... تو میرے سامعین! حضور سید الشہداء کو خدا نے جب پہلا بیٹا امام زین العابدینؑ عطا فرمایا، پہلا فرزند تھا سید الشہداء کا امام زین العابدینؑ..... تو آپ نے اپنے بیٹے کا نام علیؑ رکھا اور بچے کو رومال میں لپیٹ کر مسجد میں لے آئے۔ وہاں مسجد میں لٹا کر دو رکعت

نماز پڑھی اور ہاتھ اٹھا کر دعا کی امامؑ نے ...... خداوندا یہ نعمت تو نے مجھے دی تھی۔ میں تیرے ہی سپرد کرتا ہوں۔ یہ کہہ کے مسجد میں لیٹا چھوڑ کر بچے کو، گھر آگئے۔ جب زین العابدینؑ پیدا ہوئے، امیر المؤمنین اس وقت دنیا میں موجود تھے۔ انہیں یہ معلوم ہوا...... مسجد میں گئے۔ دو رکعت نماز پڑھی ...... خداوند! حسینؑ تو تیرے سپرد کر گیا ...... میں مانگنے آیا ہوں۔ امام زین العابدینؑ کو جناب امیرؑ لے آئے ساتھ ...... اور کہا کہ میں نے اسے خدا سے مانگ لیا ہے۔ میں پالونگا۔ یہ میرا بیٹا بن کے رہے گا...... میں پرورش کروں گا اس کی ...... یہ تو امام زین العابدینؑ کی بات ہوئی۔ اب تفصیل میں جاؤں تو بڑی دیر ہو جائے گی ...... اس کے بعد آپؑ کے گھر بیٹیاں ہوئیں۔ اس کے بعد جب دوسرا بیٹا پیدا ہوا جسے آپ علی اکبرؑ کہتے ہیں تو یہ بطن جناب سیدہ لیلیٰؑ سے پیدا ہوا۔ جناب علی اکبرؑ جو لیلیٰؑ کے بطن سے پیدا ہوئے تھے۔ یہ بتاؤ علی اکبرؑ کا یزید لعین سے کیا رشتہ تھا؟ ...... بولو ...... لیلیٰؑ تھی نا پھوپھی زاد بہن ...... علی اکبرؑ کیا ہوئے۔ یاد رکھنا اس بات کو ...... علی اکبرؑ کیا ہوئے یزید کے ...... ہیں؟ بھانجے ...... سمجھ رہے ہو نا صاحبان؟ اور دوسرا بچہ لیلیٰؑ کے بطن سے ...... لڑکی پیدا ہوئی، جس کا نام فاطمہ صغراؑ ...... ہیں ...... فاطمہ صغراؑ تم نے یاد رکھا تو ساتھ ساتھ یہ بھی یاد رکھنا، جب حسینؑ جانے لگے کربلا تو آپ نے حکم دیا فاطمہ صغراؑ ہمارے ساتھ نہیں جا سکتی ...... اسے ہم ساتھ نہیں لے جائیں گے۔ پوچھا بیبیوں نے کیوں؟ کہ یہ یزید کی بھانجی ہوتی ہیں۔ اگر یہ قید ہو کے دربار یزید میں گئی اور یزید نے بھانجی کے رشتے کی وجہ سے اسے قیدیوں سے جدا کر دیا ...... محل میں بھیج دیا...... نیک نیتی سے بھانجی سمجھ کے ...... بھیج دیا محل میں ...... قیامت تک ہمارے دشمن شیعوں کو طعنہ دیا کریں گے ...... اس لئے اس لڑکی کو لے جانا مصلحت کے خلاف ہے۔ اسے ہم نہیں لے جائیں گے اب سمجھے آپ فاطمہ صغراؑ کو کیوں چھوڑا تھا؟۔ ورنہ ہماری حسینؑ کے لئے کیا شے ہے؟ اب آپ کے ذہن میں آگئی بات ...... جب شہزادہ علی اکبرؑ پیدا ہوئے۔ دوسرے فرزند تو ...... حسب عادت ...... حسینؑ نے اس بیٹے کو بھی لے جا کے مسجد میں لٹا دیا۔ وہی دو رکعت نماز پڑھی۔ وہی دعا کی۔ خداوندا تو نے یہ نعمت مجھے دی

تھی۔ میں تیرے سپرد کرتا ہوں۔ اس وقت امیر المؤمنینؑ تو تھے نہیں۔ حسینؑ تو مسجد میں لٹا کے چلے آئے۔ اور برقعہ پہن کر زینبؑ گئیں۔ مسجد میں ...... اور جا کے مسجد میں دو رکعت نماز پڑھی اور بچے کو اٹھا لیا ...... خداوند! ...... اسے میں مانگتی ہوں ...... علی اکبرؑ، زینبؑ کی گود میں پلے۔ زینبؑ کی گود میں پرورش پائی، زینبؑ کے پاس رہے۔ یہاں تک کہ جس طرح امام زین العابدینؑ، علی ابن حسینؑ کہلاتے ہیں۔ علی اکبرؑ، علی ابنِ زینبؑ مشہور ہو گئے ...... زینبؑ کا بیٹا علی اکبرؑ ...... زینبؑ کے بیٹے مشہور ہو گئے۔ اٹھتا زینبؑ کے ساتھ ...... کھاتا پیتا زینبؑ کے ساتھ۔ گود میں زینبؑ کی۔ اگر کوئی شے مانگنی تو زینبؑ سے۔ کوئی ضد کرنی ہو جناب زینبؑ سے ...... بالکل سو فیصد اس شہزادے کا تعلق جناب زینبؑ سے تھا ...... میری بات سن رہے ہیں صاحبان ...... اللہ تمہیں سلامت رکھے ...... امام حسینؑ اکثر زینبؑ سے کہا کرتے تھے بہن میرا دل چاہتا ہے کہ تمہارا بیٹا مجھ سے بھی کوئی شے مانگے ...... زینبؑ جواب میں کہتیں ...... میرا بیٹا غیرت دار ہے ...... وہ کیوں مانگے؟ ...... میں موجود ہوں ...... کبھی علی اکبرؑ نے حسینؑ سے کوئی سوال نہ کیا۔ حسینؑ کے دل میں یہ تمنا تھی کہ یہ مجھ سے کچھ مانگے ...... مجھ سے کوئی سوال کرے۔ مگر سب مانگنا زینبؑ سے۔ جو سوال کرتا زینبؑ سے۔ جو عرض کرتا زینبؑ سے۔ ان کا نام ہی قبلہ دنیا میں علی ابن زینبؑ مشہور تھا۔ کون ہیں علی اکبرؑ۔ زینبؑ کے بیٹے ہیں ...... حسینؑ کے بیٹے نہیں کہلاتے تھے۔ علی ابن زینبؑ کہلاتے تھے، باہر جانے لگتے تھے نا...... گھر سے تو زینبؑ بازو پکڑ کے دعائیں کرتی تھیں، میرے بچے کو کسی کی نظر نہ لگ جائے۔ مشہور عربی کا محاورہ ہے۔ علی اکبرؑ سے زینبؑ کہا کرتی تھیں کہ بیٹا اس طرح نہ چلا کر، یہ بالکل علیؑ کی چال ہے ...... علی اکبرؑ سے زینبؑ کہا کرتی تھیں کہ بیٹا اس طرح نہ چلا کر، یہ بالکل علیؑ کی چال ہے، ادھر ادھر چلا کر ...... اس طرح پالتی تھیں ...... سترھواں سال تھا کہ مدینے سے روانہ ہو گئے۔ چلے۔ سنو گے؟ اور آپ سنیں گے تو حیران ہو گئے۔ حیران کیا اس خاندان کی ساری باتیں ہی ایسی ہیں۔ جب آل محمدؐ کی خواتین، مدینے میں سوار ہونے لگیں اپنی سواریوں پر ...... تو اس وقت عصر کا وقت تھا۔ ۲۸ رجب تھی۔ سنو گے مسلمانو!

ایک ایک ناقہ آتا تھا دروازے پر ...... اور آواز آتی تھی "مادرِ قاسمؑ" کی سواری حاضر ہے" ...... اور مادرِ قاسمؑ آتی تھیں۔ قاسمؑ سلام کر کے انہیں سوار کراتے تھے۔ پھر آواز آتی تھی فلاں خاتون ...... فلاں خاتون، اور اس خاتون کے متعلقین سوار کراتے۔ سب سے آخر میں کالے پردوں والی محمل دروازے پر آئی، ناقہ بٹھایا گیا...... اس وقت سید الشہداءؑ، مسجد میں بیٹھے تھے۔ اصحابِ رسولؐ سے گفتگو فرما رہے تھے۔ آپؑ نے پاس بیٹھنے والوں سے فرمایا۔ بھائیو ذرا مجھے اجازت دو، میں خود کھڑے ہو کر زینبؑ کو سوار کراؤں گا۔ امامؑ خود تشریف لائے اور قمر بنی ہاشمؑ نے آواز دی۔ محلے والو، اب زینبؑ سوار ہو رہی ہے اور دیکھو کوئی شخص سواری پر چڑھ کر زمین سے نہ گزرنے پائے ...... کوئی آدمی چھت پر نہ چڑھنے پائے۔ محفل میں شور نہ ہو۔ خبردار جو کسی نے کوئی ایسی بات کی۔ اس طرح ایک ایک خاتون سوار ہو رہی تھی۔ امامؑ خود آئے بہن کو سوار کرانے۔ جب آپؑ آئے ہیں، سوار کرانے بہن کو ایک بازو زینبؑ کا حسینؑ نے ایک بازو علی اکبرؑ نے ہاتھ میں لیا۔ اس طرح دروازے تک آئیں اور جب دروازے پہ پہنچی ہیں، اس طرح تو یہ پہلا موقعہ ہے کہ زینبؑ نے اپنی زندگی میں علی اکبرؑ سے کہا کہ بیٹا میرا بازو چھوڑ دو ...... علی اکبرؑ نے چھوڑ دیا۔ پھر حسینؑ سے کہا آپ بھی چھوڑ دیں۔ انہوں نے بھی چھوڑ دیا۔ بہن کیا بات ہے؟ کہ بس منشا یہی ہے مجھے سوار کرانے کے لئے زین العابدینؑ کو بھیجو ...... اور حضور امام زین العابدینؑ آگئے ...... کہا بیٹا تم مجھے خود سوار کراؤ۔ میرا تمہارا ساتھ ہے ...... سوار ہو گئے روانگی ہو گئی ...... اور سید الشہداءؑ نے حکم دیا کہ میرے باپ کے گھوڑوں میں سے جو سب سے شریف ترین گھوڑا ہو، وہ زین العابدینؑ کی سواری کے لئے مخصوص کیا جائے۔ خاص طور پر زین بنایا گیا تھا۔ امام زین العابدینؑ کے لئے ...... نہایت نرم و نازک تھا تاکہ سوار ہو کر کوئی تکلیف نہ ہو۔ گھوڑے کو خاص طور پر سکھایا گیا تھا کہ وہ اشارے کے مطابق چلے ...... لوگوں نے عرض کیا قبلہ ...... آپؑ اور بیٹوں کی پرواہ نہیں کرتے زین العابدینؑ کی بڑی پرواہ کرتے ہیں ...... امامؑ نے جواب میں فرمایا کہ بھائی بات یہ ہے کہ اس کی ماں ایران کی شہزادی تھیں۔ اس کے بدن میں شاہی خون ہے۔ اس کا مزاج

شہنشاہی ہے۔ یہ کوئی تکلیف برداشت نہیں کر سکتا۔ اس کا شاہی مزاج ہے۔ شاہی مزاج تکلیف برداشت نہیں کر سکتا۔ اس لئے میں نے یہ انتظام کیا ہے کہ شاہی مزاج کو کوئی تکلیف نہ ہو ...... اور بات آگئی زبان پر ...... وہ بھی کہتا چلوں۔ جب زبان پہ بات آئی ہے تو تمہیں سنا دوں۔ گھر میں یہ حکم تھا۔ اب سننا بڑے غور سے۔ گھر میں یہ حکم تھا مستورات سے سید الشہداء امام حسینؑ کا کہ دیکھو بیبیو۔ دیکھو میری بہو! گھر کے اندر جب زین العابدینؑ بیٹھے ہوں تو گھر کے اندر بھی کسی کا سر نہ کھلنے پائے۔ میرے بیٹے کا شاہی مزاج ہے۔ یہ برداشت نہ کر سکے گا۔ اس کا شاہی مزاج اس چیز کو برداشت نہیں کر سکتا۔ اور اس محفل میں میری، جتنے نوجوان بیٹھے ہیں ...... ہمارے خون میں اب وہ ولولہ نہیں رہا۔ ہمارے خون میں اب وہ حرارت نہیں رہی ہے۔ نوجوانوں سے معافی مانگ کے ...... ان کے خون میں گرمی ہوتی ہے نوجوانوں کے۔ ان سے میں معافی چاہ کر یہ بات سنانا چاہتا ہوں۔ نوجوانو! ذرا غور سے سننا میری بات کو ...... تمہارے خون میں گرمی ہے ...... مجھے یاد ہے کہ میں بھی نوجوان تھا۔ آج سے اکیس سال پہلے کی بات ہے اور میں دکن گیا تھا۔ وہاں میں نے یہ واقعہ پڑھا جو ابھی تمہیں سناتا ہوں تو نوجوانوں نے چاقو مار لئے تھے۔ پھر میں نے پڑھنا چھوڑ دیا اس واقعہ کو ...... اب میں اسے نرم کر کے پڑھتا ہوں۔ نوجوانوں سے ڈر کے ...... امام زین العابدینؑ کا واقعہ تمہیں سناتا ہوں۔ امام زین العابدینؑ روانہ ہوئے مدینے سے تو بالکل تندرست جوان شہزادہ ...... امامؑ نے چہرے پر نقاب ڈالوا دی۔ فرمایا یہ شہزادہ ہے۔ اس کے بدن میں شاہی خون ہے اور شاہی خون بازاروں میں بے نقاب نہیں چل سکتا ...... میں کس طرح تمہیں وہ منظر سناؤں۔ باپ کے ساتھ ساتھ گھوڑے پر زین العابدینؑ سوار۔ کربلا پہنچے۔ حسینؑ سے دوسرے نمبر کا انسان امام زین العابدینؑ ...... چوتھا امام۔ وہی اعزاز تھا جو حسینؑ کے دوسرے نمبر کا ہونا چاہیے ...... توجہ ہے نا صاحبان؟ میرے محترم سامعین، نویں تاریخ آئی محرم کی ...... نو کی شام کو امام زین العابدینؑ کو بخار ہوا۔ یہ غشی کب تک رہی؟ دسویں کی شام تک۔ اللہ نے یہ انتظام کیا تھا ...... اس واسطے یہ غشی مسلط کر دی تھی کہ امامؑ کی ھل من ناصر کی آواز ان کانوں تک

نہ پہنچے۔ ورنہ جہاد فرض ہو جاتا اور امامت کا سلسلہ ختم ہو جاتا ...... جب بخار ہوا۔ آپ اپنے بستر پر لیٹے ہوئے تھے۔ بخار انتہا کا تھا۔ غشی کا عالم اور ایک سندھی خاتون جو آپ کی ماں کے ساتھ گئیں تھیں، شہربانوؑ کے ...... وہ آپؑ کی دایہ تھیں تیمار دار تھیں۔ اسے امام زین العابدینؑ ...... اماں کہتے تھے، وہ پاس بیٹھی تھیں، جب رات کے دس بجے تو آپ نے سنا۔ سید الشہداءؑ نے اپنے خیمے میں اپنے ساتھیوں کو بلا کے ایک کانفرنس کی اور اس میں یہ فرمایا۔ آپؑ نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ تم جاسکتے ہو ...... سنا ہے نا آپ نے؟ یہ نہیں کہا تم جاؤ ...... اگر کہتے جاؤ ...... پھر وہ رک نہ سکتے ...... پھر انہیں جانا پڑتا ...... یہ نہیں کہا، یہ کہا کہ تم جاسکتے ہو ...... تمہاری مرضی ...... انہوں نے جواب میں کہا کہ ہم نہیں جائیں گے، جو آپؑ نے سنا ہے۔ تو امامؑ نے فرمایا! اچھا تم ایک کام کرو ...... اپنے خیمے اکھاڑو جہاں جہاں لگے ہوئے ہیں اور سیدانیوں کے خیموں کے چاروں طرف لگاؤ ...... سن رہے ہو، تاکہ سادات کے خیموں کی رات میں حفاظت ہو سکے۔ اور بے حیا فوج اگر رات میں حملہ کرنا چاہے تو ان ساداتؑ کی حفاظت ہو سکے۔ چنانچہ سب اصحاب کے خیمے اکھڑ کے چاروں طرف لگ گئے۔ میری بات سن رہے ہو نا غور سے ...... انہوں نے اپنے خیموں میں بیٹھ کے قرآن پڑھنا شروع کر دیا۔ مناجات پڑھنا شروع کر دیں۔ مذہب اہلبیتؑ کے قصیدے پڑھنا شروع کر دیے۔ مرنے کی عید ہو رہی تھی۔ ایک دوسرے کو مبارک باد دے رہے تھے کہ بھئی مبارک ہو۔ کل مرنا ہے ...... رات کے ایک بجے کا وقت اور ان کے خیموں سے آوازیں آرہی تھیں قرآن کی۔ حدیث کی، مناجات کی ...... تم تیار ہو ...... نا؟ اب بات جو میں کرنا چاہتا ہوں۔ جب ان کی آوازیں بلند ہوئیں۔ خیموں سے قرآن پڑھنے کی، مناجات پڑھنے کی اس وقت امام زین العابدینؑ کو غشی سے افاقہ ہوا ...... آپؑ ذرا بیدار ہوئے۔ بیدار ہو کے پوچھا اپنے تیمارداروں سے کہ کس کی آواز میں سن رہا ہوں؟ ...... تو خاتون نے کہا کہ جو ہمارے اصحاب ہیں، جو ہمارے جانثار ہیں۔ وہ اپنے خیموں میں قرآن پڑھ رہے ہیں، دعائیں مانگ رہے ہیں ...... ان کی آواز آرہی ہے یہ ...... آپؑ نے فرمایا اچھا! اور میرے باباؑ کہاں ہیں؟ کہ وہ وہاں مصلےؑ پر بیٹھے ہیں۔ کہ تم جاؤ اور

میرے باباؑ کو یہ کہو کہ بیٹے کو غشی سے آفاقہ ہے اور آپؑ کو سلام کہتا ہے۔ اس خاتون نے آکے امامؑ کو سلام پہنچایا۔ امامؑ مصلےؑ سے اٹھے اور سیدھے بیمار کے خیمے میں گئے۔ امام زین العابدینؑ تعظیم کو اٹھے۔ امامؑ نے بٹھا دیا۔ نبض دیکھی ...... پیشانی پر ہاتھ رکھا۔ بیٹا بخار کا کیا حال ہے؟ طبیعت کیسی ہے؟ بیٹا جلدی جلدی اچھے ہو جاؤ ...... بڑا کام کرنا ہے ...... میں مؤمنین کو یہ بات کہتا ہوں۔ جس کسی کو پریشانی ہو یہ دعا پڑھ لیا کرے۔ چھوٹی سی دعا ہے۔ کتابوں میں لکھی ہے۔ وہ دعا تعلیم کی۔ جب یہ باتیں ہو چکیں تو امامؑ نے پوچھا ...... بیٹا تم نے مجھے کیوں یاد کیا تھا اسوقت؟ ...... کہ بابا ایک بات عرض کرنی ہے۔ ہاں کہو بیٹا ...... یہ جو ہمارے اصحاب ہیں ...... یہ جو ہماری فوج ہے ...... جو ہمارے سپاہی ہیں ...... جو ہمارے مددگار ہیں ...... یہ ہمارے محسن ہیں ...... میں قیامت تک ان کا احسان مند رہوں گا۔ ان کے ہم شکر گزار ہیں۔ اور باباؑ ان کی آخری خدمت جو ہے ...... دفن کی ...... تو میں کروں گا۔ اور میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ ان میں سے ہر ایک کی قبر پر کھڑا ہو کے کہوں گا۔ میرے ماں باپ تجھ پر قربان ہوں ...... تم ہمارے محسن ہو ...... کہ قبلہ ان تمام باتوں کے باوجود میں عرض کرنا چاہتا ہوں وہ یہ بات ہے یہ سب کچھ صحیح مگر ہیں تو نامحرم ...... ان کی آوازیں ہمارے زنانے خیموں میں آتی ہیں۔ ممکن ہے ہماری عورتوں کی آواز وہاں جارہی ہوں ...... ان کے خیمے ذرا فاصلے پر نہیں ہو سکتے؟ یہ کہنا تھا کہ امامؑ بیٹھے تھے۔ اٹھے۔ سید الشہداؑ۔ پھر بیٹھے۔ پھر اٹھے۔ پانچ چھ مرتبہ کبھی اٹھے، کبھی بیٹھے۔ گھبرا کے کہتے ہیں بیٹے سے، بیٹا زین العابدینؑ۔ آج کی رات تو یونہی رہنے دو۔ کل جو رات آئیگی، تم جانو اور خیمے ...... ایک دفعہ غش آگیا امامؑ زین العابدینؑ کو ...... اس غش سے کب افاقہ ہوا؟ یہ پھر بتاؤں گا ...... اب آرام آرام سے سنتے چلیں کہانی کی طرح ...... اور میرے معزز سامعین ہر سال میں حاضر ہوتا ہوں۔ پتہ نہیں اگلے سال آنا ہویا ...... نہ ہو ...... ممکن ہے یہ آپ کی آخری زیارت ہو۔ میں آپ سے بڑے خلوص سے یہ معافی مانگتا ہوں۔ یہ میں آپ کو اپنے گھر کی کہانی سنا رہا ہوں۔ میں شرمندہ ہوتا ہوں، مجبوری بن گئی ہے کہانی ایسی ہے میں کیا کروں؟ ...... دل نہیں چاہتا سنانے کو۔ مگر کہانی ایسی ہے ......

بات کو میری سنو گے ؟امامؑ کی فوج میں جو مؤذن تھے ان کا نام تھا حجاج ...... جب صبح ہوئی تو وہ آذان کے لیے اٹھے۔ امامؑ نے فرمایا! حجاج بھائی آج تم آذان نہ کہو۔ انہوں نے کہا بہت اچھا...... اور آپؑ نے فرمایا علی اکبرؑ بیٹا آج تم آذان کہو۔ شہزادہ علی اکبرؑ نے آذان کہی۔ ادھر کہا اللہ اکبر ...... ادھر لوگوں کے کانوں میں رسولؐ کی آواز گونجی اور تمام خواتین خیموں سے باہر نکل آئیں...... آذان ہوئی ...... نماز ہوئی...... اور اسکے بعد امامؑ نے تیاری کی...... رخصت ہوئے۔ میدان میں آگئے...... میں مختصر کرتا جارہا ہوں اب بات کو...... چند لمحوں میں تیاری ہونے لگی میدان کی...... اور سید الشہداؑ کے کان میں آواز آتی رہی...... مولا میں گر گیا...... میرے آقا میں گر گیا...... اور ہر آواز پہ امامؑ جاتے رہے...... جب تقریباً قریب قریب پچاس لاشیں حسینؑ اٹھا چکے تو اسوقت ایک بج گیا۔ پچاس لاشیں اٹھانے کے بعد حسینؑ کے صحابیوں میں ایک صحابی تھے میتب کے رہنے والے۔ سعید ان کا نام تھا۔ بڈھے آدمی تھے۔ وہ آئے مولا کے سامنے اور کہنے لگے قبلہ ظہر کا وقت ہے۔ آپؑ نے فرمایا ہاں۔ تجھے خدا نمازیوں میں محشور کرے ظہر کا وقت ہے۔ کیا چاہتا ہے تو سعید؟ کہ قبلہ یہ میری آخری نماز ہے۔ میں آپ کے ساتھ جماعت سے پڑھنا چاہتا ہوں۔ چند ساتھی جو باقی رہ گئے تھے بیٹھ کے سب نے تیمم کیا اور آپؑ نے فرمایا اس فوج سے کہہ دو کہ چند منٹ کے لیے تیر روک دے۔ ہم یہ جماعت کی آخری نماز پڑھ لیں۔ فوج نے تیر نہ روکے...... صف بن گئی...... اور یہ سعید صف میں سے نکلے، جنہوں نے نماز کا کہا تھا۔ کہا مولاؑ آپ نماز پڑھائیں میں سامنے کھڑا ہوں...... کہ کیوں؟ کہ میں آپؑ تک کوئی تیر نہیں آنے دوں گا۔ ادھر سے تیر آتے رہے۔ ادھر سے یہ سعید پسلیوں پہ تیر روکتا رہا...... تمام تیر گھس گئے بدن میں...... ادھر سے امامؑ نے سلام پھیرا۔ ادھر یہ گرا گود میں معہ ان تیروں کے...... اور گر کر پوچھتا ہے۔ رسول اللہؐ کے بیٹے آپؑ مجھ سے راضی ہیں؟ میری نماز ہو گئی قبلہ؟ اور امامؑ جواب میں فرماتے ہیں انت امامی فی الجنۃ۔ سعید میں تجھ سے وعدہ کرتا ہوں۔ جب میں جنت میں جاؤں گا تو میرے آگے آگے چلے گا۔ سعید نے فرمائش کی۔ قبلہ اگر میں وہاں آگے چلوں گا تو میری ایک فرمائش

ہے۔ کیا؟ کہ یہ تیر میرے بدن سے نہ نکالنا...... میں ان تیروں سمیت تیرے نانا کے سلام کو جاؤں گا۔ اسی طرح جنت میں جاؤں گا ان تیروں سمیت اور اسکے بعد سعید گود میں لیٹے ہیں۔ ایک دم کہنے لگے قبلہ یہ کس نے میرا سر اپنی گود میں لے لیا ہے؟...... امامؑ نے فرمایا سعید میرا سلام کہو یہ میرے ناناؐ آگئے...... قبلہ یہ کوئی میرے سینے پہ ہاتھ پھیر رہا ہے کہ میرے بابا حیدر کرارؑ ہیں۔ یہ کوئی میرے ہاتھ دبا رہا ہے۔ کہا یہ میرے بھائی حسنؑ آگئے۔ اور ایک دفعہ گھبرا کے سعید نے کہا یہ میرے پیروں کے پاس کوئی آگیا؟ امامؑ نے فرمایا سعید ذرا پاؤں ہٹا دو میری اماں آگئیں۔ میری اماں ہیں۔ اور میرے معزز سامعین! سعید کی شہادت ہو گئی۔ اس واقعہ کو مولانا روم نے اپنی مثنوی میں نظم کیا ہے انہوں نے نماز کی جائے یہ کام کیا تھا۔ اس بات کو مولانا روم مثنوی میں لکھتے ہیں۔

نمازِ ظاہری ذکرو سجود است　　　نماز عاشقاں ترک وجود است

یہ ذکر اور سجدے، یہ ظاہری نماز ہے، وہ عاشقوں کی نماز تھی جو تیر کھا کے گرے، میں نے جب کربلائے معلّی میں محرم کیا تھا نا بھائی!...... تو دسویں محرم کو ہزاروں قافلے ماتمی آئے تھے۔ ایک دروازے سے آتے تھے تو دوسرے دروازے سے نکل جاتے تھے۔ ایک بجے ظہر کے وقت ایک قافلہ آیا۔ پچیس تیس جوانوں کا۔ حسینؑ حسینؑ...... ماتم کرتے ہوئے حرم میں داخل ہوئے۔ اور تمام لوگوں نے انہیں راستہ دے دیا۔ وہ آکے ضریح کے چاروں طرف کھڑے ہو گئے...... ایک ہاتھ سے ضریح پکڑ لی اور ایک ہاتھ سے ماتم شروع کر دیا۔ تمام حرم میں کہرام مچا ہوا تھا۔ میں نے پوچھا یہ کون ہیں؟ تو مجھے بتایا کہ یہ سعید، جنہوں نے نماز پڑھائی تھی۔ یہ اسکی اولاد ہیں...... یہ ہر سال ظہر کے وقت آتے ہیں یہاں۔ اب ان کا نوحہ سنو یہ کیا نوحہ پڑھ رہے ہیں...... اور وہ نوحہ میں کہہ رہے تھے۔ حسینؑ ظہر کا وقت ہے اٹھو...... سعید کی اولاد حاضر ہے...... اور اسی نماز کے وقت حضرت حبیب بھی شہید ہو گئے۔ اصحاب سب شہید ہو گئے۔ اب باری اولاد کی آگئی۔ اور مولاؑ، آقا کی آواز آنی بند ہو گئی۔ اب صرف اولاد باقی رہ گئی بنی ہاشمؑ کی...... یہ باقی رہ گئے صرف تو امامؑ جوان کے سامنے کھڑے ہوئے تھے مسلمؑ کے بچے

عقیلؑ کے بچے۔ حضرت مسلمؑ کے بھائی جناب عباس چاروں بھائی سمیت، جناب امیرؑ کے دوسرے صاحبزادے، امام حسنؑ کے بیٹے، یعنی اولاد بنی ہاشمؑ۔ یہ سامنے کھڑے ہوئے امامؑ نے ایک نظر سب پر ڈال کر اور خود فرمایا" صبتی یا بنیه "ان سب سے پہلے بیٹا علی اکبرؑ تم جاؤ میدان میں۔ میں یہ نہیں گوارا کرتا کہ دوسرے بچے شہید ہو جائیں اور میرا بیٹا بچ جائے۔ سب سے پہلے تم جاؤ بیٹا۔ بس اس حکم کا ہونا تھا علی اکبرؑ روانہ ہوئے۔ ابھی دس بیس قدم گئے ہوں گے کہ امامؑ نے آواز دی واپس آؤ۔ علی اکبرؑ واپس آئے۔ حکم؟ کہ جانے سے پہلے خیمہ میں جاؤ..... ماں کو سلام کرو، پھوپھی سے ملو..... بہنوں سے رخصت ہو کے پھر جانا، علی اکبرؑ نے گھوڑا وہیں چھوڑا۔ اتر کے گھوڑے سے خیمے میں گئے، اور امامؑ کے ساتھ گئے۔ امامؑ ساتھ گئے۔ سنو جہاں جہاں بیٹھے ہو۔ سب سے پہلے ماں کے پاس گئے لیلیٰؑ کے۔ اور جا کے سلام کیا.....اماں سلام۔ جو جو مستورات میری بات سن رہی ہوں عورتیں، وہ بھی سن لیں۔ اور مرد بھی سن لیں کہ لیلیٰؑ جواب کیا دیتی ہے؟ لیلیٰؑ کہتی کیا ہے؟ سلام کے جواب میں..... اکبرؑ بیٹا تم ابھی زندہ ہو؟ میں تو منت مانے بیٹھی ہوں میرا لال کہ تیری میت آئے تو شکریے کی نماز پڑھوں۔ سنو علی اکبرؑ بیٹا..... میرا معاملہ بڑا نازک ہے بیٹا..... میرا اس کم بخت سے رشتہ ہے یزید (لعنت اللہ علیہ) سے..... تجھے پتہ ہے یا نہیں؟ اگر تو کسی سے پیچھے رہ گیا چاہے کسی اور وجہ سے رہ جائے کہیں دنیا یہ نہ کہہ دے کہ ماں نے روک لیا ہو گا۔ بیٹا تیری ماں کی عزت کا سوال ہے..... جلدی جا..... اور بیٹے نے کہا اماں میں جارہا ہوں۔ تم فکر مت کرو۔ یہ کہہ کے آئے پھوپھی کے پاس..... باپ نے فرمایا زینبؑ سے بہن زینبؑ، اکبرؑ سے کچھ بات کرنا چاہتے ہیں..... یہ کچھ بات کرنے آئے ہیں آج میں سننا چاہتا ہوں کہ پھوپھی بھتیجے میں کیا بات ہوتی ہے؟ زینبؑ ذرا سنبھل کر بات کرنا آج..... علی اکبرؑ گئے اماں سلام..... زینبؑ نے دعائیں دیں۔ لیٹ گئے۔ گود میں سر رکھدیا پھوپھی نے پیار سے سر پر ہاتھ پھیرنا شروع کر دیا..... امامؑ دیکھ رہے ہیں کہ کیا بات ہو گی؟ بات کیا کی بیٹے نے؟..... اماں..... بیٹا..... میں نے ساری عمر کبھی کوئی بات پوچھی تو آپ سے..... کوئی مسئلہ پوچھا آپ سے

..... سیکھا تو آپ سے..... کوئی سوال کیا تو آپ سے..... آج میں آپ سے ایک سوال کرتا ہوں..... اور زینبؑ کہتی ہے ہاں بیٹا پوچھو کیا پوچھنا ہے؟..... کرو سوال۔ کہ اماں یہ بتاؤ کہ خدا کی نظروں میں آپ کا مرتبہ زیادہ ہے یا دادی فاطمہؑ کا؟..... اور جواب میں زینبؑ کہتی ہے بیٹا..... اتنے سمجھ دار ہو کر یہ کیا پوچھ رہے ہو میں تو فاطمہؑ کی ادنیٰ کنیز ہوں۔ میں کجا۔ فاطمہؑ کجا۔ جب زینبؑ نے یہ کہا تو اٹھ کے بیٹھ گئے، اور بیٹھ کے کہتے ہیں اماں۔ اگر یہ بات ہے کہ دادی کا مرتبہ زیادہ ہے آپ سے تو آج ایک کام کر دو۔ کیا بیٹا؟ کہ آج فاطمہؑ کے بیٹے پر اپنے بیٹے کو قربان کر دو۔ اور امامؑ نے فرمایا۔ زینبؑ میں نہ کہتا تھا ذرا سنبھل کے بات کرنا۔ اب بتاؤ کیا جواب دو گی؟ زینبؑ نے سر جھکا لیا اور دونوں بہن بھائیوں نے کھڑے ہو کر لباس پہنایا اور اکبرؑ کو رخصت کیا..... خیمے سے..... خود فوج یزید اس بات کی راوی ہے ہم غور سے دیکھ رہے تھے۔ حسینؑ کے خیمے کا پردہ کبھی اٹھتا تھا اور کبھی گرتا تھا۔ بڑی دیر لگ گئی تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ علی اکبرؑ رخصت ہو کر گھر سے جب نکلنے لگتے ہیں کبھی کوئی بہن آگے دامن پکڑ لیتی ہے۔ کبھی کوئی پھوپھی روک لیتی ہے۔ کبھی چچی روک لیتی ہے۔ جب بڑی دیر ہو گئی تو امامؑ نے فرمایا! بی بیو "مسافر کا راستہ نہ روکو" اکبرؑ کو جانے دو۔ بی بیاں دم بخود ہو گئیں۔ علی اکبرؑ آخری بار روانہ ہوئے۔ تو جہاں جہاں بیٹھے ہو صاحبو۔ اب کے جو چلے ہیں آخری مرتبہ تو ایسا منظر بن گیا کہ حسینؑ جیسا صابر بھی آنکھوں پہ رومال رکھ کے باہر آگیا۔ دیکھ نہ سکا اس منظر کو.....وہ یہ تھا کہ اکبرؑ روانہ ہوئے کانوں میں ایک آواز آئی۔ اکبرؑ ہم سے نہیں ملتا۔ اب جو مڑ کے دیکھا تو بیمار بھائی چلا آرہا ہے۔ اور دونوں بھائی ایک دوسرے کے گلے لگ گئے۔ اب یہ منظر حسینؑ بھی نہ دیکھ سکے۔ باہر آئے اور بس بھائیو مختصر کر دوں۔ میں بھی تھک گیا ہوں..... بھائی سے رخصت ہو کے علی اکبرؑ باہر آئے۔ کس کس بات کو کہوں اور کیا کیا کہوں؟..... جوانو! نوجوانو تم نے ماتم کرنا ہے اور میرا ذاتی ایمان ہے کہ بس صفر کی چہلم کی مجلس میں چاہے کہیں بھی ہوں دو معصومؑ ضرور آتے ہیں..... ایک جناب امام زین العابدینؑ اور دوسری جناب زینبؑ اور بی بی زینبؑ سے آپکی سفارش ہے کہ بی بی آج یہ شاہ چمن چراغ

میں مجلس ہو رہی ہے میں ان سادات کی اجازت سے جنہوں نے یہ مجلس کی ہے یہ اعلان کرتا ہوں کہ ہم تیرے علی اکبرؑ کا چہلم کر رہے ہیں تاکہ ہماری یہ مجلس اکبرؑ کی مجلس ہو جائے۔ باہر نکلے اور امامؑ نے خود گھوڑے کی رکاب پکڑ کر سوار کرلیا...... سوار ہوئے...... چلے...... پیچھے پیچھے حسینؑ اور آگے آگے اکبرؑ......جب دس بیس قدم چلے گھوڑا رکا......بابا میں نہ جاؤں؟ آپ کیوں آرہے ہیں؟...... حسینؑ نے بس ایک جواب دیا...... علی اکبرؑ بیٹا تمہیں میرے دل کا اندازہ نہیں...... تمہارے کوئی جوان بیٹا جو نہیں...... حسینؑ بیٹھ گئے...... اکبرؑ چلے گئے......اب میں اپنی وہ مختصر گفتگو کرتا ہوں...... اکبر میدان میں...... حسینؑ ریت کے ٹیلے پر۔ زینبؑ دروازے میں......لیلیٰؑ مصلے پر...... لیلیٰؑ کی نظر زینبؑ پر...... زینبؑ کی نظر حسینؑ پر...... حسینؑ کی نظر اکبرؑ پر...... اکبرؑ کی نظر فوجوں پر...... سن رہے ہو نا میری بات کو؟ اور مختصر کردوں...... دس منٹ گزرے ہوں گے اکبرؑ گھوڑے سے گرے...... حسینؑ ٹیلے سے گرے...... زینبؑ دروازے پر گریں...... لیلیٰؑ سجدے میں گریں۔ تھوڑی دیر کے بعد حسینؑ اٹھے۔ میدان میں آئے۔ جب علی اکبرؑ کی میت نو دس قدم کے فاصلے پر رہ گئی۔ تو کھڑے ہو کر آواز دی۔ اکبر بیٹا۔ ہمیں پکارو، ہمیں آواز دو...... ہم تم تک تمہاری آواز کے سہارے پہنچیں گے۔ ہمیں بیٹا رستہ نظر نہیں آرہا۔ ہماری آنکھیں کام نہیں کررہیں بیٹا۔ اور اکبرؑ نے آواز دی۔ بابا میں یہاں ہوں۔ بابا پہنچے۔ لاش کو دیکھا۔ اکبرؑ تڑپ رہے تھے۔ جوان کا تڑپنا جو باپ نے دیکھا۔ گھبرا گئے میں نے کہا ہے یہ لفظ...... تو...... اب تمہیں میں خدائے سخن ابوالکلام انیسؔ کا ایک شعر سناتا ہوں۔ جب بیٹے کو حسینؑ نے تڑپتے دیکھا تو کیا کیا......اس کو انیسؔ نے نظم کیا تڑپتے دیکھ کر بیٹے کو حسینؑ کیا فرماتے ہیں بیٹا۔

بے چین ہو تم دل میرا گھبراتا ہے بیٹا
مر جاؤ کہ اب صبر میں فرق آتا ہے بیٹا

بیٹھ گئے۔ لاشے کو گود میں لے لیا۔ اکبرؑ ہم آگئے۔ بابا آپؑ نے بڑی تکلیف فرمائی۔ سنو گے جوانو۔ حسینؑ نے ہزاروں دفعہ کہا ہے زندگی میں......ہم سے اکبرؑ کچھ مانگو...... میرا

دل چاہتا ہے کہ تم کچھ مانگو...... آج پہلا موقع ہے کہ اکبرؑ کہتے ہیں۔ بابا میں ایک چیز مانگتا ہوں۔ حسینؑ کی تمنا ہے ساری عمر کی...... حسینؑ نے کہا کہ مانگو بیٹا کیا مانگنا ہے؟...... پہلی بار مانگا ہے بیٹے نے...... کیا......؟...... بابا ایک شے چاہئے کیا میرے لال......؟ ایک گھونٹ پانی کا۔ مانگا بھی تو کیا مانگا۔ حسینؑ نے آسمان کو دیکھا اور کہا کہ بیٹا یہ ممکن نہیں...... اور کوئی شے مانگو میرے لال...... بابا اور شے میں یہ مانگتا ہوں کہ مجھے خیمے میں لے چلو تا کہ میں اپنی اماں سے جا کے بات کرسکوں۔ ہاں! یہ بات ہم کریں گے۔ لو اب میں ختم کر رہا ہوں گفتگو کو۔ توجہ سے سننا جوانو۔ تو نے آج جوانوں کا ماتم کرنا ہے یہاں۔ امامؑ نے لاش اٹھائی...... ہاتھ کانپے...... لاش گرنے لگی...... لٹائی...... دوبارہ اٹھائی...... سہ بارہ اٹھائی۔ جب جوان کی میت بوڑھے بابا سے نہ اٹھ سکی، تو باپ نے فرمایا اکبرؑ بیٹا یوں کرو۔ دونوں ہاتھ میرے گلے میں ڈال لو۔ کچھ تم سہارا کرو۔ کچھ میں سہارا دوں...... اکبرؑ نے ایک ہاتھ باپ کے گلے میں ڈال دیا۔ باپ نے فرمایا۔ بیٹا دونوں ہاتھ...... کہ بابا میں بایاں ہاتھ اپنے سینے سے ہٹانا نہیں چاہتا...... مولاؑ نے کہا کیا بات ہے......؟ میں اپنا سینہ آپکو دکھانا نہیں چاہتا بابا...... نہیں میرے لال دکھاؤ کیا بات ہے......؟ امامؑ نے حکم دیا اکبرؑ نے ہاتھ ہٹایا حسینؑ نے دیکھا۔ کیا دیکھا......؟ کہ برچھی ٹوٹ کے وہیں لگی ہوئی ہے۔ ایک انچ باہر نکلی ہوئی ہے۔ حسینؑ نے کہا یہ بات ٹھیک تھی بیٹا...... گھبراؤ نہیں لٹایا بیٹے کو...... ایک ہاتھ رکھا سینے پر۔ ایک ہاتھ سے پکڑی برچھی اور بلند آواز سے کہا...... نانا رسول اللہؐ، دادا ابراہیمؑ کو ساتھ لے کر کربلا میں آؤ اور آکے دیکھو میری آنکھوں پر پٹی نہیں ہے۔ ...... میرا ہاتھ نہیں کانپ رہا...... آکے دیکھو تو سہی۔ یہ کہہ کے جو برچھی ہلائی۔ برچھی ہلی تو اس میں چھدا ہوا اکبرؑ کا دل ہلا۔ دل ہلا تو سارا بدن کانپا۔ بدن کانپا تو کربلا کی زمین کانپی...... کربلا کی زمین کانپی تو حسینؑ کے خیمے لرزے...... خیموں کا لرزنا تھا کہ دروازے سے آواز آئی بہن کو آنے دے۔ دونوں مل کر یہ کام کریں گے...... اکیلا نہ کر حسینؑ...... زینبؑ کی آواز حسینؑ نے سنی کہ باہر آنا چاہتی ہے۔ ادھر امامؑ نے مڑ کے حکم دیا کہ حیثیت امامؑ کے حکم دیتا ہوں علی اکبرؑ کے گھوڑے دروازے پہ جا کے زینبؑ کو روک دے۔ امامؑ

نے کہا۔ سنتے ہی گھوڑا دروازے پر پہنچا...... تا کہ زینبؑ دروازے پہ رک جائے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ زینبؑ دروازے سے باہر آجائے اور حسینؑ نے لاش اٹھالی اور لے کے روانہ ہوئے۔ بس بھائیو! یہ میری گفتگو کا اختتام تھا...... یہاں بات میں نے ختم کر دی۔ نوجوانو! تم نے ماتم کرنا ہے آج...... کرنا ہے نا!؟ بولو بھئی...... ایک دفعہ میرے سامنے تو سینے پہ ہاتھ مار کے کہو یا حسینؑ...... یا حسینؑ۔

شامِ غریباں

عنوان

فضائل — درسِ معصومؑ

مصائب — شامِ غریباں

خُون کے آنسُو تھے کہ ڈھلتی رہی آنکھوں سے شفق
چشمِ عابدؑ میں رہا شامِ غریباں کا سماں

"اختر چنیوٹی"

درس معصومؑ

صاحبان...... مختصر سی گفتگو پورے غور اور توجہ سے سنیں تا کہ آپ کو وہ بات یاد رہے جو میں کہنا چاہتا ہوں...... میں آج کی یہ گفتگو اس بات سے شروع کرتا ہوں کہ جتنے بھی انبیاء دنیا میں تشریف لائے...... جن کی تعداد کا صحیح اندازہ ابھی تک نہیں ہے...... شہرت عام یہ ہے کہ ایک لاکھ اور چوبیس ہزار...... یہ شہرت عام ہے...... یہ نہیں کہ یہ تعداد طے شدہ ہے...... یہ ایک شہرت عام ہے...... پھر ان تمام انبیاء میں سے بعض کا ذکر قرآن میں ہے اور اکثر و بیشتر کا تذکرہ نہیں...... مگر ایک بات ان سارے انبیاء کے متعلق مشترک طور پر قرآن میں موجود ہے...... کہ ان انبیاء نے اپنے تشریف لانے اور ہدایت فرمانے کا مقصد یہ بیان کیا ہے، بزبان قرآن...... بزبان خدا...... وما علینا الا البلاغ...... ہم اس لئے دنیا میں آئے ہیں کہ اے دنیا والو تمہارے سامنے حق کی، اور حکم خدا کی تبلیغ کریں...... یہ بیان کرتے کرتے...... کرتے کرتے...... جب نبوت چلتے چلتے خاتم النبیینؐ پر پہنچی...... ان سے بھی لوگوں نے پوچھا کیا آپ بھی اسی طرح نبی ہیں جس طرح وہ تھے؟...... آپؐ بھی تبلیغ ہی کے لئے آئے ہیں؟ جس طرح وہ آئے تھے؟...... آپؐ بھی تبلیغ ہی کے لئے آئے تھے؟ جس طرح وہ آئے تھے...... تو آپؐ نے فرمایا نہ...... میں تبلیغ کے لئے نہیں آیا...... میرا مقصد بلاغ نہیں ہے...... بلاغ کے معنی یہ ہیں کہ بالکل سلجھے ہوئے انداز میں کسی بات کو کسی سے کہدیا جائے...... اس کی سمجھ میں آئے یا نہ آئے۔ اس کا ذمہ دار وہ کہنے والا نہیں ہے...... اسے تبلیغ کہتے ہیں...... سمجھ میں آیا نہ آپ کے...... آپ کا کیا مقصد ہے؟ تبلیغ؟ کہ نہ میں تبلیغ کے لئے نہیں آیا نہ آپ کے...... آپ کا کیا مقصد ہے؟ تبلیغ؟ کہ نہ میں تبلیغ کے لئے نہیں آیا...... میرے اللہ نے میرے آنے کا مقصد تبلیغ کے علاوہ مقرر کیا ہے...... کیا؟ کہ یعلم ھم الکتاب الحکمۃ...... میرا مقصد تبلیغ نہیں تعلیم ہے۔ یاد رکھنا...... کہ جب بچہ مدرسے میں داخل ہو تو اسے پہلی کتاب جو دی جاتی ہے، وہ قاعدہ ہے...... تعلیم کا قاعدہ یہ ہے جو لفظ بچے کو بتایا

جائے، اس کے سامنے اس کی تصویر بھی بنادی جائے...... یہ طریقہ تعلیم ہے...... الف سے آم، تو آم کی ایک تصویر بھی ہو...... اور س سے سانپ...... سانپ کی ایک...... تصویر بھی ہو...... ش سے شیر، شیر کی ایک تصویر بھی ہو...... تا کہ ادھر بچے کے ذہن میں ہو شیر، ادھر بچے کے دماغ میں ہو شیر کی تصویر...... دونوں چیزیں جب ذہن میں ہوں تب مقصد تعلیم پورا ہوتا ہے...... اگر یہ تصویر کا قاعدہ کسی بچے نے پڑھا ہے، اسے یہ تو یاد ہے ش سے شیر...... شیر کی تصویر نہیں دیکھی اس نے...... وہ باپ کے ساتھ گیا لاہور...... ابا مجھے چڑیا گھر دکھادے چل کے...... ابا اسے چڑیا گھر لے گیا...... بچے نے پوچھا...... "ابا یہ کیا ہے؟ کہ بیٹے یہ شیر کا پنجرہ ہے...... اب یہ تو یاد تھا اسے ش سے شیر...... تصویر نہیں دیکھی تھی اس نے شیر کی...... وہ شیر کا پنجرہ دیکھ کر اس میں ایک گدھا باندھ کر رکھا تھا...... اس بچے نے شیر کی تصویر نہیں دیکھی تھی...... وہ شیر کی جگہ بیٹھا دیکھ کے گدھے کو شیر سمجھ بیٹھا...... اگر کہیں وہ ش سے شیر کی تصویر بھی دیکھ چکا ہوتا تو لاکھ اس کا باپ بھی کہتا کہ بیٹا یہ شیر ہے...... وہ کہتا "ابا کیوں جھک مارتا ہے...... میں تو شروع میں ہی دیکھ چکا ہوں...... شیر کی تصویر...... یہ تو کوئی اور ہے جو شیر کی جگہ آگیا ہے...... سمجھ میں آیا...... تو قاعدہ یہ ہے تعلیم کا...... جو بات کہی جائے اس کی تصویر بھی ساتھ ہو...... دیکھو جو میں کہہ رہا ہوں یہ اس کی تصویر ہے...... دیکھو یہ کہہ رہا ہوں، یہ اس کی تصویر ہے...... سمجھے نا حضور، تصویر سے قطع نظر کرنے والے طالب علموں نے دھوکا کھالینا ہے اور نظر میں اگر کتاب اور تصویر دونوں رہیں تو طالب علم کبھی دھوکا کھا سکتا ہی نہیں...... اسے کبھی مغالطہ لگ سکتا ہی نہیں...... میری بات اچھی طرح ذہن میں آگئی نا آپ کے؟...... خیر یہ تو جملہ معترضہ تھا میرا مطلب یہ ہے کہ رسولؐ کا نام ہے...... ہمارے رسولؐ کا کام ہے...... کہ وہ مبلغ نہیں ہے بلکہ معلم ہے...... معلم تعلیم دیتا ہے...... تو تعلیم کے لئے سارے لوازمات تعلیم رسولؐ کے پاس موجود ہیں...... رسولؐ خود معلم ہے...... اس کا ماحول جو ہے وہ درسگاہ ہے...... اس میں آنے والے جو ہیں، وہ طلبہ ہیں...... سمجھے؟...... ان کا امتحان بھی ہوتا ہے...... ان کو پاس فیل کی ڈگری بھی ملتی ہے...... کوئی اس میں مڈل

پاس کرتا ہے...... کوئی میٹرک تک چلتا ہے...... کوئی ایف اے تک چلتا ہے...... کوئی بی۔اے تک جاتا ہے...... کوئی ایم۔اے تک پڑھتا ہے...... کوئی پی ایچ ڈی ہو جاتا ہے ...... یہ ضروری نہیں کہ کالج میں جتنے داخل ہوں سب یکساں ہوتے ہیں...... دماغ کے اختلاف کے مطابق کوئی ڈاکٹر ہو گیا...... کوئی وکیل ہو گیا...... کوئی انجینئر ہو گیا...... کوئی جرنیل کرنیل ہو گیا...... اب ہر ایک سے توقع رکھیں کہ وہ اچھا جرنیل ہے، یہ غلط ہے ...... ہر ایک سے یہ توقع رکھیں کہ وہ اچھا ڈاکٹر بنے، یہ غلط ہے...... جیسا جیسا جس کا دماغ ...... جیسی جیسی جس کی طبیعت، ویسا وہ بن جاتا ہے...... کوئی اچھا تاجر بن گیا...... کوئی اچھا سمگلر بن گیا...... تو غرض جیسا جیسا جس کا دماغ ہے ویسے ویسے وہ بن جاتا ہے...... طلبہ ...... سارے، انجام کار یکساں نہیں بنتے...... تو رسولؐ ہیں معلم...... ان کا جو ماحول ہے وہ ہے درسگاہ...... اس میں داخل ہونے والے ہیں...... طلبہ اور لطف یہ کہ فیس کوئی نہیں ...... آؤ بھی بسم اللہ داخل ہو جاؤ...... پھر طلبہ کے لئے عمر کی قید بھی نہیں۔ جس عمر کا طالب علم آنا چاہے...... آؤ بسم اللہ تشریف لاؤ، بیٹھ جاؤ۔ پھر کسی وطن، کسی علاقے کی قید بھی نہیں...... کوئی کوٹہ مقرر نہیں ہے کہ ایران سے اتنے اور عرب کے اتنے اور روم کے اتنے...... جہاں کا جو آجائے...... ڈھائی سو برس والا، بسم اللہ...... یہ...... یہ...... سو برس کا ہے...... بسم اللہ تم بھی آجاؤ"...... یہ صاحب ابھی ابھی پیدا ہوئے ہیں...... بسم اللہ تم بھی آجاؤ...... عمر کی کوئی قید نہیں...... جیسا جیسا طالب علم ہے، آتا رہے، اس کے مطابق اسے پڑھایا جائے گا...... تو اس طرح یہ درسگاہ ہے...... خوب سمجھ میں آرہی ہے نابات صاحبان کے؟...... یہ کالج ہے...... یہ درسگاہ ہے...... جس میں مختلف جماعتوں میں مختلف ملکوں اور طبیعتوں کے طلبہ داخل ہیں اور اپنی اپنی صلاحیت و استعداد کے مطابق وہ علم حاصل کر رہے ہیں...... معلم ذرہ برابر بھی کوتاہی کسی کے پڑھانے میں نہیں کرتا...... سب پہ یکساں توجہ کرتا ہے۔ یکساں سب سے سلوک کرتا ہے...... سب سے مہربانی سے پیش آتا ہے...... یہ اور بات ہے کہ گھر جاکے اپنے بچوں کو ٹیوشن کے طور پر پڑھا دیتا ہے...... باقی مدرسے میں سب کے ساتھ یکساں سلوک ہے...... مدرسے میں

سب کو یکساں طور پر پڑھاتا ہے...... یہ ہمارا رسولؐ معلم ہے...... درسگاہ ہے...... کالج ہے...... تو اس میں درجات بھی ہیں...... یہ میٹرک ہے...... یہ ایف اے ہے...... ...... تو اس کے درجات جو ہیں...... وہ جو سلیبس کی کتاب ہے اس درس گاہ کی ...... جہاں نصاب تعلیم اس کا مقرر کیا ہے وہاں اس کے درجات بھی مقرر کئے ہیں...... پہلی کلاس یہ ہے...... دوسری کلاس یہ ہے...... تیسری یہ ہے چوتھی یہ ہے ...... سمجھے...... وہ کلاسیں جہاں مقرر ہوئی ہیں...... وہ آیت میں آپ کو سنا کر پھر مجلس شروع کرتا ہوں...... اب آپ حضرات نے میری بات پر غور کر لیا ہے اچھی طرح سے ؟...... آگئے نا مدرسے میں...... آگئے تم ؟ امتحان دینا پڑیگا...... یہ نہیں ہوگا کہ چھ مہینے میرا سر کھپاؤ اور امتحان کے وقت بھاگ جاؤ...... یہ نہیں ہو سکتا...... یہ غلط ہے...... امتحان بھی دینا پڑے گا اگر آگئے تو...... سال بھر بیٹھے رہے کہ یہ پڑھاؤ اور جب میں امتحان کے لئے لے جاؤں تو بھاگ جاؤ...... یہ نہیں ہو سکتا...... امتحان بھی دینا پڑے گا...... سمجھے حضور ؟ اور یہ امتحان بڑی نامراد شے ہے...... یہ بچے جو امتحان دیتے ہیں ان سے پوچھو...... بڑی ہی نامراد شے ہے یہ امتحان...... امتحان کے سنٹر سے بڑھ کر کوئی جیل نہیں ہے...... کوئی خطرناک جگہ نہیں جتنا امتحان کا سنٹر خطرناک ہوتا ہے جتنی وہ جیل بری ہوتی ہے...... امتحان بڑی سخت چیز ہے...... یاد رکھو دوستو...... میری بات کو بھولنا نہیں...... ان باتوں کو یاد رکھنا...... امتحان انسان کا بھی ہوتا ہے...... امتحان حیوانوں کا بھی ہوتا ہے...... درختوں کا بھی ہوتا ہے...... پتھروں کا بھی ہوتا ہے...... آپ زمیندار ہیں ...... آپ تو گندم کا امتحان لیتے ہیں...... یہ کس قسم کی ہے ؟ اور یہ کس قسم کی...... تب اسے کاشت کرتے ہیں...... کپاس کا امتحان لے کر...... کون سی ؟ کس قسم کی ہے ؟ تب اسے کاشت کرتے ہیں یا نہیں...... پتھروں کا امتحان بھی ہوتا ہے...... حیوانوں کا بھی...... ضلع سرگودھا میں وہ کیا نام ہے ؟ ڈپو...... کیا نام ہے اس کا ؟ ؟...... مونا ڈپو...... اس میں گھوڑے پلتے ہیں...... فوج کے لئے...... تو ہر سال جو گھوڑے تیار ہوتے ہیں نا ...... وہ جاتے ہیں فوج میں...... یہ نہیں کہ جتنے گھوڑے مونا ڈپو میں تیار ہوئے وہ فوج

میں چلے گئے سارے ...... ایک ماہر آ کے ان کا امتحان لیتا ہے گھوڑوں کا ...... بڑے بڑے تیار، تندرست، اعلیٰ درجے کے گھوڑے، بچھڑے سامنے کھڑے ہیں ...... اس نے ان میں سے دس چھانٹ لئے ...... باقی ان فٹ کر دیئے ...... وہ تو بڑے خوبصورت، شاندار تھے ...... یہ کیوں ان فٹ کئے تم نے؟ ...... کہ ہمارا معیار ہے امتحان کا؟ ہم نے انہیں فوج میں لے جانا ہے ...... ہم نے ان سے توپیں کھنچوانی ہیں ...... تو ہم یہ بات دیکھتے ہیں کہ فوج میں جو گھوڑا لے جاؤ وہ توپ کھینچ کے میدان میں لے جائے ...... چاہے گولے برسیں ...... چاہے ہوائی جہاز اوپر سے بم باری کریں ...... چاہے کچھ ہو ...... وہ کہیں توپ لے کے بھاگ نہ جائے ...... سینہ سپر ہونا چاہیے اس کو ...... کہیں ایسا نہ ہو کہ ہماری توپ ہی کو لے کر بھاگ جائے نامراد ...... دوسرے یہ کہ جنگ کے میدان میں ہمیں ہفتوں، مہینوں، خندقوں میں رہنا پڑتا ہے ...... دشمن کو پتہ نہ چلے کہ ہم کہاں ہیں؟ ...... وہیں ان گھوڑوں کو ہمارے ساتھ رہنا پڑتا ہے ...... یہ صفت ہو اس میں کہ اگر کہیں دشمن کے خطرے سے چھپنا پڑے تو کہیں ہنہنانے نہ لگ جائے ...... ایسے گھوڑے دراصل ہوتے ہیں نامراد ...... اسی باعث ان کا امتحان ہوتا ہے ...... تو ہر چیز کا امتحان ہے ...... رسولؐ کا ایک مکتب ہے ...... کالج ہے ...... مدرسہ ہے ...... حضورؐ معلم ہیں ...... دنیا ان کی طالب علم ہے ...... اس کی کلاسیں ہیں ...... یہ پہلی ہے، یہ دوسری ہے، یہ تیسری ہے ...... اب یہ ان کی توفیق ہے کہ جس کلاس کا کوئی پہلے پاس کرلے ...... ان کلاسوں کی جو ترتیب سلیبس میں ہے، وہ یوں ہے ...... بھائی ...... بسم اللہ الرحمن الرحیم ط والعصر ان الانسان لفی خسرo پہلی کلاس ...... ان الذین امنوا، دوسری کلاس ...... وعملوا الصالحات، تیسری کلاس ...... و تواصوا باالحق، چوتھی کلاس ...... و تواصوا بالصبر، پانچویں کلاس ...... اب دیکھنا یہ ہے کہ کون انسان کس کلاس میں کامیاب ہوتا ہے ...... کون داخل ہونے والا کس کلاس ......؟ ان الانسان لفی خسر ...... ہنستا نہیں ...... کہیں ایسا نہ ہو کہ طالب علم تو بڑا پرانا ہو اور خسر سے ہی راضی ہو جائے۔ یہ پہلی کلاس ہے ...... ان الانسان لفی خسر ...... بالکل پہلی کلاس ہے ...... اس میں تم داخل

ہوئے آ کے ...... اس میں تم سب نقصان میں ہو ...... سب گھاٹے میں ہو ...... یہ گھاٹا کیا ہے انسان کو؟ ...... نقصان کیا ہے انسان کو؟ اس میں بڑی تفصیلیں ہیں قبلہ ...... یہ ساری تفصیلات آپ کے سامنے بیان کرنے کے لئے بڑا وقت چاہیے کہ انسان کہاں کہاں، کس کس طرح نقصان میں ہے ...... گھاٹے میں رہتا ہے ...... یہ وہ کلاس ہے جس میں سب شامل ہیں ...... لفی خسر، والی ...... اب اس کلاس کو پاس کیا کس نے آگے کلاس آئی ...... ان الذین امنوا ...... یہ ہے گویا پکی کلاس ...... اب تم امنوا بن گئے ...... امنوا کے معنی کیا ہیں؟ تمہارے مزاج میں، تمہاری طبیعتوں میں، تمہارے اخلاق میں، تمہاری عادات میں امن پسندی پیدا ہو ...... یہ ہے امن ...... آمنوا، کوئی ایسی شے نہیں جو آسمان سے برستی ہو ...... کوئی لباس نہیں جو آدمی کو پہنا دیا جاتا ہو ...... کوئی اور رنگ نہیں جو آدمی پر چڑھا دیا جاتا ہو ...... آمنوا کا لفظ 'ایمان' سے اور ایمان کا لفظ 'امن' سے بنا ہے ...... یعنی اب تم میں جھگڑا فساد نہیں رہا ...... لڑائی فساد نہیں رہا ...... خواہ مخواہ کو 'الجھنا نہیں رہا ...... اب تم امن پسند بن گئے ہو یا نہیں ...... سمجھے نا حضور؟ اب امن والی کلاس کا جو معلم ہوگا وہ خود ایسا نہ ہو کہ اس امن میں اس درجے پر پہنچ چکا ہو کہ امن قائم رکھنے کے لئے باوجود طاقت کے دنیا بھڑکاتی رہے۔ کچھ بھی کہتی رہے، مگر وہ امن کی خاطر اپنے حقوق کو چھوڑ کر خاموش بیٹھ جائے ...... ایسا امن پسند، کل ایمان کہلا کر امنوا کا مصداق بن جاتا ہے۔ ایسا ہی معلم دوسروں کو امن سکھا سکتا ہے ...... تم امنوا کلاس پاس کر چکے ...... اس لئے تمہارا نام آج سے ہوگا ...... امیر المومنینؓ ...... یہ مومنین کی کلاس تمہیں مبارک ہو ...... امیر تو چھوٹی سی چیز ہے، یہ اور بلند ہوگا ...... یہ نہیں کہ امیر المؤمنین پہ جا کے بات ختم ہوگئی ...... سمجھے حضور ...... اب تم آمنوا کلاس کو پڑھانا ...... تم ہو امیر المؤمنین ...... اس کے بعد کیا ہوگا ...... اس کے بعد ہے ...... عملوا الصالحات ...... محض پر امن ہے بیٹھ جانا ہی کافی نہیں ...... آرام سے بیٹھے ہیں ...... کہہ دیا کہ امن ہے ...... گھر بیٹھے ہیں بڑے حوصلے سے ...... کیا ہے؟ کہ امن ہے ...... یہ امن نہیں ...... سمجھ میں آیا نہ آپ کے ...... کسی کے گھر میں آگ لگ رہی ہے ...... اندر بیٹھے

ہیں ...... ہم تو نہیں جاتے ...... کہ کیا ہے؟ ...... جی امن ہے ...... گھر دوسرے کا جلے، تم آرام سے بیٹھو، اس کا نام امن رکھو ...... یہ ہے دنیا کی سب سے بڑی حماقت اور سب سے بڑی ذلالت ...... اپنا گھر جل رہا ہو اور ہائے نہ کرے آدمی یہ اور بات ہے۔ گھر کسی کا جلے، صبر ہم کریں ...... کیا ہے جی؟ امن ہے ...... یہ بات دنیا کی سب سے بڑی ذلالت ہے ...... سمجھے نا حضور والا ...... تو امن یہی نہیں ہے کہ جی آرام سے بیٹھے ہیں کیا ہے جی؟ امن ہے ...... غلط ہے ...... اسے امن نہیں کہتے ...... توجہ ہے نا حضور والا ...... اسے امن نہیں کہتے ...... امن کے معنی یہ ہیں کہ اس کے ساتھ ساتھ عملوا الصالحات بھی ہوں ...... تم ہاتھ پاؤں توڑ کے نہ بیٹھ جانا بلکہ جو نیک کام ہیں وہ بھی کرتے رہنا ...... اب یہ جو نیک کام کا لفظ ہے نا ...... یہ بڑا مشکل لفظ ہے ...... حضور ...... ہر آدمی کے مزاج کے مطابق نیک کام کا معیار الگ الگ ہوتا ہے ...... نیک کام ہر ایک کے نزدیک الگ ...... ایک کام ایک کے لئے نیک اور عبادت ہے وہی کام دوسرے کے لئے بد اور بدعت ہے ...... نیک کا معیار الگ الگ ہے ...... سمجھے؟ ...... کوئی کسی بات کو نیک سمجھتا ہے، کوئی کسی بات کو، ...... کلاس کے لڑکے بیٹھے ہیں ...... ایک نے کہا چل یار دوڑیں ...... سیر تفریح کر لیں ...... اس کے نزدیک بہت کمال ہے یہ کہ کلاس سے بھاگ کے کھیلا جائے ...... کھیل رہے ہیں ...... کسی کے نزدیک یہ نیکی ہے۔ وہ بیٹھ کے پڑھ رہے ہیں ...... اپنی اپنی بات ہے ...... اصل میں نیکی معیار ...... اگر ہم اپنی عقل سے فیصلہ کرنا شروع کر دیں تو پھر نیکی ایسا عجوبہ بن جائے کہ دنیا میں کہیں اس کا وجود نہ پایا جائے ...... ہر ایک الگ الگ شے کو نیکی سمجھے گا ...... کوئی کسی بات کو، کوئی کسی بات کو ...... ایک مصیبت بن جائے گی یا نہیں ...... لہذا ضروری ہے کہ نیکی کے کام کو طے کرنے کے لئے کہ عمل الصالحات کیا شے ہے؟ ...... یہ طے کرنے کے لئے معلم ہی کی طرف رجوع کیا جائے ...... جناب آپ فیصلہ کریں کہ یہ ...... اس کا معیار کیا ہے؟ ...... ہمارے کرنے سے نہیں ...... ہم تو اپنے اپنے مزاج کے مطابق صالحات بنائیں گے ...... آپ بتائیں کہ عمل صالح کیا ہے؟ تاکہ ہم ایمان کے بعد وہ عمل صالح کریں ...... اور چونکہ آپ معلم ہیں ...... لہذا جو عمل صالح آپ ہمیں

بتائیں ...... وہ محض بتائیں ہی نہیں ...... اس لئے کہ آپ مبلغ نہیں ہیں ...... وہ کر کے دکھائیں ...... آپ نرے مبلغ ہی نہیں جو صرف بتائیں ...... آپ معلم ہیں ...... عمل صالح ہمیں کر کے دکھائیں ...... اس نے کہا اچھا ...... ٹھہرو ...... آؤ ...... تمہیں کر کے دکھاتا ہوں ...... تم دیکھتے رہنا ...... چونکہ یہ عمل کا معاملہ ہے، یہ دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے ...... قول کا معاملہ سننے سے تعلق رکھتا ہے جو میں تمہیں عمل صالح دکھاتا ہوں ...... دیکھو ...... اے ...... اے ...... یہ ہے عمل صالح ...... دیکھو اسے ...... نماز سن کے نہ پڑھنا ...... میں نے کہدیا نماز پڑھو ...... تم نے پڑھ لی نا؟ صلوا کما رایتمونی ...... دیکھو مجھے میں کس طرح نماز پڑھتا ہوں ...... دیکھو ...... آؤ دیکھو ...... نماز عمل صالح جب بنے گی، جب مجھے دیکھ دیکھ کر میرے طریقے سے نماز پڑھو گے ...... دیکھتے رہو اچھی طرح ...... دیکھ رہے ہو ...... ہیں؟ دیکھ رہے ہو نا؟؟ دیکھو کہاں نماز ٹوٹتی ہے ...... کہاں نماز مکمل ہوتی ہے ...... دیکھتے رہو ...... اگر نماز پڑھتے ہوئے ایک آدمی نے گھڑی کو چابی دینا شروع کر دی ...... ٹوٹ گئی ...... یہ زائد عمل ہے ...... اس سے غلط ہو جائے گا ...... نماز پڑھتے پڑھتے کسی روتے ہوئے بچے کے سر پر ہاتھ پھیر دیا ...... نماز ٹوٹ گئی نا؟ یہ غلط ہے ...... ایسا نہیں ہو سکتا ...... پھر اگر ان افعال سے نماز ٹوٹتی ہے، کسی معلم نے بتایا ہے ...... تو یہ دیکھتے رہو کہ کہاں نہیں ٹوٹتی ...... اگر بچے کے سر پر ہاتھ پھیر دو تو ٹوٹ گئی ...... اور بچے کو گھنٹہ بھر کمر پہ بٹھائے رکھو تو نہیں ٹوٹتی ...... یہ معلم بتاتا ہے ...... ہمارے کالج کا ...... سمجھے ...... تمہارے فیصلے سے نہیں ہوگا ...... یہ معلم بتائے گا کہ عمل صالحات ہیں کیا شے؟ کہاں نماز میں نقص آتا ہے؟ کہاں نماز پوری ہوتی ہے؟ ...... یہ معلم سمجھاتا ہے ...... سمجھے ...... کسی سے عداوت نہ کرو ...... کسی سے جھگڑا نہ کرو تمہیں کوئی حق نہیں کسی کو برا بھلا کہنے کا ...... معلم کو دیکھو جا کے وہ کیا کہتا ہے ...... وہ کہتا ہے نماز پڑھو ...... اور نماز کی مقبولیت کے لئے درود شریف پڑھو ...... پڑھو نا درود شریف ...... اللھم صل علی محمد و آل محمد والاصحاب محمد ...... یہی درود شریف ہے ...... کیا نماز میں یہی درود شریف پڑھو گے ...... نہ وہاں تو نہیں پڑھنا ...... کیوں؟ ...... کہ نماز نہیں

ہو گی ...... کہ وہاں کتنی پڑھنی ہے ...... کہ بس آل محمدؐ تک ...... اور نماز کے بعد ...... پھر اصحاب محمدؐ اور نماز میں اگر اصحاب محمد کہہ دو تو نماز نہیں ہو گی...... اور اگر آل محمدؐ نہ کہو تو نماز نہیں ہونے کی ...... یہ عمل صالح بتایا...... کہ دیکھو ہم کسی کو برا نہیں کہتے مگر آل اور اصحاب میں یہ فرق ہے کہ آل کا نام نہ لینے سے نماز غلط اور اصحاب کا نام لینے سے نماز غلط ...... اگر وہاں اصحاب کہہ دو تو نماز غلط ...... آل نہ کہو تو نماز ہو گی ...... نہیں ...... یہ عمل صالح ہے جو ہمیں بتایا...... دیکھو ادھر آؤ...... جس طرح میں عمل کروں اسی طرح عمل صالح بنتے ہیں ...... تمہارے لئے یہ قانون ہے اللہ کا ...... کیا؟ ...... "یاد رکھو مسلمانوں، اتنے ادب سے رہنا رسولؐ کے سامنے کہ تمہاری آواز رسولؐ کی آواز سے کم آواز میں بولنا ...... خبردار اس کی آواز سے تمہاری آواز بلند نہ ہونے پائے"...... رسولؐ کے ساتھ تمہارا برتاؤ ...... قد جھر بعضکم بعضا...... نہ ہو ...... جس طرح تم آپس میں ملتے ہو اس طرح نہ ملنا کہ گلے مل رہے ہیں...... ہاتھ ملا رہے ہیں...... نہ ...... اس کا فرق رکھنا...... رسولؐ کا یہ ہے تمہارے لئے، مسلمانوں کے لئے ...... یہ حکم ہے ...... نماز پڑھ رہے ہو اور رسولؐ نے آواز دی ...... ادھر آؤ ...... فوراً...... اگر تم نے نماز کی وجہ سے اس کی تعمیل نہ کی تو مر گئے، کفر ہے ...... فوراً ...... رسولؐ کے جواب میں ...... یہ ہمیں حکم ہے ...... سمجھے حضور ...... یہ عمل صالح ہے ہمارے لئے ...... یہ ہمارا عمل صالح ہے ...... مگر ہم رسولؐ کا عمل صالح کیا دیکھ رہے ہیں؟ ...... کہ ہم تو آواز اونچی نہیں کر سکتے ...... اس کے بلائے پہ نہ بولیں تو کفر ہو جائے اس کے آگے چل پڑیں تو کفر ہو جائے ...... اس کے سامنے بے ادبی سے بیٹھیں کفر ہو جائے ...... اس کے گھر میں جھانکنا مت ...... خبردار ...... کفر ہو جائے گا...... اگر وہ تمہیں کھانے پہ بلائے اس کے برتنوں کو نہ دیکھنا کہ یہ کس چیز کا ہے؟ ...... یہ کس چیز کا ہے نہ دیکھنا ...... کفر ہو جائے گا ...... جس فرش پہ وہ بیٹھا ہے ...... اس پہ بچ کے ادب سے بیٹھو ورنہ کفر ہو جائے گا ...... یہی ہوا تھا کہ ام المؤمنین حضرت حبیبہؓ ...... ام المؤمنین رسولؐ کی زوجہ محترمہ ...... حضرت ابوسفیان کی بیٹی ...... معاویہ کی حقیقی بہن ...... یزید کی سگی پھوپھی ...... جناب ام حبیبہؓ کے گھر ابوسفیان......

آئے ...... بیٹی نے سلام کیا ...... کھڑے ہو کے تعظیم کی ...... بیٹی ...... باپ تھے ...... جب بیٹھنے لگے تو کہا...... ابا ذرا ٹھہرنا...... اب جو دری بچھی تھی، لپیٹ لی...... بسم اللہ ابا تشریف رکھو ...... زمین پر ...... تو ابوسفیان نے بڑے رعب سے کہا...... ام حبیبہ جانتی ہو میں کون ہوں؟ ...... میں عرب کا بے تاج بادشاہ ہوں ...... میں فوجیں اکھٹی کر سکتا ہوں۔ محمدؐ کے مقابلہ میں ...... عرب میں میری دھاک بیٹھی ہوئی ہے ...... تو مجھے اس پھٹی ہوئی دری پہ نہیں بیٹھنے دیتی ...... ام حبیبہؓ نے کہا...... یہ رسولؐ کے بیٹھنے کی ہے ...... تم چاہے کچھ بھی سہی نہیں بیٹھ سکتے ...... آج مسلمانوں کی کتابیں بھری پڑی ہیں اور وجد آتے ہیں...... لوگوں کو ...... کہ واہ ام حبیبہؓ کیا کہنے تیرے ...... ام المؤمنین ہو تو ایسی ہو ...... جو رسولؐ کی جگہ باپ کو نہ بیٹھنے دے...... امّ المومنین کی یہ شان ہے...... یہ اس کا احترام کہو...... یہ عمل صالح ہے ہمارے واسطے ...... میں زیادہ تشریح میں نہیں جاتا ...... مگر ادھر تو رسولؐ کا یہ احترام کہ اس کی جگہ کوئی نہ بیٹھے ...... کہیں اس کی دری پہ کوئی نہ بیٹھ جائے ...... اس کے سامنے کوئی اونچا بولے نہیں ...... اسے آواز نہ دو...... اس کے سلام کا طریقہ بھی اور ہونا چاہیے...... دیکھو اس کا پکارنا جب وہ گھر میں ہو ...... یہ کرنا...... اور ادھر ہم دیکھتے ہیں کہ وہی رسولؐ ایک بیٹی کو دیکھ کر فوراً سر جھکائے تعظیم کو کھڑا ہو جاتا ہے۔ یہ عمل صالح کی تعلیم ہے جو ہمیں سکھائی...... یہ عمل صالح ہے جو ہمیں سکھایا جا رہا ہے۔ کہ دیکھو اسے عمل صالح کہتے ہیں...... نری نمازوں پہ نہ اکڑنا...... نرے روزوں پہ ناز نہ کرنا...... نرے قرآن پڑھنے پہ نہ اکڑنا...... داڑھیوں کو بڑھانے پہ نہ ناز کرنا...... دیکھو یہ عمل صالح بھی سیکھو...... یہ دو سال کی بچی ہے...... ڈھائی سال کی بچی ہے یہ آ رہی ہے اور دیکھو...... اے ...... یہ دیکھو...... میں رسولؐ اس کی تعظیم کو کھڑا ہوں...... یہ دیکھتے رہنا...... کہیں ایسا نہ ہوا...... گھر میں ...... صحن میں ...... کمرے میں ...... باورچی خانے میں کہیں ایسا نہیں ہوا کہ رسولؐ بیٹھے ہوں، بیٹی آئی ہو اور فوراً تعظیم کو نہ اٹھے ہوں۔ اسی وقت تعظیم کو کھڑے ہو جاتے تھے...... اور جب رسول اٹھتے تھے تعظیم کو تو جو پاس بیٹھی ہیں...... امہات المؤمنین یا

اصحاب...... ان کی کیا مجال ہے جو وہ نہ اٹھتے ہوں...... وہ یقیناً اٹھتے ہوں گے...... یہ عمل صالح ہے...... یہ تیسری کلاس ہے رسول کے مکتب کی...... کہ عمل صالح بھی ہونا چاہیئے جو رسولؐ نے بتایا ہے...... کہ دیکھو...... اے...... اے...... یہ عمل صالح ہے...... اور جب عمل صالح کا امتحان بھی پاس کر لو گے جب اس امتحان میں تم پورے اتر جاؤ گے تو پھر تمہاری اگلی کلاس آئے گی...... تواصو بالحق...... کہ حق کا دامن بھی پکڑ و...... اب یہ کلاس آئیگی...... سمجھے نا حضور...... اور جب حق کی کلاس میں پاس ہو جاؤ گے تو پھر تواصو بالصبر...... والی بات آئیگی۔...... یعنی صبر کی...... بس یہ آخری کلاس ہو گی...... تواصو بالصبر جو ہے...... یہ بالکل آخری کلاس ہے...... سمجھ میں آگئی نا صاحبان کے...... بس بھئی جو بات تھی نہ ان کی دہ یہیں ختم ہو گئی...... یہ مدرسے کا تعارف تھا آپ سے...... یہ جو مجالس ہیں یہ آپ حضرات کو معلوم ہے کہ یہ امام زین العابدین علیہ السلام کے ذکر میں ہیں یہ مجلسیں...... کربلا کی عزاداری کے سلسلہ میں یہ مجلسیں ہیں اور بعض لفظوں میں اور ناموں میں اللہ نے یہ تاثیر رکھی ہے کہ ان ناموں سے ایک خاص اثر پیدا ہوتا ہے...... مثلاً اگر رستم کا نام لو تو خود بخود تصور آتا ہے طاقت کا...... اور زین العابدین...... کچھ نہ کہو بالکل، خود بخود تصور آتا ہے انتہائی مظلومیت کا...... دنیا کے سب سے بڑے مظلوم اعظم کی یادگار میں یہ مجلسیں ہیں...... اور میں بلا خوفِ تردید پوری ذمہ داری سے کہتا ہوں کہ تواصو بالصبر کے امتحان میں جتنا یہ انسانِ کامل کامیاب ہوا...... جسے زین العابدینؑ کہتے ہیں نہ اس سے پہلے کوئی ہو سکا نہ بعد میں...... تواصو بالصبر کے امتحان میں یاد رکھو کہ زین العابدین کا ذکر نامکمل ہے...... جس طرح خدا کا کلمہ لا الہ الا اللہ نامکمل ہے، بغیر محمدرسول اللہؐ کے اسی طرح ذکر زین العابدینؑ نامکمل ہے جب تک اسکی شریکِ صبر زینب سلام اللہ علیھا کا ذکر نہ ہو...... سمجھے...... زینب شریک حسینؑ بھی ہے...... شریک زین العابدینؑ بھی ہے...... کربلا کے معرکے کی ہیرو ہے...... مرکزی کردار ہیں یہ دونوں پھوپھی، بھتیجا...... اور جب تک حسینؑ کا سر نیزے پہ نہیں آیا، زینب سلام اللہ علیھا کا قدم خیمے سے باہر نہیں نکلا...... بالکل آیا ہی نہیں۔ حسینؑ کہہ گئے تھے۔

بہن میری ایک بات یاد رکھنا...... بس گھر سے باہر نہ آیا...... کہ حسینؑ نہ آؤنگی نہ آؤنگی...... کہہ جو دیا تجھ سے کہ نہیں آؤنگی...... اگر اس حکم کے بعد زینب سلام اللہ علیھا گھر سے باہر ایک قدم بھی باہر رکھ دیتی تو آج یہ بار مشہور ہوتی کہ جناب عورتوں کی یہ فطرت ہوتی ہے کہ وہ باوجود سمجھانے کے گھر سے نکل آتی ہیں، اسی لیے زینب سلام اللہ علیھا نکل آئی...... نہ بالکل نہیں...... اکبرؑ، شہید ہو یا عونؑ محمدؑ...... چاہے حسینؑ خود کیوں نہ شہید ہوں...... کہہ جو گئے ہیں، گھر سے باہر نہیں آنا...... بس نہیں آنا زینب تو شریکِ عمل ہے امام زین العابدینؑ کی...... سمجھے حضور...... جس وقت حسینؑ اپنا کام ختم کر چکے تو اس نے آکر جگایا ہے امام زین العابدینؑ کو...... بیٹا اٹھو...... تم غور نہیں کرتے...... قُم یابنیا...... بیٹا اٹھو...... پتہ نہیں کتنا دفعہ پکارا ہے بیٹا بیٹا کہہ کے...... بیٹا اٹھو...... امامؑ نے آنکھ نہیں کھولی بیٹا کہہ کے پکارتی رہیں...... سمجھ گئیں...... ایک دم جوش میں آکے کہتی ہیں۔ قم یا امام زمانا...... میرے زمانے کے علیؑ اٹھ میری مدد کر...... اے امام زمانہؑ اٹھ...... اب بیٹا نہیں کہا...... اب امامؑ کہا...... امام کہہ کے جو پکارا فوراً اٹھ کے بیٹھ گئے...... اب یہ ذمہ داری ہے...... کہ 'اماں کیا کہہ رہی ہو'؟...... کہ بیٹا تو اس وقت زمانے کا امامؑ ہے...... اس فقرے سے ہی سمجھ گئے کہ کیا ہو گیا...... بیٹھ گئے اٹھ کے...... ذرا خیال نہیں کہ بیماری ہے یا تکلیف ہے...... اٹھ کے بیٹھ گئے...... 'اچھا اماں! میں امامؑ ہوں'؟ کہ ہاں بیٹا تو امامؑ ہے...... امام زمانؑ ہے اور میں تیری پھوپھی زینب سلام اللہ علیھا ہوں...... اماں میں نے پہچان لیا...... کہ بیٹا تو مجھے پہچانتا ہی ہے...... ضرورت تو مجھے ہے تجھے پہچاننے کی...... ورنہ میں جاہلیت کی موت مر جاؤں گی...... بیٹا اگر تجھے نہ پہچانا...... تجھے ضرور پہچانتا ہے...... تو زمانے کا امامؑ ہے...... اماں تجھ سے بہتر معرفت امامؑ کسی کو نہیں...... بیٹا یہ تو بات ہو چکی...... اب میں تجھ سے بحیثیت امامؑ کے یہ حکم لینا چاہتی ہوں کہ جن خیموں سے حسینؑ کہہ گئے تھے باہر نہ آنا وہ سب جل گئے...... جن خیموں سے باہر نہ آنے کو حسینؑ نے منع کیا تھا وہ خیمے کچھ جل گئے کچھ جل رہے ہیں...... اب میرے یتیم بچے ہیں...... بیوہ عورتیں ہیں اور بیٹا یہ بھی سن لے کہ میں بڑا شرمندہ ہو رہی ہوں ان

عورتوں سے...... کسی کا شوہر مر گیا ہے...... کسی کا بھائی مر گیا ہے...... یہ غیر خاندانوں کی ہیں میں ان سے شرمندہ ہوں...... ہماری حمایت میں یہ سب تباہ ہو گئیں...... میں ان سے ایک ایک کو سمجھا رہی ہوں...... بی بیو! تمہارا بڑا احسان ہے...... اور بیٹا سب سے زیادہ شرم مجھے اپنی بھر جائیوں سے آتی ہے...... بڑے بڑے گھرانے کی خواتین ہیں...... ہمارے گھر میں ان کی شادیاں ہوئی تھیں...... میں ان کے سامنے بڑا شرمندہ ہو رہی ہوں...... وہ کیا سوچتی ہوں گی کہ فاطمہ سلام اللہ علیھا کی بہو بن کے یہی حال ہونا تھا...... بیٹا میں بڑی مشکل میں پھنس گئی ہوں تو زمانے کا امامؑ ہے...... مشکل کشا ہے...... میں تجھ سے حکم لینا چاہتی ہوں دل میرا بڑا گھبرا گیا ہے ...... آخر خاتون ہوں ...... میرا دل بڑا گھبرا گیا ہے...... تو امامِ زمانہؑ ہے...... حکم دے کہ ان سب عورتوں اور بچوں کو ساتھ لے کر تیرے حکم کی دیر ہے ان ہی خیموں میں جل کر مر جاؤں ...... میں ذرا دریغ نہیں کرونگی اس بات سے ...... حکم دے ...... جل کے مر جاؤں ؟ کیا کروں بتا؟ میں آپ کو کیا بتاؤں اس وقت امام زین العابدینؑ پہ کیا گذر گئی اسکا اندازہ دنیا کا کوئی انسان نہیں کر سکتا ہی نہیں، جب آپؑ نے پھوپھی کو حکم دیا ہے...... علیکنا بالصحرا...... اماں حیثیت امامؑ میں یہ حکم دیتا ہوں کہ ان سب کو لے کے خیموں سے باہر آجاؤ...... کوئی بچہ جل نہ جائے...... باہر نکل جاؤ...... اس حکم کے دیتے وقت جو گذری ہے امام زین العابدینؑ پر اس کا اندازہ کوئی کر سکتا ہی نہیں...... کہ کیا گذری اس وقت...... اور نکل گئے...... اور میرے محترم سامعین یہ سب ہماری باتیں ہیں، ہم جو آپ سے کہہ دیتے ہیں کہ انہیں جلا ہوا خیمہ کسی نے دے دیا تھا...... یہ غلط ہے...... جھوٹ ہے...... ان کے خیمے کا ایک ایک ذرّہ جل گیا تھا...... جب نکل گئیں ناں باہر...... جب باہر آگئیں...... آکے ریت کے ٹیلوں پہ بیٹھ گئیں...... اب ان کے سامنے کیا تھا...... ان مستورات کے ایک طرف جلے ہوئے خیموں کی راکھ اور ایک طرف بے سر کے لاشے...... کبھی اِدھر...... دیکھ رہی تھیں، کبھی اُدھر دیکھ رہی تھیں اور اٹھارہ بھائیوں کی بہن بیٹھی یہ سوچ رہی تھی کہ کیا ہو گیا...... کیا ہو گیا؟ یہ سوچ رہی تھی اٹھارہ بھائیوں کی بہن اور رات ہو گئی...... اور آپ یقین فرمائیں

کہ وہ بچے جو شب عاشور ساری رات روتے رہے...... آج نہیں روتے، ایک بچہ نہیں روتا ...... سب ماؤں کی گود میں چپ...... یا دن کے حادثہ سے سہم گئے اتنے ڈر گئے بچے کہ سہمے ہوئے تھے...... یا اس لیے نہیں روتے تھے کہ ہم رو کے کیا کر سکتے ہیں...... کون مدد کو آئے گا؟ کسے پکاریں ہم...... سب بچے سہمے ہوئے تھے...... بالکل سہمے ہوئے ہیں...... اب ٹیلوں کی آڑ میں جو مستورات بیٹھی ہیں...... چار کسی ٹیلے کی آڑ میں، دس کسی ٹیلے کی آڑ میں...... جہاں جہاں کسی کو جگہ ملتی گئی وہ بیٹھتی گئی...... سن رہے ہو نا بھئی...... اور اب رات ہو گئی تو امام زمانہؑ اپنی جگہ سے اٹھے...... حضرت امام زین العابدینؑ ...... ایک ایک ٹیلے کے قریب گئے جہاں وہ خواتین بیٹھی تھیں...... پوچھا جا کے کہ کون ہے؟ کہا فلاں صحابی کی بیوہ ہے...... فلاں شہید ہونے والی کی بہن ہے...... فلاں شہید ہونے والے کی ماں ہے...... اسکے قریب کھڑے ہو کر کہتے...... بہن تیرے مرنے والے کا بڑا افسوس ہے...... میں تیرا احسان مند ہوں...... میں تیرا شکر گذار ہوں ...... اور جب ایک ایک بی بی کو امامؑ نے پرسہ دے دیا تو یہ سب اکٹھی ہو گئیں امامؑ کے دربار میں اور سب نے بیک وقت، بیک زبان ہو کر کہا...... اس کو "بین" کہتے ہیں۔ جو مل کر گریہ کیا جائے...... تو سب نے یک زبان ہو کر کہا کہ...... یا زین العابدینؑ ...... تیرے بھرے گھر کے اجڑ جانے کا بڑا افسوس ہے...... تو آپؑ نے دعا مانگی ...... ان سب کا شکریہ ادا کیا...... اور سجدے میں سر رکھدیا اور سبحان ربی الاعلیٰ کی آواز کربلا کی فضا میں گونجی اور صبح تک گونجتی رہی...... جب صبح صادق طلوع ہوئی تو فوجِ یزید خود اس بات کی گواہ ہے کہ ہم سب نے اپنے کان سے سنا کہ کوئی غیبی آواز آرہی تھی ارفع راسك انت سيد الساجدين...... اس عالم میں سجدہ کرنے والے تو سارے سجدہ کرنے والوں کا بادشاہ ہے...... بس اب تو سر اٹھالے...... سمجھے...... اور یہ ...... اور آپ کو بتاتا چلوں کہ رات کے دس بجے جب پرسہ داری ہو چکی...... بچے سہمے ہوئے بیٹھے تھے، امامؑ نے فرمایا اماں...... اب ان بچوں کے لیے خوراک کا بندوبست بھی ہونا چاہیے...... کوئی کھانے پینے کی چیز ...... سمجھے حضور...... حضورؑ نے کہا...... بی بی نے دیکھا...... اپنے ہی جلے ہوئے خیموں میں مشک بچ

گئی...... بی بی خود وہ مشک لے کر فرات پر گئیں۔ اور وہیں سے وہ مشک بھر کے لائیں...... اور جب مشک لا رہی تھیں بھر کے تو کہہ رہی تھیں...... عباس یہ نہ کہنا...... کہ تم سب نے جو مل کر کام کیے ہیں وہ سب میں کر رہی ہوں...... میں اب پانی لے جا رہی ہوں...... ان ننھے بچوں کے لیے لے کے آئیں...... ان بچوں نے پانی پیا...... اس وقت سے امام زین العابدینؑ کی زندگی اور زینبؑ کی زندگی شروع ہو گئی...... ان دونوں کا تذکرہ جب تک ساتھ ساتھ نہ ہو...... تب تک ذکر مکمل ہوتا ہی نہیں...... ان شاء اللہ العزیز، بشرط خیریت بشرط زندگی اگر میں زندہ رہا تو آپ کو ان دونوں کا مفصل ذکر سناؤں گا...... اور اس تذکرے کا انعام میں نے انہی سے لینا ہے...... اور آپ سے یہ کہنا ہے کہ آپ میری ان سے سفارش کر دیں...... آپ سادات ہیں...... مؤمنین ہیں...... مولا زین العابدینؑ چالیس سال ہو گئے تیرے دروازے پہ صدا لگاتے ہوئے کوئی اور دروازہ نہیں دیکھا تیرے دروازہ کے بغیر...... دنیا تو گذر گئی ہے اور گذر جائیگی...... عاقبت میں تو ہی سہارا ہے اور انجام تمہارے ہاتھ ہے یہ تم دونوں پھوپھی بھتیجے کے ہاتھ ہے...... میں نے پنجاب، بلکہ مغربی پاکستان کے گاؤں گاؤں میں زینب سلام اللہ علیھا کا ذکر پہنچا دیا ہے...... لوگ زینب سلام اللہ علیھا سے آشنا نہیں تھے...... لوگوں کو زینب سلام اللہ علیھا کا پتہ نہیں تھا...... آج لوگوں کو پتہ چل گیا کہ زینب سلام اللہ علیھا کے ذکر کے بغیر یہ ذکر نا مکمل ہے...... باقی ان شاء اللہ کل...... بشرط زندگی...... آج اتنی ہی بات...... اللہ تمہیں سلامت رکھے...... تمہیں اس ذکر کی برکات سے نوازے۔

بحق محمدؐ و آل محمدؐ۔ آمین

خطیب آل محمدؐ کی ایک یادگار تحریر ''محسن نقوی نے کہا'' کے لئے

محسن بیٹے! تم زندہ رہو

خطیب آلِ محمدؐ الحاج سید اظہر حسن زیدی صاحب قبلہ

انسان کے اخلاق نے اپنی بے پناہ قوت و طاقت انتہائی حسین انداز میں مجتمع کر کے کائنات میں اظہار فرمایا ہے۔ اُس مظہر طاقت الٰہی کا نام انسان ہے۔ انسان خدائی طاقتوں کا حسین پیکر، بے مثل مظہر، لازوال نمونہ اور خدا کی خلقت و خالقیت کی سب سے عظیم دلیل ہے۔ انسان کے اندر انسان کے خالق نے ایسی طاقتیں ودیعت فرمادی ہیں، جن تک رسائی حاصل کرنے کے لیے نہ فرشتوں کی مجال ہے، نہ کسی اور مخلوق کی طاقت ہے۔ انسان کے چشم و ابرو کے اشارے سے تمام کائنات تابع فرمان ہو کر لرزہ براندام ہو جاتی ہے۔ انسان میں اس طاقت کو اللہ نے اپنی پوری حکمت کے ساتھ ودیعت فرمایا ہے۔ اسے انسانی ''ذہن'' کہتے ہیں۔ اسی کا دوسرا نام ''عقل'' بھی ہے۔

مگر اس کا حسین نام انسانی ذہن ہے۔ انسانی ذہن وہ اللہ کا عطیہ اور نعمت ہے کہ اس سے بڑھ کر اور اس سے اعلیٰ عطیہ خزانۂ قدرت میں بھی موجود نہیں ہے۔ اللہ کے بے پناہ خزانے میں بھی سب سے قیمتی ہیرا اگر کوئی

ہے تو وہ انسانی ''ذہن'' ہے۔ اللہ نے اپنی پوری فیاضی سے انسانوں کو اعلیٰ ذہنیت کی نعمت عطا فرمائی ہے۔ اسی اعلیٰ ذہنیت کے مراکز انبیاء و اولیاء کہلائے۔ اسی اعلیٰ ذہنیت کے مراکز مومنین ومتقین وصالحین کہلائے۔

انسانی زبان انسان کے ذہنی خیالات کے اظہار کا بہترین ذریعہ ہے۔ اگر یہ زبان عقل کی قیادت میں انسانی ذہن کے خیالات کو الفاظ کے پیکر میں ڈھال کر پیش کرتی رہے تو یہی زبان حکمت کا سرچشمہ بن جاتی ہے۔ یہی زبان سرمایۂ عقل وخرد بن جاتی ہے انسانی ذہن میں جو خیالات اور انسانی ذہن میں جو ارتقائی منازل پیدا ہوتی ہیں' ان کے اظہار کا بہترین ذریعہ خواہ وہ زبان سے ہو یا اشارات سے ہو، اگر انتہائی الفاظ میں اس کو ادا کیا گیا' سامعین کے دل و دماغ میں بات اتر گئی' سننے والوں کو لطف آ گیا' کائنات کے اندر ابر رحمت بن کر چھا گیا۔ ساری دنیا اس کے سامنے سر جھکا بیٹھی' اس طریقۂ اظہار کو فن خطابت میں' فن تقریر میں' فن نطق میں ''شاعری'' کہتے ہیں۔ شاعری ''تک بندی'' کا نام نہیں۔ شاعری ''قافیہ بندی'' کا نام نہیں۔ شاعری کے اصلی معنیٰ ہیں' انسانی جذبات کی گہرائیوں کو اس خوبصورتی کے ساتھ ادا کر دینا کہ سننے والوں کے دل میں اتر جائے' اور اس انداز سے پیش کرنا کہ ہر شخص یہ سمجھے کہ یہ میرے دل کی بات ہو رہی ہے' اس چیز کا نام شاعری ہے۔ الفاظ اتنے حسین ہوں کہ اُس سے زیادہ حُسن تلاش کرنے سے بھی نہ مل سکے۔ معنیٰ میں اتنی گہرائی اور لطافت ہو کہ کوثر سے زیادہ پاک، سمندروں سے زیادہ

گہرے اور عرش سے زیادہ عظیم معنیٰ اُن الفاظ کے اندر چھپے ہوئے ہوں۔ یہ شاعری یعنی انسانی ذہن کے خیالات اعلیٰ کا اظہار نہ سیکھنے سے آتا ہے نہ پڑھنے سے آتا ہے' یہ خدا کی طرف سے عطیہ ہے' خدا جسے بخش دے۔ تو جس دل کو اللہ دیکھتا ہے کہ اس میں صفائی و نورانیت اتنی ہے کہ وہ شاعری کے پیکر لطیف کو اپنے چوکھٹے میں سجا سکتا ہے' یقیناً اللہ اُسے شاعری کی نعمت سے سرفراز فرماتا ہے۔ شاعری کی نعمت سے بہرہ ور کرتا ہے۔ شاعری اسے عطا کرتا ہے۔ ایک ایک شعر اگر شاعرانہ زبان میں ہو' تو اتنے معانی ومطالب ادا کر دیتا ہے کہ سینکڑوں کتابیں بھی ان مضامین کو ادا نہیں کر سکتیں' جو ایک شعر ادا کر دیتا ہے۔ اس وقت میرے ذہن میں ایسے بہت سے اشعار ہیں۔ ایک ایک شعر نے انقلابِ عظیم پیدا کر دیا۔ اور بات کہیں سے کہیں پہنچا دی۔ اگر میں ان سب کو جمع کر دوں تو بذاتِ خود ایک ضخیم کتاب ہو جائے۔ مختصر یہ کہ کسی بات کو نہایت ہی لطیف قرینے سے ادا کرنا اس کے لئے خوبصورت سے خوبصورت لفظ بھی میرے پاس نہیں کہ اس قرینے کی تعریف کر سکوں جسے شاعری کہتے ہیں۔ یہ چیز جسے مل جائے یہ اللہ کا عطیہ ہے' خدا کا انعام ہے۔ میں نے اپنی زندگی اکثر اربابِ علم و ہنر اور اربابِ فکر وشعر کے جھرمٹ میں گزاری ہے۔ بہت سے شاعروں سے واسطہ پڑا اور پڑ رہا ہے۔ بہت سے شعرائے کرام کے کلام کو سنا، پڑھا اور دیکھا ہے۔ جس طرح شعر کہنا کمالِ فکر کا دوسرا نام ہے' اسی طرح شعر کا سمجھنا بھی کمالِ ذہن کے زمرے میں آتا ہے۔ انسان کے ذہن کا امتحان

دو باتوں سے ہوتا ہے ایک یہ کہ کیا کہا' اور کس طرح کہا؟ اور دوسرے یہ کہ اس نے کیا سمجھا اور کس طرح سمجھا؟ شعر کہنا بھی کمال ہے اور اسے سمجھنا بھی کمال ہے۔ مجھے ان دونوں چیزوں سے واسطہ پڑتا رہا ہے میں نے اعلیٰ سے اعلیٰ اشعار سنے بھی ہیں اور انہیں سمجھنے کی بھی کوشش کی ہے۔ میں نے اساتذہ فن کا کلام اکثر پڑھا اور دیکھا ہے۔ میں کسی کے متعلق بے سوچے سمجھے کبھی رائے قائم نہیں کرتا' بلکہ خوب جانچ پرکھ کر، دیکھ کر اور آزما کر فیصلہ کن الفاظ میں رائے قائم کرتا ہوں کہ اس کے کلام میں کتنی لطافت' کتنی پاکیزگی' کتنی بلندی' کتنی رفعت ہے اور ابھی اسے کتنا میدان چاہیے' تاکہ اس کی طبیعت اپنی پوری جولانی کے ساتھ اپنے اندر چھپے ہوئے کمال کو ظاہر کر سکے۔ اسی نقطۂ نظر سے آج میں اس عالم میں جب کہ میں وہ زیدی نہیں ہوں جو زیدی کبھی دنیا کے سامنے تھا۔ اب میں اپنے شکستہ دل و دماغ اور اُکھڑے ہوئے سانس کے ساتھ یہ کہنے کی جرأت کر رہا ہوں کہ اس زمانے میں جو چند عظیم شاعر ہیں میں ان کا مقابلہ نہیں کرتا۔ وہ اپنی عظمت وعزت کی اس منزل پہ قائم ہیں کہ وہاں تک پہنچنا ہر ایک کا کام نہیں۔ مگر میں دیکھ رہا ہوں کہ ان عظیم شاعروں کے درمیان میں ایک نوجوان شاعر اس طرح شامل ہو گیا، اس طرح آ گیا ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ کمالات کی انگوٹھی میں ایک خوبصورت نگینہ جڑا گیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ آویزۂ گوشِ کمال میں ایک بہترین گوشوارہ شامل ہو گیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ گلِ سر سبز بن کے ایک نوجوان پھول اس گلزار میں داخل ہو گیا۔ اور

اس نوجوان کا نام ''محسن نقوی سلمہ'' ہے۔ میں ذاتی طور پر محسن نقوی کو اس وقت سے جانتا ہوں جب اس نے دنیا میں پہلا قدم رکھا اور وہ پیدا ہوا۔ اس کے والد محترم کے ساتھ میرے دوستانہ تعلقات اور مراسم تھے۔ اس کا والد ڈیرہ غازی خان کی محفل کا ''چراغ'' تھا۔ ڈیرہ غازی خان کی عزت تھا اور ڈیرہ غازی خان کی آبرو تھا۔ اس شگفتہ مزاج اور شگفتہ خاندان میں جہاں ہمیشہ شگفتہ مزاج لوگ پیدا ہوئے۔ اس آب و ہوا میں اچھے اور فاضل دماغوں نے پرورش پائی وہاں ''چراغ'' کے گھر ایک ''شمع'' روشن ہوئی' قدرت نے حُسن بیان' حُسن لطافت' حُسن صورت' حُسن سیرت سب کو ایک جگہ سمو کر الہامی طور پر ''محسن'' نام رکھ دیا اور خانوادہ علم و فضل جس گھر سے علم کی تربیت ہوتی ہے' جس گھر سے علم پیدا ہوا' جس گھر سے علم تقسیم ہوتا ہے اس کی نسبت نے ''محسن'' کو ''محسن نقوی'' بنا دیا۔ میں بچپن سے اسے جانتا تھا۔ بچپن میں اس کی ادائیں بتاتی تھیں کہ یہ بچہ کچھ بنے گا۔ اس کی بچپن کی گفتگو میں نہایت حسین' معصومانہ لطافت تھی۔ بچپن میں اس کے تیور بتاتے تھے کہ یہ بچہ کسی دن قیامت ہوگا۔

رفتہ رفتہ میں نے دیکھا کہ اس بچے نے اپنے انتہائی ترقی یافتہ ذہن کے افکار کو الفاظ کے سانچے میں ڈھالنا شروع کیا۔ شروع شروع میں مَیں نے اس کے چند شعر سنے میں سمجھا یونہی مشغلہ ہے مگر جب میں نے ذرا اور قریب بٹھا کر اس کی باتیں سنیں اور اس کے دل و دماغ کے سانچے میں ڈھلے ہوئے ان بہترین گلدستوں کو دیکھا' جو اس نے تیار کیے تھے تو سچ تو یہ ہے کہ باوجود تجربہ

کارانہ زندگی کے ایک دفعہ تو میں بھی حیرت میں آ گیا۔ میرا دماغ بھی چکرا گیا۔ میری سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ اس نوجوان کے دل و دماغ میں اتنی بلندی، اتنی رفعت، اتنا ارتقاء کس نے پیدا کیا۔ آج سے پندرہ سال پہلے کا اس کا سنا ہوا شعر میرے دل و دماغ میں گونج رہا ہے اور اُس کے معنی لکھنے کے لئے سینکڑوں صفحے اور کتابیں درکار ہیں۔ اور وہ شعر اس طرح ہے:

ہزار تہمتیں دنیا نے بخش دیں مجھ کو
میں آدمی تھا مگر چپ رہا خدا کی طرح

سبحان اللہ! فلسفۂ قضا و قدر، فلسفۂ خیر و شر ان تمام چیزوں کو اس شعر میں اس خوبی سے ادا کیا گیا ہے، کہ اس سے بہتر میرے دل و دماغ میں دوسری بات نہیں۔ یہ ''محسن نقوی'' کی شاعری اس کی گفتگو کا کمال ہے۔ اب تو میں شوق سے اور بڑے ذوق کے ساتھ اس کے فرمودات کو دیکھنے لگا، کہ اب کیا کہتا ہے؟ سچی بات یہ ہے کہ اس نے فنِ شاعری میں اور خصوصیت کے ساتھ مدحِ اہلِ بیتؑ کی شاعری میں وہ پھول کھلائے ہیں، کہ آج آسمان و زمین سے سوائے ''زندہ باد'' کے کوئی آواز نہیں آتی۔ وہ مداحِ اہلِ بیتؑ میں طائر سدرہ کا انیسؒ ہے۔ اس کا کلام موجبِ الہام کی طرح مدحِ اہلِ بیتؑ میں نفیس ہے۔ وہ مداحِ محمدؐ و آلِ محمدؐ لکھنے میں دبیرِ فلک کا ہم عصر ہے۔ اس کے کلام میں وہ اوج ہے، وہ عروج ہے کہ شاید کسی کو حاصل نہ ہو سکے۔ اس کے کلام میں سخنوری کے اعلیٰ معیارات موجود ہیں۔ اس میں ''ملیح'' اور ''نمکین'' ''جوش'' بھی ہے، اس

میں نہایت خوبصورت ہوش بھی ہے، اس میں الفاظ کی نزاکت بھی ہے، اس میں معنیٰ کی تراوت بھی ہے، اس میں مضامین کی لطافت بھی ہے۔ غرض کوئی شے ایسی نہیں جو اس کے کلام میں موجود نہ ہو۔ شاعری جس چیز کا نام ہے اور جن اصناف سے شاعری مرتب ہوتی ہے، ان سب کو اگر ایک جگہ اکٹھا کر لیا جائے، تو اس کے معنی کلام ''محسن'' بنتے ہیں۔ شاعری کے لئے ضروری نہیں کہ وہ نظم ہی ہو، نثر میں بھی شاعری ہو سکتی ہے۔ چنانچہ خدا نے ''محسن نقوی'' کو ایسا عالی دماغ دیا ہے کہ وہ نثر کے چھوٹے چھوٹے فقروں میں بھی اعلیٰ شاعری کو سمو دیتا ہے۔ ایک ایک فقرے میں ایسی ایسی باتیں کہہ دیتا ہے کہ بڑے بڑے لیکچر اور بڑی بڑی تقریریں اسے ادا نہیں کر سکتیں۔ اس کے چھوٹے چھوٹے جملے، اس کے مختصر مختصر الفاظ، اس کے چھوٹے چھوٹے اشعار، اس کی رباعیات، اس کے قصیدے، اس کی نظمیں، اس کی نثریں، اس کی گفتگو غرض ہر شے انسانی ناطقے کا کمال ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ نوجوان ترقی کی ان منازل کو طے کر رہا ہے کہ اگر یہی عالم رہا تو چند دن کے بعد دنیا دیکھے گی کہ بے مثل و بے نظیر شخصیت شاعری ہی میں نہیں، حکمت و بلاغت میں، فلسفۂ انسانیت میں بھی، انسانی درس و تدریس کے بہترین مشغلے میں بھی، آفتاب عالمتاب بن کر چمکے گا۔ اور دنیا اس سے فیض حاصل کرے گی۔ آپ جانتے ہیں کہ منہ سے جو الفاظ نکلتے ہیں، وہ ہوا بن کے ہوا میں اڑ جاتے ہیں۔ کسی کو یاد ہی نہیں رہتا کہ کسی نے کیا کہا تھا۔ میں ہی ایک آپ کے سامنے مثال بیٹھا ہوں۔ میں نے پچاس سال تک اللہ جانے

کیا کہا اور وہ سب ہوا میں ختم ہو گیا۔ کسی کو یاد بھی نہیں کہ میں نے کیا کہا۔ بڑے ہی خوش ذوق، خوش مزاج وہ خوش فہم ہیں وہ لوگ جو کسی کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ کو خواہ وہ نظم ہوں یا نثر ایک جگہ اکٹھا کریں۔ ایک جگہ جمع کریں تاکہ تمام دنیائے انسانیت اس کو پڑھ کر لطف اندوز ہو۔ آئندہ نسلیں اس سے محظوظ ہوں۔ صاحب کلام کا کمال دنیا پہ ظاہر ہو اور دنیا کلام کو دیکھ لے، سمجھ لے کہ واقعی اس کلام میں کسی کو کلام نہیں۔ سب چیزیں حسن خوبی کے ساتھ ترتیب دے کر دنیا کے سامنے پیش کرنا یہ بھی ایک خوبی و کمال ہے۔ انشاء اللہ العزیز جب "محسن نقوی" کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ دنیا کے سامنے آئیں گے اور میری صحت اجازت دے گی تو میں اس پر ایک مفصل تقریر و تبصرہ لکھوں گا۔ یہ تو ایک گفتگو ہے جو میں شفقتیہ کے طور پر کر دی ہے جو میرے دل و دماغ کے اطراف میں ہے وہ میں نے کہہ دی۔

اللہ کرے زورِ سخن اور زیادہ

آخر میں ادارہ "القائم" رجسٹرڈ کو اس کی اس عظیم پیش کش پر مبارکباد پیش کرتا ہوں

خاکپائے مومنین

سیّد اظہر حسن زیدی

۱۳ مئی ۱۹۸۱ء ۱۱ بجے دن۔ ۱۰ فلیمنگ روڈ لاہور

مورخ عصر جدید مخدوم السید جعفر الزمان نقوی

تحقیقی اور تاریخی حوالوں کے ساتھ تاریخ معصومینؑ کا نایاب باب

معدن العصمت

فی سیرت

ام القائمؑ الحجہ صلوات اللہ علیہا

☆...... اس مقدس عنوان پر اردو زبان میں پہلی مفصل کتاب شائع ہوئی ہے
☆...... مصنف کے قلم کا تمام حسن۔ دہلیز عصمت پر سجدہ ریز ہے
☆...... 424 صفحات پر محیط 52 ابواب میں بکھری ہوئی تاریخ کو سمیٹا گیا ہے
☆...... حصہ نظم کی صورت میں عقیدے اور جذبوں کی مالا اپنے اندر کیف و اضطراب کی دنیا لیے ہوئے موجود ہے۔
☆...... ارباب منبر کے لیے ایک نادر اور بیش بہا خزانہ
☆...... تاریخ سے دلچسپی رکھنے والوں کے لیے ایک گراں قدر سرمایہ
☆...... یہ کتاب آپ کی لائبریری کی ضرورت بھی ہے اور زینت بھی
☆...... دیدہ زیب کتابت و طباعت۔ رنگا رنگ سرورق کے ساتھ
☆...... ہدیہ Rs.100/-

☆...... شریکۃ الحسنین پبلی کیشنز۔ پکی شاہ مردان ضلع میانوالی
فون:0459-392484-392264
☆...... نیو ولایت دی ہٹی ریل بازار۔ عارف والہ (پاکپتن) فون:0446-32782
☆...... پاک کتب خانہ اردو بازار راولپنڈی فون:051-5559093

آسان۔ سہل اور سادہ اردو زبان میں علامہ سید افتخار حسین نقوی النجفی کی شبانہ روز کاوش کا حاصل

فریضہ خمس کے بارے ..... تحقیقی دستاویز

- قرآن حکیم کا خمس کے بارے میں کیا حکم ہے؟
- حضرت نبی کریمؐ اور آئمہ معصومینؑ خمس کے بارے میں کیا ارشاد فرماتے ہیں؟
- حضرت رسول اکرمؐ اور معصومینؑ کی حیات مقدسہ میں خمس کی وصولی کا طریقہ کار کیا تھا؟
- حضرت صاحب العصر والزمان (عج) کے زمانہ غیبت میں خمس کی کیا حیثیت ہے؟
- کیا خمس زکوۃ سے جدا ہے؟ حضور نبی اکرمؐ اور معصومینؑ اس بارے میں کیا فرماتے ہیں؟
- کیا خمس ضروریات دین میں سے ہے؟ معصومینؑ کے ارشادات کی روشنی میں مکمل بحث۔
- کیا خمس کا انکار کرنے والا دین سے خارج ہے؟ حضور نبی کریم معصومینؑ کی احادیث کیا کہتی ہیں؟
- خمس کے بارے میں قدیم وجدید مراجع عظام کے فتاویٰ۔
- خمس کے بارے میں مدلل۔ ٹھوس دلائل کیساتھ آپ کے اذہان میں آنے والے تمام سوالات کے جوابات۔
- خمس کے بارے میں اس کتاب کو آپ تاریخ اسلام کا انحصاریہ کہہ سکتے ہیں۔
- ایک ایسی کتاب جسے آپ اپنی اولاد آنے والی نسلوں کو امانت۔ کے طور پر سپرد کرتے وقت ایک سکون محسوس کریں گے۔
- ...ین کتابت۔ طباعت اور رنگارنگ سرورق کے ساتھ مجلد۔
- یہ کتاب آپ کی لائبریری کی زینت بھی ہے ضرورت بھی۔

ناشر

شریکۃ الحسینؑ پبلی کیشنز پکی شاہ مردان (میانوالی)

Ph: 0459-392484, Website. www.al-noor.org.uk E-mail. almahdi@fsd.paknet.com.pk

حضرت امام زمانہ عج اور ہماری ذمہ داریاں

علامہ سید افتخار حسین نقوی کی اٹھارہ مجالس کا مجموعہ

"حضرت امام زمانہ عج اور ہماری ذمہ داریاں"

کے نام سے شائع ہوگی۔

حضرت امام زمانہ عج کی ذات اقدس کے بارے میں ہر مسلک کی ہر زبان میں کام ہو رہا ہے جو انشاءاللہ ان کے ظہور پرنور تک جاری وساری رہے گا۔

حضرت امام زمانہ عج اور ہماری ذمہ داریاں علامہ سید افتخار حسین نقوی کی ان تقاریر کا مجموعہ ہے جو انہوں نے گزشتہ سال مسقط میں پڑھیں

انتہائی عام فہم اور سادہ اردو زبان میں کی گئی ان تقاریر میں قاری اپنے آپ کو ان مجالس میں موجود پاتا ہے اور اس کا ذہنی مشالعاتی سفر جاری وساری رہتا ہے یہ ایک انتہائی اہم موضوع ہے کہ حضرت امام زمانہ عج کی غیبت کے دوران شیعیان حیدر کرارؑ پہ کون کون سی شرعی ذمہ داریاں وارد ہوتی ہیں جن کے بجالانے سے وہ حضرت حجت خدا عج کی بارگاہ میں سرخرو ہوسکتا ہے

اتنی عام فہم گفتگو آپ کو یقیناً اس عنوان کے تحت کم کتابوں میں ملے گی یقیناً ایک ہی نشست میں کتاب کے مندرجات تک رسائی کو دل چاہتا ہے کتاب شروع سے آخر تک قرآن واحادیث کیساتھ ساتھ تاریخی واقعات سے مزین ہے 324 صفحات پر محیط یہ مجالس اس دور پرفتن کی ازحد ضرورت ہیں ارباب منبر کے لیے یقیناً یہ ایک بیش بہا خزانہ ہے۔

بہترین آفسٹ کاغذ پر خوبصورت طباعت سے آراستہ اس کتاب کو خوبصورتی کے لحاظ سے بھی قارئین پسند کریں گے کتاب خوبصورت جلد اور رنگارنگ سرورق کے ساتھ آپ کی لائبریری کی زینت بننے کے بھی قابل ہے کتاب کی قیمت 100 روپے جو اس مہنگائی کے دور میں مناسب ہے۔

یہ کتاب مندرجہ ذیل مقامات سے منگوائی جاسکتی ہے۔

شریکۃ الحسینؑ پبلی کیشنز پکی شاہ مردان (میانوالی) 0459-392484

مخدوم السید جعفر الزمان نقوی

کی عرفان و آگہی سے بھرپور کتب

اسرار العبدیات
یعنی
روحانی عملیات

امتیاز العالیین
عن
انواع العالمین

مجالس المنتظرین
علی
روضۃ المظلومین

جلد اول۔ سوئم۔ چہارم۔ پنجم سرائیکی زبان میں
مجالس عزا کا تاریخی ذخیرہ

معدن العصمت
فی سیرت
ام القائم الحجت

دعائے تعجیل
فرج

طریق المنتظرین
در
فرائض المومنین

درج ذیل مقامات پر دستیاب ہیں

ولایت دی ہٹی ریل بازار عارف والا
مدرسہ خدیجۃ الکبریٰ پکی شاہ مردان (میانوالی)

محمدؐ وآل محمدؑ کے فرامین کی روشنی میں

ایک نورانی اور روحانی تحریروں
پر مبنی دستاویز

جذب وکیف شعور وآگہی۔ سوز دروں سے پردہ مظہر مزاج ابوذر تکمیل سرشت میثم طینت
ولائے اہل بیت میں سرشار۔ مودت کے موجزن سمندر میں غوطہ زن امین اسرار اہل بیت

مخدوم سید علمدار حسین شاہ

کے مشاہدات۔ مجربات۔ عملیات

صحیفہ عرفان

مرتب: شاعر آل عمران: **ملک صفدر حسین ڈوگر**

عرفان کے بارے میں قرآن حکیم اور معصومینؑ کے ارشادات مراجع عظام وعلماء اعلام
کے عرفن کے بارے میں اقوال تبصرے اور مشاہدات رہبر، رہنما، مرشد کے تصور پر شیعی نکتہ نظر
سے مدلل ٹھوس اور باحوالہ بحث۔

- دعا قرآن مجید اور معصومینؑ کی نظر میں
- نماز شب پر قرآن واحادیث سے مکمل فضیلت کے پہلو۔
- توبہ واستغفار، غیبت پر باحوالہ مقالہ جات

اَللّٰهُمَّ صَلِّ
عَلٰى مُحَمَّدٍ
وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ

التماس سورہ فاتحہ برائے تمام مرحومین

۱] شیخ صدوقؒ

۲] علامہ مجلسیؒ

۳] علامہ ساغر حسین

۴] علامہ سید علی نقی

۵] بیگم و سید عابد علی رضوی

۶) بیگم و سید احمد علی رضوی

۷) بیگم و سید رضا امجد

۸) بیگم و سید علی حیدر رضوی

۹) بیگم و سید سبط حسن

۱۰) بیگم و سید مردان حسین جعفری

۱۱) بیگم و سید جبار حسین

۱۲) بیگم و مرزا توحید علی

۱۳) سید حسین عباس فرحت

۱۴) بیگم و سید جعفر علی رضوی

۱۵) سید انعام حسین زیدی

۱۶) سیدہ ماہ زہرہ

۱۷) سیدہ رضویہ خاتون

۱۸) سید نجم الحسن

۱۹) سید مبارک رضا

۲۰) سید تہنیت حیدر نقوی

۲۱) بیگم و مرزا محمد ہاشم

۲۲) سید باقر علی رضوی

۲۳) بیگم و سید باسط حسین

۲۴) سید عرفان حیدر رضوی

۲۵) بیگم و اخلاق حسین

۲۶) سید ممتاز حسین

۲۷) بیگم و سید اختر عباس

۲۸) سید محمد علی

۲۹) سیدہ رضیہ سلطان

۳۰) سید مظفر حسنین

۳۱) سید باسط حسین نقوی

۳۲) غلام محی الدین

۳۳) سید ناصر علی زیدی

۳۴) سید وزیر حیدر زیدی

۳۵) ریاض الحق

۳۶) خورشید بیگم